نفائس الفقہ

علمی وفقہی مباحث ومضامین کا مجموعہ

جلد چہارم

مؤلف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم
بانی ومہتمم الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم، بنگلور

مکتبہ مسیح الامت دیوبند وبنگلور

جمیع الحقوق محفوظۃ

نام کتاب : نفائس الفقہ جلدِ چہارم

مؤلف : حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

بانی ومہتمم الجامعۃ الاسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

وخلیفہ حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم مظاہر علوم وقف سہارنپور

صفحات : ۵۰۲

تاریخ طباعت : رجب المرجب ۱۴۳۸ھ

ناشر : مکتبہ مسیح الامت دیوبند وبنگلور

موبائل نمبر : 9036701512 / 09634830797

ای میل : maktabahmaseehulummat@gmail.com

نفائس الفقہ (جلد چہارم)
پر ایک اجمالی نظر

- قادیانیت - ایک جھوٹ، ایک فریب
- کیا عورت بغیر محرم حج کرسکتی ہے؟
- جماعتِ تہجد کا شرعی حکم
- صدقۂ فطر - احکام ومسائل
- نمازِ استسقاء
- طاعون کی بیماری - حدیث کی روشنی میں
- کیو- ٹی وی (Q-TV) کا شرعی حکم
- ٹی وی اور ویڈیو کی تصاویر
- کیمرا، ٹی وی اور ویڈیو کی تصاویر - علمائے عرب کی نظر میں
- چند اہم فتاویٰ

فہرس

صفحہ	عناوین
	قادیانیت - ایک جھوٹ، ایک فریب
۱۷	مقدمہ
۲۱	ختم نبوت اور قادیانی
۲۱	خاتم النبیین کی تشریح
۲۳	خاتم کے معنی آخر
۲۶	ختم نبوت اور حدیث
۲۹	ختم نبوت کا فلسفہ
۳۵	ایک شبہ کا جواب
۳۶	ختم نبوت و تکمیل دین میں تلازم
۳۷	قادیانیوں کو جواب
۳۹	ایک اہم نکتہ
۴۰	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعویٔ نبوت کفر ہے
۴۲	ایک انتباہ

ختم نبوت اور علمائے دیو بند	۴۲
ختم نبوت رحمت اور نئی نبوت لعنت	۴۳
قادیانی نبوت کی حقیقت	۴۴
مرزا غلام احمد کا دعوائے نبوت	۴۵
ختم نبوت اور قادیانی تلبیسات	۵۰
نزول عیسیٰ اور ختم نبوت	۵۰
ختم نبوت کی تاویل مہر نبوت	۵۲
ظلی نبی کی من گھڑت اصطلاح	۵۴
محاورے کا بہانہ	۵۷
حضرت عائشہ ومغیرہ کے اقوال سے استناد	۵۸
کیا مرزا غلام احمد نبی ہو سکتا ہے؟	۶۰
مرزا قادیانی کی سیرت	۶۱
مرزا قادیانی کی بدگوئی	۶۵
مرزا اور توہین انبیا	۶۷
کذبات مرزا	۶۹
نبوتِ مرزا اپنی پیشین گوئی کے آئینہ میں	۷۱
ایک اہم وضاحت	۷۴
پادری آتھم کے بارے میں جھوٹی پیشگوئی	۷۸
آسمانی نکاح کی پیش گوئی	۸۰

مرزا کی عبرت ناک موت	۸۲
قادیانیوں کو دعوت اسلام	۸۵
قادیانی نبی اور انگریزی وحی	۸۶
قرآن کی کسوٹی پر	۸۷
خود مرزا کے اصول پر	۸۷
کیا مرزا قادیانی انگریزی زبان سے واقف تھا؟	۸۸
مرزا قادیانی کی ایک پُر فریب عبارت	۸۹
تاویل سے بھی کام نہ چلا	۹۱
عربی میں الہام ہونے کی مرزائی توجیہ	۹۲
انگریزی میں الہام کی توجیہ	۹۳
مرزا کا انگریزی ملہم	۹۶
الہامی فصاحت و بلاغت	۹۷
نبی افرنگ، اپنے اُمتی کا محتاج	۹۷
ایک سوال کا جواب	۹۸
جنرل ضیاء الحق رَحِمَہُ اللہُ کی موت اور قادیانی مباہلہ	۱۰۱
ایک قادیانی وسوسہ کا ازالہ	۱۱۰
قادیانی بوکھلاہٹ	۱۲۲
قادیانی چیلنجِ مباہلہ کا جواب	۱۳۰
دعوتِ مباہلہ یا فریب دہی	۱۳۱

احقر کو قادیانی چیلنج	۱۳۴
قادیانیوں سے چند سوالات	۱۳۵
مرزا طاہر کا چیلنج مباہلہ اور فرار	۱۴۰
ہم مباہلہ کے لیے تیار ہیں	۱۴۲
قادیانیوں کا مباہلہ سے ذلّت آمیز فرار	۱۴۴
یک طرفہ شرائط	۱۴۶
خلافِ سنت شرط نا قابل قبول	۱۴۷
مباہلہ کے لیے اجتماعِ طرفین کی شرط	۱۴۸
انتباہ وعبرت	۱۵۴
کیا عورت بغیر محرم حج کرسکتی ہے؟	
بلا محرم سفر سے متعلق احادیث نبویہ	۱۵۷
محرم کے شرط ہونے پر فقہا کی تصریحات	۱۶۱
مالکیہ وشوافع کا مسلک	۱۶۴
محرم یا شوہر نہ ہو تو عورت پر حج نہیں	۱۶۹
دوسری شرط کی تفصیل	۱۷۱
بوڑھی عورت کا حکم	۱۷۴
عورتوں کی جماعت کے ساتھ سفر کا حکم	۱۷۶
جماعتِ تہجد کا شرعی حکم	
التقریظ	۱۷۹
تمہید وتقدیم	۱۸۰

جماعت تہجد کا شرعی حکم	۱۸۴
تہجد کی جماعت اور حنفی نقطۂ نظر	۱۸۷
نوافل کی جماعت کے مکروہ ہونے کی دلیل	۱۸۹
دوسری دلیل	۱۹۰
ایک شبہ کا جواب	۱۹۱
دوسرا شبہ اور جواب	۱۹۲
علامہ ابراہیم حلبی رحمہ اللہ کا فتوی	۱۹۳
ملک العلما کاسانی کا فتوی	۱۹۴
علامہ ولوالجی رحمہ اللہ کا فتوی	۱۹۴
علامہ ابن البزاز الکردری رحمہ اللہ کا فتوی	۱۹۴
علامہ احمد بن محمد الحموی رحمہ اللہ کا فتویٰ	۱۹۵
علامہ ابن نجیم مصری رحمہ اللہ کا فتوی	۱۹۵
علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ کا فتویٰ	۱۹۶
علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ کا فتوی	۱۹۷
قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا فتوی	۱۹۸
حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا فتوی	۱۹۸
حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا فتویٰ	۱۹۹
حضرت شیخ الحدیث زکریا صاحب رحمہ اللہ کا ارشاد	۲۰۱
حضرت جی مولانا یوسف صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کا ارشاد	۲۰۱
حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا ارشاد	۲۰۱

بریلوی مسلک کے مستند عالم حضرت مولانا امجد علی صاحب کا فتوی	۲۰۲
حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا ارشاد	۲۰۲
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا فتوی!	۲۰۳
ایک وضاحت	۲۰۴
حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ کا فتوی	۲۰۴
علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا فتوی	۲۰۵
حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ کا فتوی	۲۰۶
علامہ عبد الشکور لکھنوی رحمہ اللہ کا فتوی	۲۰۶
امام مالک و امام شافعی و دیگر ائمہ کرام رحمہم اللہ کے فتاویٰ	۲۰۷
خاتمہ اور دعا	۲۰۸

صدقۂ فطر-احکام ومسائل

صدقۂ فطر اور قرآن کریم	۲۱۰
صدقۂ فطر احادیث میں	۲۱۱
صدقۂ فطر کا فقہی حکم	۲۱۳
کیا صدقہ فطر کا حکم منسوخ ہے؟	۲۱۷
صدقہ فطر کی وجہ تسمیہ	۲۱۸
صدقۂ فطر کی حکمت	۲۱۹
صدقۂ فطر اور صحابہ کے معمولات	۲۲۰
فائدہ	۲۲۲
صدقۂ فطر کے وجوب و ادا کرنے کا وقت	۲۲۳

صدقۂ فطر کن لوگوں پر واجب ہے؟	۲۲۵
صدقۂ فطر مالدار مسلمان پر واجب ہے	۲۲۶
نصاب کے بارے میں ایک وضاحت	۲۲۹
نابالغ پر صدقہ کا مسئلہ	۲۲۹
عورت کا صدقہ فطر	۲۳۱
ایک مشہور غلط فہمی کا ازالہ	۲۳۲
صدقۂ فطر کی مقدار	۲۳۳
گیہوں میں آدھا صاع کس نے مقرر کیا؟	۲۳۶
صاحب حیثیت لوگ توجہ فرمائیں	۲۴۰
صاع کی مقدار کی تحقیق	۲۴۱
صدقۂ فطر کی مقدار گرام کے حساب سے	۲۴۲
صدقہ فطر کا مصرف	۲۴۳
چند مسائل	۲۴۴
صدقہ فطر بازار کے حساب سے لگائی جائے	۲۴۵

نمازِ استسقاء

تمہید	۲۴۷
نمازِ استسقاء کیا ہے	۲۵۰
نمازِ استسقاء سے پہلے	۲۵۱
نمازِ استسقاء کب اور کہاں؟	۲۵۴
آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا عیدگاہ میں استسقاء	۲۵۵

نمازِ استسقاء کا طریقہ اور مسائل	۲۵۷

طاعون کی بیماری- حدیث کی روشنی میں

طاعون کیا ہے؟	۲۶۶
طاعون کے ظاہری و باطنی اسباب	۲۶۷
طاعون، عذاب خداوندی	۲۶۸
طاعون جنات کا حملہ	۲۶۹
فائدہ	۲۷۱
ایک شبہ کا جواب	۲۷۲
فرعونیوں پر طاعون کا عذاب	۲۷۳
بنی اسرائیل پر طاعون کا عذاب	۲۷۴
حضرت داؤد علیہ السلام کی قوم پر طاعون	۲۷۵
طاعون فحش کاری کی سزا	۲۷۶
طاعون کافر کے لیے زحمت، مؤمن کے لیے رحمت	۲۷۸
طاعون مؤمن کے لیے شہادت	۲۷۹
فائدہ اولی	۲۸۱
فائدہ ثانیہ	۲۸۲
امت کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا	۲۸۳
طاعون سے مدینہ کی حفاظت	۲۸۴
مدینہ میں طاعون کبھی بھی نہ ہوگا	۲۸۵

حدیث میں ان شاء اللہ کا مفہوم	۲۸۶
مدینہ کی طاعون سے حفاظت کیوں؟	۲۸۷
ایک شبہ کا ازالہ	۲۸۸
مکہ مکرمہ طاعون سے محفوظ	۲۸۹
طاعونی شہید، دربار خداوندی میں	۲۹۰
لوگوں کا جھگڑا اور خدائی فیصلہ	۲۹۰
طاعون زدہ علاقے میں نہ جاؤ اور نہ اس سے نکلو	۲۹۱
ایک کی بیماری دوسرے کو لگتی نہیں	۲۹۲
طاعون سے فرار پر وعید	۲۹۹
کیو-ٹی وی (Q-TV) کا شرعی حکم	
تمہید	۳۰۳
سوال	۳۰۵
الجواب ومنہ الصواب	۳۰۵
جاندار کی تصاویر	۳۰۷
فحش و بے حیائی	۳۰۹
گانا بجانا اور قوالی	۳۰۹
دین کی بے حرمتی	۳۱۲
تحریف دین	۳۱۴
مجہول یا غیر متشرع لوگوں کا بیان و تفسیر	۳۱۴

دینی اصطلاحات میں ردوبدل	۳۱۷
بدعات وخرافات کی ترویج	۳۲۰
کیا کیوٹی وی آلۂ تحصیل علم وتبلیغ ہے؟	۳۲۱
تجاویز منظور کردہ آٹھواں فقہی اجتماع، بنگلور	۳۲۳
ٹی وی اور ویڈیو کی تصاویر	
ٹی اور ویڈیو کی تصاویر کا حکم	۳۲۷
علمائے معاصرین کی آراء	۳۲۸
کیا صرف پرستش کی جانے والی تصاویر حرام ہیں؟	۳۳۰
کیا ’’ٹی وی‘‘ کی تصاویر پامال ہیں؟	۳۳۱
کیا ’’ٹی۔وی‘‘ کی صورتیں عکس ہیں؟	۳۳۲
ٹی وی اور کیمرے کی تصویر	۳۳۳
’’ٹی وی‘‘ اور برقی ذرات	۳۴۰
مباشر وغیر مباشر پروگرام کا حکم؟	۳۴۰
مذکورہ دلائل کا جائزہ	۳۴۱
ٹی وی کی صورتوں کو عکس قرار دینا صحیح نہیں	۳۴۴
مباشر وغیر مباشر پروگرام میں فرق؟	۳۴۴
تصویر ہونے کی واضح دلیل	۳۴۵
دوسری دلیل	۳۴۶
مفتی تقی عثمانی زید مجدہم کے نظریہ کا جائزہ	۳۴۷

متحرک تصاویر اور ایک غلط فہمی کا ازالہ	۳۶۱
کیمرا، ٹی وی اور ویڈیو کی تصاویر- علمائے عرب کی نظر میں	
تمہید	۳۶۴
عکسی تصویر حرام ہے	۳۶۶
شیخ عبدالعزیز ابن باز کا فتوی	۳۶۷
شیخ علامہ عبداللہ بن عقیل کا فتوی	۳۷۰
شیخ علامہ عبدالرزاق العفیفی کا فتوی	۳۷۱
علامہ شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ کا فتوی	۳۷۲
علماء ''اللجنۃ الدائمۃ'' کے فتاوی	۳۷۶
شیخ علامہ محمد علی الصابونی کا فتوی	۳۸۷
شیخ علامہ صالح الفوزان کا فتوی	۳۸۸
شیخ ناصرالدین الالبانی کا فتوی	۳۹۱
مصری عالم شیخ ابوذر قلمونی کا فتوی	۳۹۴
شیخ محمد بن صالح العثیمین کا فتوی	۳۹۵
ٹی وی اور ویڈیو کی تصویر بھی حرام ہے	۴۰۳
''ڈش آنٹینا'' کا حکم	۴۱۹
چند اہم فتاویٰ	
کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عام لوگوں سے زیادہ قوت دی گئی تھی؟ ایک روایت کی تحقیق	۴۲۵

تمہیدِ سخن	۴۲۵
پہلی بات	۴۲۶
دوسری بات	۴۲۷
تیسری بات	۴۲۸
چوتھی بات	۴۲۹
پانچویں بات	۴۳۰
اب حوالہ سن لیجئے	۴۳۱
آخری بات	۴۳۵
رمضان کی فجر میں جلدی کرنے کا حکم	۴۳۷
صدیق دیندار اور دیندار انجمن	۴۴۱
رجب کے روزوں کی تحقیق	۴۴۷
پلِ صراط کی مسافت: ایک روایت کی تحقیق	۴۵۱
صلوۃ الاشراق کا ثبوت کیا ہے؟	۴۵۴
حالت حیض میں تلاوت قرآن	۴۶۰
تبدیلیٔ جنس کا حکم	۴۶۶
مصنوعی عورت سے جنسی تسکین	۴۷۱
عمان کے فرقہ ءاباضیہ کا حکم	۴۷۴
اللہ کا دیدار اور اس کی آواز کا سننا	۴۷۷
حوض صغیر سے وضو کا حکم	۴۸۱

خطبۂ جمعہ اردو میں	۴۸۷
خطبۂ جمعہ سے قبل وعظ و بیان	۴۹۴
مشینی ذبیحہ کا شرعی حکم	۵۰۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقَدِّمَۃ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

قادیانیت جو کہ اسلام کے خلاف ایک کھلی بغاوت، حضرت خاتم المرسلین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ایک غاصبانہ حملہ اور انگریز سامراج کے خوابوں کی سچی تعبیر ہے، اس کی ریشہ دوانیاں اسلام کے خلاف روز اول ہی سے جاری ہیں اور یہ ''شرار بولہبی'' برابر ''چراغ مصطفوی'' سے ٹکرانے کی ناکام کوشش کرتا آرہا ہے۔

قادیانیت کا یہ فتنہ آج سے ایک صدی پہلے صوبۂ پنجاب کے ایک ضلع ''گورداسپور'' میں واقع قصبہ ''قادیان'' میں مرزا غلام احمد قادیانی نے انگریزی سامراج کی شہہ پر امت مسلمہ مرحومہ میں پھوٹ ڈالنے اور اس کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لیے جاری کیا، مرزا غلام احمد نے اول اپنے آپ کو خادم اسلام کی حیثیت سے پیش کیا، پھر ملہم ومحدَّث ہونے کا دعوی کیا اور پھر وقفے وقفے سے مہدویت، مسیحیت ونبوت کے دعوے کرتا رہا اور بالآخر ''مسیح موعود'' اور ''مستقل نبی'' ہونے کا مدعی ہوا۔

اس فتنے کی سرکوبی کے لیے حضرات علما ہند نے تن من دھن کی بازی لگادی اور

متعدد حضرات اکابر نے اس سلسلے میں کارہائے نمایاں انجام دئے، جن میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری، حضرت مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی، حضرت مولانا سید شاہ عطاء اللہ بخاری، وغیرہ کے نام نامی واسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

ہندوستان کی تقسیم کے بعد اس حساس مسئلہ پر حضرت مولانا سید شاہ عطاء اللہ بخاری نے علامہ انور شاہ کشمیری کے ایما پر کام کیا اور بالآخر ایک زبردست تحریک چلائی جس میں متعدد اکابر نے حصہ لیا اور اس کے نتیجہ میں ۷/ستمبر ۱۹۷۴ء کو حکومت پاکستان نے قادیانیوں کو ''غیر مسلم اقلیت'' قرار دیتے ہوئے ایک تاریخ ساز فیصلہ کیا، اور پھر ۲۶/اپریل ۱۹۸۴ء کو امتناع قادیانیت آرڈیننس جاری ہوا جس کی رو سے قادیانیوں پر یہ پابندی لگی کہ وہ اسلام کے نام سے قادیانیت کا پرچار نہیں کر سکتے اور اسلام کا نام اور اسلامی شعائر واصطلاحات استعمال نہیں کر سکتے۔ اس قانون کے پاس ہونے کے بعد مرزا طاہر جو کہ مرزا غلام احمد کا پوتا اور مرزائی جماعت کا چوتھا امیر تھا وہ اپنے مقام ''ربوہ'' کو چھوڑ کر فرار ہو گیا اور لندن میں انگریز کی گود میں جا کر پناہ لینے پر مجبور ہوا اور اپنا قصر خلافت وہیں قائم کیا اور تا دم آخر وہیں رہا اور آج بھی قادیانیوں کا لندن ہی دار الخلافہ ہے۔

ادھر چند سالوں سے ہندوستان میں ان کی ریشہ دوانیاں کچھ زیادہ ہو گئی ہیں، مختلف علاقوں میں یہ لوگ اپنی عیاریوں اور مکاریوں اور سادہ لوح مسلمانوں کے ساتھ فریب کاریوں کے ساتھ اپنے ناپاک عزائم کے مطابق مرزا کی نبوت کا ظلمانی پرچم جگہ جگہ لہرانے کی ناپاک کوشش کرتے رہتے ہیں؛ لہذا علما کرام کا فرض بنتا ہے

کہ وہ اس سلسلے میں عوام الناس کو بیدار کرنے اور ان کے دام تزویر سے امت کو بچانے کی خاطر جد و جہد اور سعی کریں، چناں چہ علما ماضی کی طرح موجودہ علما نے بھی اس سلسلے میں امت کو اس فتنے سے چوکنا رکھنے اور اس کی فریب کاریوں سے آگاہ کرنے کی خاطر کام جاری رکھا ہے۔

اسی سلسلے میں احقر نے بھی مختلف اوقات میں بعض مضامین لکھے تھے اور مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے؛ مگر ان میں سے بعض محفوظ نہ رکھنے کی وجہ سے ضائع ہو گئے اور اخبارات کی فائلوں میں تلاش کا موقعہ سر دست نہیں مل سکا، ممکن ہے کہ آئندہ اس سلسلے میں کوئی پیش قدمی کی جائے اور ان سب کو بھی یکجا کیا جا سکے اور جو محفوظ رہے یہاں ان کو کتابی صورت میں پیش کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے۔

ان مضامین میں ہم نے بعض جگہ اضافے کئے ہیں اور بعض جگہ عبارت میں مختصر ترمیم کی ہے اور بعض جگہ حوالہ جات میں اضافے کئے ہیں اور کہیں کہیں تشنگی تھی تو اس کو تشریح و توضیح کے ذریعہ بجھانے کی کوشش کی ہے اور ایک کام یہ کیا کہ قادیانی کتب کے جو حوالے تھے ان میں سے مرزا غلام احمد کی کتابوں کو اس کی کتابوں کے مجموعہ ''روحانی خزائن'' کے حوالے سے بھی مطابق کر دیا ہے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اس مختصر مجموعہ کو کفر و ضلالت کی وادیوں میں بھٹکنے والوں کے لئے اور شک و ریب میں حیراں و سرگرداں لوگوں کے لئے ذریعۂ ہدایت بنائے اور اہل اسلام کے لئے حق و صداقت پر قائم و دائم رہنے کا وسیلہ بنائے۔ فقط

۱۷/ جمادی الاخری ۱۴۲۹ھ
۲۲/ جون ۲۰۰۸ء

خادم الاسلام
محمد شعیب اللہ خان
مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

قادیانیت

ایک جھوٹ، ایک فریب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ختم نبوت اور قادیانی

اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر بیشمار نعمتیں نازل فرمائی ہیں اور ان میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ اس نے انسانوں کی ہدایت کے واسطے اپنے منتخب ومخصوص بندوں پر اپنے احکام اور اپنا کلام نازل فرمایا، ان منتخب بندوں کو نبی کہتے ہیں اور ان کے منصب کو نبوت کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبوت کا یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع فرما کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم فرمادیا؛ اسی لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین سے ملقب ہوئے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں بنایا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس آخری امت ''امت محمدیہ'' کو جن فضائل خاصہ اور مناقب مخصوصہ سے نوازا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کو وہ نبی عطا فرمایا جس کو ''ختم نبوت'' کا تاج پہنا کر بھیجا گیا اور جو نبی آخر الزماں خاتم النبیین اور ختم المرسلین کے القاب سے پکارا جاتا ہے۔

خاتم النبیین کی تشریح

قرآن مجید نے آپ کو ''خاتم النبیین'' کے لقب سے یاد کیا ہے. چناں چہ فرمایا:

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ

وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْماً.

(الأحزاب: ۴۰)

(حضرت محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں؛ لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ تعالی ہر چیز کا علم رکھنے والے ہیں۔)

اس میں حضرت رسالت مآب ﷺ کے لئے ''خاتم النبیین'' کا لقب استعمال فرمایا گیا ہے،اس کی تشریح سے پہلے بطور تمہید اس آیت کریمہ کی شان نزول سن لینا چاہیے۔

روایات میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے متبنی (لے پالک لڑکے) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کر دیا تھا؛ مگر ان دونوں میں ازدواجی تعلقات کی ناہمواری نے نوبت طلاق تک پہنچادی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا پر طلاق ہو جانے کے بعد ان سے خود نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالی کے حکم سے نکاح کرلیا؛ مگر چوں کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ اپنے لے پالک کو حقیقی بیٹے کا درجہ دے کر اس کی بیوی کو حقیقی بہو سمجھتے تھے؛ اس لیے آپ ﷺ کے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح پر مخالفین نے شور برپا کر دیا کہ اپنی بہو سے نکاح کرلیا،اس شور و ہنگامہ اور کفار کے اعتراضات کے جواب میں دیگر آیات کے ساتھ یہ آیت بھی نازل ہوئی۔

اُن لوگوں کا ایک اعتراض یہ تھا کہ آپ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا، اس کا جواب آیت کے پہلے حصہ میں دیا گیا کہ آپ مردوں میں سے (نزول آیت کے وقت) کسی کے باپ نہیں ہیں کہ آپ کا حقیقی بیٹا ہوتا اور پھر کوئی بہو متصور ہوتی؛

لہٰذا تمہارا اعتراض ساقط ہے۔

دوسرا اعتراض بعض لوگوں کی طرف سے کیا گیا تھا کہ اگر لے پالک کی مطلقہ سے نکاح کرنا درست بھی تھا تو ضروری کیا تھا؟ اگر نہ کرتے تو اس سے کیا فرق آجاتا اس کا جواب دوسرے جملے میں دیا گیا کہ چوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور رسول کی ذمے داری ہوتی ہے کہ ہر غلط رسم کو مٹائے؛ لہٰذا کفار کی یہ رسم کہ لے پالک کی بیوی سے نکاح کو برا سمجھتے ہیں قابل اصلاح تھی؛ اس لیے عملی طور پر لے پالک کی بیوی سے شادی کے ذریعہ اس کی اصلاح کی گئی اور چوں کہ آپ پر نبیوں کا سلسلہ بھی ختم ہے اور آپ آخری نبی ہیں؛ اس لیے اس کی اصلاح فوری طور پر ضروری تھی؛ کیوں کہ بعد میں کوئی نبی بھی آنے والا نہیں کہ اس کی اصلاح اس کے ذمہ کی جاتی۔

اس پس منظر کو سامنے رکھ کر اب اس لفظ ''خاتم النبیین'' پر غور کیجیے تو معلوم ہو جائے گا کہ اس کے معنی یہی متعین ہیں کہ آپ نبیوں کے سلسلے کو ختم کردینے والے ہیں اور یہ کہ آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ اگر اس کے یہ معنے نہ ہوں تو سیاق کلام بھی مختل ہو جاتا ہے اور مقصود کلام بھی پورا نہیں ہوتا؛ کیوں کہ یہی بتانا مقصود ہے کہ آپ آخری نبی ہیں؛ لہٰذا اس رسم باطل کی اصلاح آپ ہی کے ذریعے ہو جانی ضروری تھی۔

خاتم کے معنی آخر

یہاں جو لفظ ''خاتم'' آیا ہے اس کو خاتم (ت پر زبر کے ساتھ) اور خاتم (ت پر زیر کے ساتھ) دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور ہر دو صورت میں اس کے معنی ہیں: ''ختم کرنے والا، بند کرنے والا''۔

چناں چہ عربی لغت میں بھی اور تفاسیر میں بھی اس کا یہی معنی لیا گیا اور لکھا گیا

ہے، یہاں نمونہ کے لئے صرف ایک دوحوالوں پر اکتفاء کرتا ہوں:

مختارالصحاح میں ہے:

" الخَاتِم بفتح الخاء و كسرها ، والخيتام والخاتام كلّه بمعنى، والجمع الخواتيم، وخاتمة الشىء آخرُه، و محمد ﷺ خاتم الأنبياء ."

(خاتَم اور خاتِم اور خیتام وخاتام، ان سب کے معنی ایک ہی ہیں اور ان کی جمع خواتیم آتی ہے اور خاتمۃ الشئی کے معنی آخرِ شئی کے ہیں اور اسی سے محمد ﷺ کو خاتم الانبیاء کہا جاتا ہے۔)(۱)

اورعلامہ زبیدی رحمہ اللہ نے قاموس کی شرح ''تاج العروس'' میں کہا ہے:

"و الخاتَم من كل شىء عاقبتُه وآخرتُه كخاتمتِهِ ، والخاتَم آخر القوم كالخاتِم ومنه قوله تعالى :"وخاتم النبيين" أي آخرهم ."

(خاتم ہر چیز کا انجام وآخری نتیجہ جیسے خاتمہ اور خاتَم کے معنی قوم کا آخری شخص، جیسے خاتِم کے بھی یہی معنی ہیں اور اسی سے اللہ کا یہ قول ہے: وخاتم النبیین، یعنی انبیا کے آخری فرد۔)(۲)

مشہور ومستند عالم تفسیر علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" فهذه الآية نصٌّ في أنه لا نبي بعدَه وإذا كان لا نبي بعده فلا رسول بعده بالطريق الأولى والأخرى ؛ لان مقام

(۱) مختار الصحاح: ۱/۱۹۶

(۲) تاج العروس: ماده "ختم"

الرسالة أخصّ من مقام النبوة، فإن كل رسول نبي ولا ينعكس ، وبذلك وردت الأحاديث المتواترة عن رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم من حديث جماعة من الصحابة رضی اللہ عنہم .“

(یہ آیت اس بات میں نص صریح ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا اور جب آپ کے بعد نبی نہیں تو رسول بھی نہیں، کیوں کہ مقامِ رسالت مقام نبوت سے خاص ہے؛ لہٰذا ہر رسول نبی ہوتا ہے؛ لیکن اس کے برعکس نہیں ہوتا اوراسی معنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ حوالہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احادیث متواترہ منقول ہوئی ہیں۔(۱)

اور”التحرير والتقرير“ میں اس کے مؤلف کہتے ہیں:

” والآية نصٌّ في أنّ محمداً صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبيين وأنه لا نبي بعده في البشر؛ لان النبيين عام فخاتم النبيين خاتهمم في صفة النبوة.......................وقد أجمع الصحابة على أن محمداً خاتم الرسل والأنبياء وعرف ذلك وتواتر بينهم وفي الأجيال من بعدهم ، و لذلك لم يتردّدُوْا في تكفير مسيلمة والأسود العنسي فصار معلوماً من الدين بالضرورة ، فمن أنكره فهو كافر خارج عن الإسلام ولو كان معترفاً بأن محمداً رسول اللّٰه للناس كلهم .“

(آیت اس بارے میں نص ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۶۵۰/۳

ہیں اور آپ کے بعد انسانوں میں کوئی نبی نہیں؛ کیوں کہ خاتم النبیین لفظ عام ہے؛ لہٰذا نبیوں کا خاتم وصف نبوت میں ان کا خاتم ہے ....اور صحابہ نے اجماع کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الرسل اور خاتم الانبیاء ہیں اور یہ بات ان میں اور ان کے بعد کی نسلوں میں معروف و متواتر تھی اور اسی لیے ان حضرات کو مسیلمہ اور اسود عنسی کی تکفیر میں کوئی تردد نہ ہوا؛ لہٰذا یہ بات دین کی ضروریات میں سے قرار پا گئی، پس جو شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ کافر خارج از اسلام ہے، اگرچہ کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام لوگوں کے لیے اللہ کا رسول مانتا ہو۔)(۱)

غرض یہ کہ خاتم کے معنی آخر کے ہیں؛ لہٰذا خاتم النبیین کے معنی ہوئے ''آخر النبیین'' کہ آپ آخری نبی ہیں؛ کیوں کہ آپ کی آمد سے نبوت کا دروازہ بند کردیا گیا، اب کوئی نیا نبی دنیا میں نہیں آسکتا۔

ختم نبوت اور حدیث

قرآن کے بعد احادیث شریفہ کا مقام ہے؛ لہٰذا اس کے ذخیرہ میں بھی بے شمار احادیث ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی اور آپ کے بعد کسی کے نبی بنائے جانے کو باطل قرار دیتی ہیں۔ یہاں چند احادیث پر نظر ڈالتے چلیں:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''كانت بنو إسرائيل تَسُوْسُهم الأنبياءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نبيٌّ، و أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَسَيَكُوْنُ خُلَفَاءُ، فَيَكْثُرُوْنَ.''

---

(۱) التحریر والتنویر: ۳۳۶۶

(بنی اسرائیل کی قیادت حضرات انبیاء فرمایا کرتے تھے، جب کوئی نبی مرجاتا تو اس کی جگہ دوسرا نبی آجاتا؛ مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا؛ بل کہ خلیفہ ہوں گے اور وہ بہت ہوں گے۔)(۱)

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« فُضِّلْتُ علَى الأنبِيَاءِ بِستٍّ : أُعْطِيْتُ بِجَوامِعِ الْكَلِمِ، وَ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ،وَأُحِلّتْ لِيَ الغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُوْراً وَمَسْجِداً ، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ . »

(مجھے چھ باتوں میں دیگر انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے: ایک یہ کہ جامع کلام کرنے کی صلاحیت دی گئی، دوسرے یہ کہ رعب سے میری مدد کی گئی، تیسرے یہ کہ غنیمت کے اموال میرے لیے حلال کر دیئے گئے، چوتھے یہ کہ زمین کو میرے لیے ذریعۂ طہارت اور مسجد بنایا گیا، پانچویں یہ کہ پوری مخلوق کے لیے مجھے رسول بنایا گیا اور چھٹے یہ کہ مجھ پر انبیا کے سلسلہ کو ختم کر دیا گیا۔(۲)

(۳) ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« لِيْ خَمْسَةُ أَسْمَاءَ :أَنَا مُحَمَّدٌ ، وَأَحْمَدُ، وَأَنَا الْمَاحِيْ الَّذِيْ يَمْحُوْ اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ وَأَنَا الحَاشِرُ الَّذِيْ يُحْشَرُ النَّاسُ

(۱) البخاري: ۱/۴۹۱، حديث : ۳۲۶۸، مسلم : ۲/۱۲۶، حديث : ۱۸۴۲، صحيح ابن حبان: ۱۰/ ۴۱۸

(۲) مسلم: ۲/۱۹۹، حديث: ۵۲۳، ترمذي: ۱۵۵۳

عَلَى قَدَمِيْ وَأَنَا الْعَاقِبُ وفى رواية :وَأَنَا الْعَاقِبُ الَّذِيْ لَيْسَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ . »

(میرے پانچ نام ہیں : میں محمد ہوں ،احمد ہوں ۔اور میں ماحی ہوں جس کے ذریعہ اللہ کفر کو مٹاتا ہے اور میں حاشر ہوں جس کے قدم پر لوگوں کو اٹھایا جائے گا اور میں عاقب ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں ۔)(۱)

(۴)ایک لمبی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« وَإِنَّهُ سَيَكُوْنُ فِي أُمَّتِي كَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَلَا نَبِيَّ بَعْدِيْ . »

(میری امت میں تیس جھوٹے ہوں گے جن میں سے ہر ایک کا یہ دعوی ہوگا کہ وہ نبی ہے، حالاں کہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔)(۲)

(۵)ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری مثال اور میرے سے ماقبل انبیا کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک مکان بنایا اور اس کو نہایت حسین وجمیل بنایا؛ مگر اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی ۔لوگ اس مکان کا گشت کرنے اور تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے کہ کیوں اس جگہ بھی ایک اینٹ نہیں رکھ دیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:''وَأَنَا

(۱) بخاري: ۳۳۳۹،مسلم: ۲۳۵۴،ترمذي: ۲۸۴۰،احمد: ۲/ ۲۳۶

(۲) ابو دائود: ۲/ ۲۳۴، حديث: ۴۲۵۲، ترمذي: ۲/ ۴۵، حديث: ۲۲۱۹، مستدرك: ۴/ ۴۹۶

اللَّبِنَةُ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ" (کہ میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔)"(۱)

بطور نمونہ از خروارے یہ چند احادیث پیش کی گئی ہیں، ورنہ اس سلسلے میں ایک عظیم ذخیرہ موجود ہے۔ یہ واضح ترین ارشادات نبویہ، پوری صفائی و وضاحت کے ساتھ نبی عربی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر النبیین و خاتم النبیین قرار دے رہی ہیں اور آپ کے بعد سلسلۂ نبوت کے بند ہو جانے کی برملا خبر دے رہی ہیں اور یہ بھی واضح کر رہی ہیں کہ آپ کے بعد جو نبی کہلانے والا ہوگا وہ جھوٹا ہوگا۔ اس کے بعد کہاں گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ آپ کو خاتم النبیین بہ معنی آخر النبیین ماننے میں تامل کیا جائے یا اس میں کوئی تاویل کی جائے؟

ختم نبوت کا فلسفہ

ہاں یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ نبوت کا سلسلہ دراصل بندوں پر "نعمت الٰہی" کا ایک عظیم سلسلہ ہے، جس کو اللہ تعالی نے ماضی میں ایک طویل مدت تک جاری رکھا اور انسانوں کی ہدایت کا سامان جس کے ذریعہ بہم پہچایا گیا، وہ سلسلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں ختم کر دیا گیا؟ بالفاظ دِگر انسانوں کو اب اس سے محروم کیوں کر دیا گیا؟

یہ وہ سوال ہے جو مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے ماننے والے، اہل اسلام سے کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ عوام کو بہکانے کی کوشش کی جاتی ہے؛ لہٰذا اولاً ہم اسی کا جواب دیتے ہیں، پھر آگے بڑھیں گے؛ مگر اس کا جواب سمجھنے سے قبل ذہن میں یہ

(۱) بخاري: ۳۳۴۲، مسلم: ۲۲۸۶، احمد: ۲/۳۹۸، صحيح ابن حبان: ۱۴/۳۱۵، شعب الايمان: ۲/۷۸

ہونا چاہیے کہ حضرات انبیاء اور نبوت کا سلسلہ جو دنیا میں باقی رکھا گیا اور پے در پے حضرات انبیا آتے رہے، اس کی تین وجوہات ہیں:

(۱) ایک یہ کہ ایک نبی کے آ کر جانے کے بعد اس کے لائے ہوئے پیغامات و احکامات میں عام طور پر لوگ تحریف وتبدیلی، اضافہ وترمیم کر کے ان کو مسخ کر دیا کرتے تھے اور یہ تحریف وتبدیلی کا عمل اس طرح سے مستحکم ہوتا کہ بعد میں آنے والا کوئی شخص نبی کے اصل پیغام کو غیر اصل سے ممتاز کرنا چاہتا تو یہ اس کے لیے ناممکن ہوتا؛ لہٰذا ضرورت ہوتی کہ پچھلے نبی کے لائے ہوئے اس خدائی پیغام میں جو کچھ تبدیلیاں اور تحریفات، اضافے اور ترمیمات لوگوں کی جانب سے واقع ہوئی ہیں ان کی نشان دہی کی جائے اور اصل اور غیر اصل میں امتیاز کر دیا جائے۔

چناں چہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد دوسرا نبی روانہ فرماتے جو اپنے سے پیشرو نبی کی تصدیق وتوثیق بھی کرتا اور اس کے پیغام کو دہراتا اور ساتھ ہی ساتھ اس کے پیغام میں واقع ہونے والی تحریفات کو مٹا بھی دیتا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے جب جب ضرورت محسوس فرمائی حضرات انبیا علیہم السلام کو بھیج کر اپنے پیغام کی حفاظت فرمائی۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبوت ابھی اپنے تکمیلی مراحل سے گزر رہی تھی، جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دورِ نبوت آیا تو نبوت اپنے عروج وکمال کو پہنچ گئی۔ ظاہر ہے کہ تکمیلی مراحل سے جو چیز گزر رہی ہو وہ نقطۂ عروج وکمال کو پہنچنے سے پہلے مکمل نہیں ہو سکتی؛ لہٰذا پچھلے ادوار میں نبوت کو تکمیلی ادوار سے گزارنے کے لیے حضرات انبیا علیہم السلام کو بھیجا جاتا رہا، ہر بعد میں آنے والا نبی نبوت کو اس کے انتہائی عروج وکمال تک پہچانے کے لیے کوئی نہ کوئی کارنامہ انجام دیتا، یہاں تک کہ محمدی دور میں وہ اپنے انتہائی عروج وکمال کو پہنچ گئی۔

چناں چہ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے اس کو ایک تمثیلی پیرایے میں بیان فرمایا ہے:

''میری مثال اور میرے سے ماقبل انبیا کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک مکان بنایا اور اس کو نہایت حسین وجمیل بنایا؛ مگر اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی ،لوگ اس مکان کا گشت کرنے اور تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے کہ کیوں اس جگہ بھی ایک اینٹ نہیں رکھ دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:''وَأَنَا اللَّبِنَةُ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ'' (کہ میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں)''(۱)

اس بلیغ تمثیل میں اللہ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ نے اس بات کو واضح فرما دیا ہے کہ ماقبل انبیا کے دوروں میں نبوت تکمیلی مراحل سے گزرتی رہی ہے، یہاں تک کہ قصر نبوت تکمیل کے قریب پہنچ گیا اور جو کچھ کام باقی تھا وہ آپ نے پورا کر کے اس کو مکمل فرما دیا۔

(۳) تیسری وجہ یہ تھی کہ گزشتہ انبیا کو اللہ تعالی نے بعض قوموں اور علاقوں کے لیے بھیجا تھا اور ان کا زمانہ بھی محدود ہوتا تھا، ایسا نہیں ہوا کہ دنیا کی تمام قوموں اور تمام خطوں اور علاقوں کے لیے اور تمام زمانوں کے لیے ایک ہی نبی بھیجا گیا ہو۔ الغرض آپ سے پہلے انبیا ہر قوم اور ہر زمانہ کے لیے نہیں ہوتے تھے؛ لہٰذا ایک نبی کے ہوتے ہوئے یا اس کے بعد دوسری قوم اور دوسرے زمانے والوں کے لیے

---

(۱) بخاري: ۳۳۴۲،مسلم: ۲۲۸۶،احمد: ۲/۳۹۸،صحيح ابن حبان: ۱۴/۳۱۵، شعب الايمان: ۲/۷۸

نبی کی ضرورت واقع ہوئی تھی ؛اس لیے نبوت کا سلسلہ جاری تھا؛لیکن ہمارے نبی حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عالمگیر نبوت کا منصب لے کر آئے ہیں، جو ایک طرف قیامت تک تمام زمانوں کا احاطہ کرتا ہے تو دوسری جانب دنیا کے تمام علاقوں وخطوں اور موجودہ وآئندہ تمام قوموں اور انسانی افراد کو اپنے دائرے میں لے لیتا ہے؛ لہٰذا اب کسی نبی کی ضرورت ہی سرے سے باقی نہیں رہی۔

جب یہ تین باتیں واضح ہوگئیں کہ سلسلۂ نبوت کو پچھلے ادوار میں باقی رکھنے کی وجہ ایک تو پچھلے انبیا کی شریعتوں اور ان کے پیغاموں میں تبدیل وتحریف کا واقع ہونا ہے اور دوسرے یہ ہے کہ ان ادوار میں نبوت ابھی تکمیلی مراحل سے گزر رہی تھی؛ لہٰذا اس کے لیے انبیا آتے رہے اور تیسری وجہ یہ کہ گزشتہ انبیاء نہ تمام زمانوں کے لیے تھے اور نہ تمام انسانوں کے لیے تھے ؛بل کہ بعض لوگوں کے لیے ایک محدود زمانے تک کے واسطے بھیجے جاتے تھے؛ لہٰذا دوسری اقوام اور دیگر ازمان کے لیے نبیوں کی ضرورت پڑتی تھی،تو اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ وجوہات اب بھی باقی ہیں یا نہیں؟ اگر ان وجوہات کو باقی مانیں تو سلسلۂ نبوت کے ختم ہونے پر سوال ہوگا کہ کیوں ختم ہوگیا؟ اور اگر ان وجوہات کو موجودہ دور میں باقی نہ مانیں تو ظاہر ہے کہ سوال ہی سرے سے ختم ہوجائے گا۔

اب رہی یہ بات کہ ابقاء سلسلۂ نبوت کی وہ وجوہات اب باقی ہیں یا نہیں ہیں؟ اس کا جواب خود اللہ تعالی اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قرآن میں دے دیا ہے، چناں چہ پہلی وجہ کہ پہلی شریعتیں انبیا کے جانے کے بعد تحریف وتبدیل کا شکار ہوجاتی تھیں،جس کی بنا پر دوسرے نبی کے بھیجے جانے کی ضرورت ہوتی ، اس کے متعلق قرآن نے صاف صاف الفاظ میں فرمایا ہے:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ ﴾ (الحجر:۹)
(ہم ہی نے ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔)

اس آیت میں ''الذکر'' سے مراد مفسرین کے مطابق قرآن مجید ہے جو کہ شریعت محمدی کی اصل ہے اور بعض حضرات جیسے حسن بصری سے منقول ہے کہ قرآن کی حفاظت سے مراد شریعت ہی کی حفاظت ہے۔[۱]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالی نے شریعت محمدی کی حفاظت کا ذمہ اپنے اوپر لے لیا ہے؛ لہٰذا اس میں تحریف وتبدیلی، اضافہ وترمیم نہیں چل سکے گی؛ بل کہ یہ شریعت قیامت تک ہر قسم کی تحریفات وترمیمات سے محفوظ ہوگی۔

اس سے معلوم ہو کہ سلسلۂ نبوت باقی رکھنے کی جو پہلی وجہ تھی، قرآن نے خود شریعت محمدی کے سلسلے میں اس کی نفی کردی ہے؛ لہٰذا اب یہ خوف واندیشہ نہیں کہ شریعت محمدی محرّف ومبدّل ہو جائے گی اور اس میں لوگ اضافے وترمیم کا قلم چلا سکیں گے، جب یہ نہیں تو نبی کے آنے کی بھی کوئی ضرورت نہ رہی۔

اور دوسری وجہ کہ پہلی شریعتیں ابھی تکمیلی مراحل سے گزر رہی تھیں؛ لہٰذا ان کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے ضروری تھا کہ اس کا سلسلہ جاری رہے، ظاہر ہے کہ یہ وجہ بھی باقی نہیں ہے۔ چناں چہ قرآن کریم نے صاف لفظوں میں واضح کیا ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ (المائدۃ:۳)
(میں نے آج تمہارے دین کو مکمل کردیا ہے اور میری نعمت تم پر پوری

(۱) روح المعاني : ۱۴/۱۶

کردی ہے اور میں اسلام سے دین ہونے کے لحاظ سے راضی ہوگیا۔)

جب یہ دین و شریعت دورِ محمدی میں آ کر تکمیل کو پہنچ گئے تو اس کے بعد کوئی ضرورت نہ رہی کہ کوئی اور نبی آئے اور تکمیل کا کوئی کام کرے۔

اور تیسری وجہ کہ گزشتہ انبیا ہر قوم و ہر زمانے کے لیے نہیں ہوتے تھے؛ لہٰذا دوسری قوموں اور دوسرے زمانوں کے لیے نبوت کی ضرورت ہوتی تھی، یہ وجہ بھی ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ختم ہوگئی؛ کیوں کہ آپ کو اللہ تعالی نے عالمگیر نبی بنا کر بھیجا ہے۔ چناں چہ اس کا ذکر خود اللہ تعالی نے قرآن پاک میں اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں فرمایا ہے:

قرآن میں فرمایا گیا:

﴿ وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ، وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ .﴾ (سبأ: ۲۸)

(اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا؛ مگر تمام لوگوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر؛ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔)

اور حدیث میں آپ نے فرمایا:

« فُضِّلْتُ عَلَى الأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ : أُعْطِيْتُ بِجَوامِعِ الْكَلِمِ، وَ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الغَنَائِمُ ، وَ جُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ طَهُوْراً وَمَسْجِداً، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ . »

(مجھے چھ باتوں میں دیگر انبیا پر فضیلت دی گئی ہے: ایک یہ کہ جامع کلام کرنے کی صلاحیت دی گئی، دوسرے یہ کہ رعب سے میری مدد کی

گئی، تیسرے یہ کہ غنیمت کے اموال میرے لئے حلال کردیئے گئے،
چوتھے یہ کہ پوری زمین کو میرے لیے ذریعۂ طہارت اور مسجد بنایا گیا،
پانچویں یہ کہ پوری مخلوق کے لیے مجھے رسول بنایا گیا اور چھٹے یہ کہ مجھ
پر انبیا کے سلسلہ کو ختم کردیا گیا) (یہ حدیث اوپر مع حوالہ گزر گئی ہے۔)

معلوم ہوا کہ اب ابقا نبوت کی وہ وجوہات باقی نہیں ہیں جو نبی کریم علیہ السلام سے پہلے ادوار میں پائی جاتی تھیں ؛ لہٰذا اب اس سلسلے کو باقی رکھنے کی کوئی ضرورت بھی نہ رہی۔

ایک شبہ کا جواب

اوپر جو کہا گیا کہ پہلے ادوار میں نبوت تکمیلی مراحل سے گزر رہی تھی، اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ پچھلے انبیا کی نبوت یا ان کی شریعت ناقص تھی، ہرگز نہیں ؛ بل کہ اس دور کے لحاظ سے وہ کامل تھیں ؛ مگر پھر بھی تکمیل کی محتاج تھیں۔

اس کو ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے، وہ یہ کہ جیسے بچہ پیدا ہوتا ہے تو مکمل ہوتا ہے کہ خوبصورت اور حسین وجمیل بھی ہے، اعضا بھی پورے ہیں اور وہ متناسب بھی ہیں، پیدائش کے موقعہ پر جتنی صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب کی سب اس میں پائی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس بچہ کو ناقص تو نہیں کہا جائے گا ؛ مگر پھر بھی وہ تکمیل کا محتاج ہے، چناں چہ بچپن سے لڑکپن کی طرف اور لڑکپن سے جوانی کی طرف وہ منتقل ہوتا رہتا ہے اور مضبوط وصحت مند جوان ہوکر مکمل انسان ہوجاتا ہے۔

یہی حال نبوت کا بھی ہے کہ وہ سیدنا آدم عَلَيْهِ السَّلَامُ کے زمانے میں بچپن کی حالت میں تھی اور اپنے حسن جمال اور اس وقت کے اقتضا کے مطابق قوت وطاقت میں مکمل تھی ؛ مگر اس کو لڑکپن کی طرف پھر جوانی کی طرف ترقی کرنا باقی تھا، چناں چہ

بعد کے دوروں میں متعدد حضرات انبیا علیہ السلام نے اس کی ترقی کا کام کیا اور نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں وہ انتہائی عروج وکمال کو پہنچ گئی۔

ختم نبوت و تکمیل دین میں تلازم

اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہوا کہ ختم نبوت کے معنی نبوت کو ختم کرڈالنا نہیں ہے؛ بل کہ اس کا حاصل نبوت کو کامل ومکمل کردینا اور اس کے لازمہ کے طور پر انبیا کے سلسلے کو بند کردینا ہے؛ کیوں نکہ تکمیل کے بعد نبیوں کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس سے یہ بھی نکل آیا کہ تکمیلِ دینِ اسلام کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ سلسلہ نبوت کو ختم وبند کردیا جائے؛ لہذا جو شخص تکمیل دین کا قائل ہے اس کو ختم نبوت کا قائل ہونا بھی ضروری ہے، یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص ایک طرف دین کی تکمیل کا بھی قائل ہو اور دوسری طرف سلسلۂ انبیا کے باقی رہنے کا بھی قائل ہو؛ کیوں کہ تکمیل دین وختمِ نبوت لازم وملزوم ہیں۔ پس جو شخص ایک بات کو مانے، لازمی طور پر اسے دوسری بات کو بھی ماننا ہوگا اور جو ایک کا انکار کرے اسے دوسرے سے بھی ہاتھ دھونا لازم ہوگا۔ غرض یہ ہے کہ تکمیل دین اور ختم نبوت لازم وملزوم ہیں اور اسی طرح انکارِ ختم نبوت اور انکارِ تکمیل دین لازم وملزوم ہیں۔

اس کو ایک مثال سے سمجھ سکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایک عمارت بنا رہا تھا اور اس کے لیے مسلسل معماروں کو بلایا جاتا رہا، پھر ایک وقت وہ آیا کہ اس کی تکمیل ہوگئی اور مالک عمارت نے معماروں کا سلسلہ بھی بند کردیا، تو کیا اس پر یہ اعتراض کرنا عقل مندی و ہوش مندی کا کام اور بجا ہوگا کہ کیوں صاحب! اس عظیم وبہترین کام کو کیوں بند کردیا؟ اس کو تو جاری رہنا چاہیئے؟ اہل عقل ودانش پر مخفی نہیں کہ یہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ عمارت کی تکمیل کا اس کو علم نہیں یا یقین نہیں، ورنہ ایسی بات کوئی کہہ نہیں سکتا۔ اس کا

جواب مالک مکان بھی اور دوسرے لوگ بھی یہی دیں گے کہ اب معماروں کو بلانا فضول بھی ہے اور غلط بھی، اب جو اس کا معمار بن کر آئے گا وہ اس کا معمار نہیں؛ بل کہ اس کو مسمار کرنے والا ہوگا؛ اسی طرح تکمیل دین کے بعد جو اسلام کی تکمیل کا کوئی پروگرام لے کر آئے گا وہ جھوٹا اور دھوکہ باز ہوگا اور درحقیقتِ تکمیل کے لیے نہیں؛ بل کہ تخریب کے لیے آئے گا۔

قادیانیوں کو جواب

اسی سے قادیانیوں کے اس سوال واعتراض کا جواب نکل آیا، جو تمہید میں ذکر کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ نبوت جب بندوں کے لیے خدا کی نعمت ہے تو اللہ تعالی اس کو کیسے بند کر سکتے اور انسانوں کو اس سے کیوں کر محروم کر سکتے ہیں؟ یہ اعتراض جہالت پر مبنی ہے، بلا شبہ نبوت خدا کی نعمت ہے؛ مگر تکمیل نبوت تو اس سے بڑھ کر نعمت ہے۔ اوپر عرض کیا جا چکا کہ تکمیل دین وشریعت کا لازمی تقاضا ختم نبوت ہے؛ لہٰذا ختم نبوت دراصل نبوت کے کامل ومکمل وجامع ہونے کی دلیل ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے انسانوں کو اپنی نعمت سے محروم نہیں کیا؛ بل کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں اس کو مکمل و جامع بنا دیا اور قیامت تک پوری انسانیت کے واسطے اسی نبوت محمدی کو پایندہ وتابندہ رکھنے کا اعلان فرما دیا، تو انسان اس سے محروم کہاں ہوئے؛ بل کہ اللہ تعالی نے ان کے لیے پچھلے لوگوں سے زیادہ مکمل وروشن نبوت سے قیامت تک محفوظ ومستفید ہونے کا سامان کر دیا۔

اسی لیے کسی اور نبی یا نبوت کی کوئی گنجائش بھی نہیں رہی؛ کیوں کہ تکمیل دین کے بعد اب نبی آئے بھی تو کیا کرے گا؟ اور اس کی نبوت کہاں کھپے گی؟ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے مسعود ومبارک موقعہ پر،

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْإِسْلَامَ دِیْنًا.﴾ (المائدۃ :۳)(میں نے آج تمہارے دین کو مکمل کردیا ہے اور میری نعمت تم پر پوری کردی ہے اور میں اسلام سے دین ہونے کے لحاظ سے راضی ہوگیا۔) نازل ہوئی اور اس وقت وہاں چالیس ہزار سے زائد قدسی صفات نفوس آپ کی اونٹنی کے اردگرد جمع تھے اور آپ نے ان کے سامنے خطبہ دیا تو اس میں صاف صاف فرمایا: "**أیّها الناسُ ! لا نبي بعدي ولا أمّة بعدکم .**" (یعنی اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔)(۱)

معلوم ہوا کہ تکمیل دین حنیف کا تقاضا ہی آپ نے یہ سمجھا کہ آپ کے بعد نبوت جاری نہ رہے اور کوئی نبی نہ آئے۔ حافظ ابن کثیر نے اسی آیت کے تحت تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے: "حق تعالی کی اس امت پر سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ اس کو مکمل دین عطا فرمایا؛ لہٰذا اب اس دین کے علاوہ کسی اور دین کے یا آپ کے سوا کسی اور نبی کے محتاج نہ ہوں گے، اسی لیے اللہ نے آپ کو خاتم الانبیاء قرار دیا ہے۔"(۲)

خلاصۂ کلام یہ کہ ایک طرف دین کی تکمیل ہوگئی اور وہ انتہائی عروج وکمال کو پہنچ گیا اور دوسری طرف جو دین میں تحریف وتبدیلی کا خطرہ پچھلی شرائع کو لاحق تھا وہ اس کے حفاظت خداوندی کے تحت آجانے کی وجہ سے دفع ہوگیا؛ لہٰذا قیامت تک کے واسطے دین محمدی وشریعت محمدی ہی کافی وشافی قرار دی گئی؛ لہٰذا کسی نبی کے آنے کی

---

(۱) معجم کبیر طبراني: ۱۳۶/۸،مسند الشامیین: ۳۱۰/۱،مسند عبد بن حمید: ۲۷۰/۱،مسند احمد : ۳۹۱/۲

(۲) ابن کثیر : ۲۷۹/۳

ضرورت نہیں ہے، اب کوئی نبی ہونے کا دعوی لے کر آئے گا تو وہ جھوٹا ہوگا اور اس کا کام صرف تخریب ہوسکتا ہے نہ کہ تکمیل۔

لہٰذا آپ کی مقدس ذات کی آمد پر یہ سلسلۂ نبوت بند کردیا گیا اور آپ کو ''خاتم النبیین'' قرار دے کر قیامت تک کے لیے آپ کی نبوت کو رِزَرو (محفوظ) کردیا گیا، اب اس کے بعد کوئی نبوت کا دعوی کرتا ہے، تو وہ دراصل آپ کے منصب کو غصب کرنے کا مجرم ہوگا؛ اس لیے وہ جھوٹا اور غاصب ہوگا۔

ایک اہم نکتہ

یہاں ایک اہم نکتہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح کسی سچے نبی کو نہ ماننا اور جھٹلانا جرم ہے، اسی طرح کسی جھوٹے کو نبی ماننا بھی سخت جرم ہے۔اسی لیے حضرات انبیا عَلَیْہِمُ السَّلَامُ اپنے بعد آنے والے انبیاء کی پیش گوئی فرماتے رہے اور ان کی علامات کا ذکر بھی فرماتے رہے، تاکہ آنے والے نبی کو لوگ خوب دیکھ پرکھ کر قبول کریں؛ لیکن جب محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم آئے تو آپ نے بتادیا کہ دیکھو میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، ہاں بعض لوگ نبوت کا دعوی کریں گے؛ مگر یہ سب جھوٹ پر مبنی ہوگا۔

غور کیجیے! کہ اگر حضرت نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد بھی کسی نبی کا آنا ممکن ومقدر تھا تو پھر اس اہم ترین مسئلہ کے بارے میں (نعوذ باللہ) کیا آپ غلط بیانی سے کام لے رہے تھے؟ اور کیا آپ اس کو چھپا کر امت کو گمراہ کرنا چاہتے تھے؟ ظاہر ہے کہ کوئی ادنی مسلمان بھی یہ خیال نہیں کرسکتا، اس سے یہ بات واضح ہے کہ اگر کسی نبی کا آنا آپ کے بعد ممکن ہوتا تو آپ ضرور اس کا ذکر کرتے اور آپ کا ذکر نہ کرنا؛ بل کہ اس کے خلاف صاف صاف یہ بتانا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا،

یہ اس کی کھلی دلیل ہے کہ یہ سلسلہ بند ہو چکا ہے جس کے کھلنے کا کوئی امکان نہیں۔

آنحضرت ﷺ کے بعد دعوائے نبوت کفر ہے

یہی وجہ ہے کہ تمام صحابہ و تابعین و ائمہ وعلما وفقہا اسلام نے آنحضرت ﷺ کے بعد دعوائے نبوت کو قطعی طور پر کفر قرار دیا ہے اور اس کو بدترین گمراہی ونفسانیت ٹھہرایا ہے۔

التحریر والتنویر کا حوالہ ہم اوپر دے آئے ہیں، جس میں ہے:

”صحابہ نے اجماع کیا ہے کہ محمد ﷺ خاتم الرسل اور خاتم الانبیا ہیں اور یہ بات ان میں اور ان کے بعد کی نسلوں میں معروف و متواتر تھی اور اسی لیے ان حضرات کو مسیلمہ اور اسود عنسی کی تکفیر میں کوئی تردد نہ ہوا؛ لہٰذا یہ بات دین کی ضروریات میں سے قرار پا گئی، پس جو شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ کافر خارج از اسلام ہے، اگرچہ کہ وہ محمد ﷺ کو تمام لوگوں کے لیے اللہ کا رسول مانتا ہو۔“(۱)

امام طحاوی رحمہ اللہ اپنی کتاب ”العقیدۃ الطحاویہ“ میں فرماتے ہیں:

”آپ (محمد ﷺ) خاتم الانبیا ہیں اور آپ کے بعد نبوت کا دعوی گمراہی اور نفسانیت ہے“۔ اس کی شرح میں علامہ ابن ابو العز فرماتے ہیں کہ ”جب یہ ثابت ہو گیا کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں تو معلوم ہوا کہ جو آپ کے بعد نبوت کا دعوی کرے گا وہ جھوٹا ہے۔“(۲)

علامہ حافظ ابن احمد حکمی رحمہ اللہ جو متأخرین حنابلہ میں معروف امام گذرے

(۱) التحریر والتنویر: ۳۳/۲۶

(۲) شرح العقیدۃ: ۱۶۶

ہیں، وہ اپنی کتاب ''معارج القبول'' میں فرماتے ہیں:

''وَكُلُّ مَنْ مِنْ بَعْدِهٖ قَدِ ادَّعٰى ☆ نُبُوَّةً فَكَاذِبٌ فِيمَا ادَّعٰى''

(یعنی ہر وہ شخص جو آپ کے بعد نبوت کا دعوی کرے وہ اپنے اس دعوی میں کاذب یعنی جھوٹا ہے۔)(۱)

ملا علی قاری رحمہ اللہ ''شرح فقه اکبر'' میں فرماتے ہیں:

''ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعوی کرنا باجماع امت کفر ہے۔''(۲)

امام قاضی عیاض رحمہ اللہ اپنی کتاب ''الشفاء بتعريف حقوق المصطفى'' میں فرماتے ہیں:

''اسی طرح جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا آپ کے بعد کسی کے لیے نبوت کا دعوی کرے یا اپنے لیے نبوت کا دعوی کرے یا جو اس کے حاصل ہونے یا صفائی قلب سے اس کے مرتبہ تک پہنچنے کو جائز سمجھے، وہ سب لوگ کافر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے والے ہیں؛ کیوں کہ آپ نے خبر دی ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔''(۳)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''تحذير الناس'' میں فرماتے ہیں:

---

(۱) معارج القبول: ۲/۴۳۱

(۲) شرح فقه اکبر: ۲۰۲

(۳) شفاء قاضی عیاض: ۲/۲۳۷-۲۳۸

"سو اگر (آیت خاتم النبیین والی میں)اطلاق وعموم ہے تب تو خاتمیتِ زمانی ظاہر ہے، ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالتِ التزامی ضرور ثابت ہے..................اس کا (یعنی آپ کی خاتمیت زمانی کا) منکر بھی کافر ہے۔"(۱)

ایک انتباہ

یہ عبارت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی ہے جو تحذیرالناس میں درج ہے، مگر کس قدر افسوس کی بات ہے کہ بعض ناخدا ترس لوگوں نے اسی کتاب کی عبارات کو کاٹ چھانٹ کر آپ کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے منکر ہیں، جب کہ آپ صاف طور پر ختم نبوت کے منکر کو کافر قرار دے رہے ہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی طرف ان حق ناشناس لوگوں کا انکار ختم نبوت کو منسوب کرنا سراسر بہتان ہے۔

ختم نبوت اور علمائے دیوبند

علمائے دیوبند کے نزدیک بھی (جیسا کہ تمام علماء امت کا فیصلہ ہے) دروازۂ نبوت خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قطعی طور پر بند ہو چکا ہے اور اب کسی بھی قسم کا نبی بحیثیت نبی نہیں آسکتا، نہ ظلی نبی، نہ مستقلی نبی، نہ تشریعی نبی اور نہ غیر تشریعی نبی۔

علما دیوبند کی تمام کتابیں جو اس موضوع سے متعلق ہیں کھلے طور پر اس شخص کو کافر قرار دیتی ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کو جاری مانتا ہو۔

(۱) تحذیر الناس : ص ۱۰

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رَحِمَہُ اللّٰہُ کی ایک عبارت تحذیر الناس کے حوالہ سے پہلے گذر چکی ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رَحِمَہُ اللّٰہُ نے **"المھند علی المفند"** میں جو علما دیوبند کے عقائد کی تحقیق وتوضیح میں لکھی ہے، تمام علما دیوبند کا متفقہ عقیدہ تحریر فرمایا ہے:

> "ہمارا اور ہمارے مشائخ کا عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے سردار وآقا اور پیارے شفیع حضرت محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم خاتم النبیین ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے اور یہی بات احادیث کثیرہ سے جو معنیً حدِ تواتر کو پہنچ گئی ہیں، ثابت ہوتی ہے اور اجماع امت سے بھی یہ ثابت ہے۔ سو حاشا! ہم میں سے کوئی اس کے خلاف کہے؛ کیوں کہ جو اس کا منکر ہے وہ ہمارے نزدیک کافر ہے۔(۱)

یہ تمام علما دیوبند کا متفقہ عقیدہ ومذہب ہے جو اس جگہ لکھا گیا، غرض یہ کہ تمام امت اس پر متفق ہے کہ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اور جو آپ کے بعد نبوت کو جاری مانے وہ قطعی کافر ہے۔

ختم نبوت رحمت اور نئی نبوت لعنت

یہ ختم نبوت، امت مسلمہ کے لیے بڑی اور بھاری نعمت اور عظیم رحمت ہے؛ کیوں کہ دنیا کے کسی خطے وعلاقے کا رہنے والا مسلمان ہو اور قیامت تک کسی بھی زمانے میں آنے والا مسلمان ہو وہ چوں کہ حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہی کا امتی ہوگا

(۱) المھند علی المفند: ۱۰

اس لیے پوری ملت، ایک ہی امت کہلائے گی اور ہزاروں اختلافات کے باوجود اس نقطہ پر وہ متفق ہوگی، یہ اللہ کی کتنی بڑی نعمت اور عظیم رحمت ہے اس کو سوچئے، اس کے برخلاف اب کسی کی نبوت کو فرض کیا جائے تو یقیناً اس فرضی نبی کی فرضی امت بھی الگ ہوگی اور یہ نئی نبوت اس اتحاد واتفاق کو پارہ پارہ کردے گی جو امت مسلمہ میں پہلے سے قائم ہے اور یہ نئی نبوت امت کے حق میں ایک لعنت بنے ہوگی۔

جیسا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوت نے اہل اسلام میں افتراق برپا کردیا اور کچھ مسلمانوں کو نبوت محمدی کے پرچم سے ہٹا کر نبوتِ قادیانی کے نیچے لا کھڑا کردیا اور یہ نبوت مرزا کو ماننے والے امت محمدیہ سے نکل کر ایک اور امت بن گئے۔

اور یہ ایک طبعی وفطری بات بھی ہے کہ جب ان کا نبی الگ ہوا تو اس کی امت بھی الگ ہونا چاہیے اور خود مرزا غلام احمد قادیانی نے اور اس کے ماننے والوں نے بھی قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک امت قرار دیا ہے۔

قادیانی نبوت کی حقیقت

اب یہاں ضروری ہے کہ قادیانی نبوت کی حقیقت سے پردہ ہٹایا جائے اور معلوم کیا جائے کہ اسلام سے اس کا کوئی رشتہ وتعلق ہے اور ہوسکتا ہے یا نہیں؟

اس موضوع پر روشنی ڈالنا آج ضروری ہوگیا ہے؛ کیوں کہ قادیانی لوگوں کی طرف سے اہل اسلام کو ہمیشہ اس دھوکہ میں رکھا جاتا ہے کہ یہ قادیانی بھی مسلمان ہیں اور حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو آخری نبی مانتے ہیں۔ یہ قادیانی چوں کہ ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کارروائیوں کے عادی ہیں؛ بل کہ تحریکِ قادیانیت دراصل اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ایک سازش کا نام ہے، اس لیے وہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے اور ان سے قریب ہونے کے لیے منافقانہ طور

پر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں اور حال یہ ہے کہ مرزا غلام احمد کو نبی نہ ماننے کی وجہ سے سارے مسلمانوں کو کافر بھی کہتے ہیں۔

اس لیے ضروری ہے کہ ختم نبوت کے اس مضمون میں قادیانیت کو بھی سمجھنے کی کوشش کی جائے تاکہ ان کے دامِ تزویر میں گرفتار ہونے سے بچ سکیں۔

پنجاب کے علاقہ میں ایک گاؤں ''قادیان'' ضلع گورداسپور میں واقع ہے، وہاں کے ایک شخص مرزا غلام احمد نے پہلے اپنے آپ کو ایک عالم وفاضل کے روپ میں ظاہر کیا اور بعض غیر مسلم فرقوں سے بحث ومباحثہ کرکے اپنے آپ کو سچا خیر خواہ اسلام مشہور کیا، پھر آہستہ آہستہ اس کے دعوؤں میں ترقی ہوتی رہی اور متعدد موقعوں پر مختلف دعوے کرتا رہا۔ سب سے پہلے ''براہین احمدیہ'' میں ملہم من اللہ ہونے کا دعوی کیا، پھر ازالۂ اوہام وغیرہ کتب میں محدَّث، مجدِّد، حجر اسود، مریم، کرشن مہاراج، آریوں کا بادشاہ، ابراہیم، اسماعیل، موسی، داؤد، شیث، نوح، خدا، صاحبِ کن فیکون، بیت اللہ، امامِ زمان، خلیفۃ اللہ، مہدئ موعود، مسیح موعود، ظلی نبی، غیر تشریعی نبی، غیر مستقل نبی، تشریعی نبی، مستقل نبی، رسول، رحمۃ للعالمین، وغیرہ وغیرہ ہونے کا دعوی کیا، اس کے یہ سب دعاوے اس کی کتابوں میں بکھرے ہوئے موجود ہیں، ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعوی کیا اور ۱۹۰۰ء میں نبوت کا دعوی کیا۔

مرزا غلام احمد کا دعوائے نبوت

مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کے دعوے میں بھی اتنا ہیر پھیر کر رکھا ہے کہ بعض اوقات لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں کہ کیا اس کی طرف دعوائے نبوت کا انتساب درست ہے یا نہیں؟ کیوں کہ اس کے اقوال بڑے متضاد ہیں اور یہ قادیانی لوگ بھی ایسے چالاک اور بددیانت ہیں کہ جب موقعہ پڑتا ہے تو مرزا کی وہ عبارت پیش

کر دیتے ہیں جن میں نبوت کا دعوی کیا ہے اور علمائے اسلام سے اجرائے نبوت پر بحث بھی کرتے ہیں؛ مگر عام مسلمانوں کے سامنے ان عبارت کو پیش کرتے ہیں جن میں نبوت سے اس نے انکار ہے اور حضور اکرم ﷺ کی ختم نبوت کا ذکر کیا ہے؛ اس لیے ان سے بہت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے؛ لہٰذا اس بارے میں یاد رکھنا چاہئے کہ مرزا قادیانی نے پہلے عام مسلمانوں کی طرح یہی عقیدہ ظاہر کیا تھا کہ محمد ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں اور یہ بھی کہ آپ ﷺ کے بعد دعوائے نبوت کفر ہے۔ چناں چہ اس نے اپنی کتاب ـــ ''ازالۂ اوہام'' میں لکھا ہے:

''قرآن کریم بعد خاتم النبیین کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا، خواہ وہ نیا رسول ہو یا پرانا؛ کیوں کہ رسول کو علم دین بتوسط جبریل ملتا ہے اور باب نزول جبرائیل بہ پیرایۂ وحی رسالت مسدود ہے اور یہ بات خود ممتنع ہے کہ دنیا میں رسول تو آئے؛ مگر سلسلۂ وحی رسالت نہ ہو''۔ (۱)

اسی طرح ''انجام آتھم'' میں بھی لکھا؛ مگر ''انجام آتھم'' میں مجازی نبوت کا اقرار کیا ہے، عبارت ملاحظہ کیجئے، وہ کہتا ہے:

''لیکن وہ مکالمات ومخاطبات جو اللہ جل شانہ کی طرف سے مجھ کو ملے ہیں جن میں یہ لفظ نبوت و رسالت کا بکثرت آیا ہے ان کو میں بوجہ مامور ہونے کے مخفی نہیں رکھ سکتا، لیکن بار بار کہتا ہوں کہ اُن الہامات میں جو لفظ ''مرسل'' یا ''رسول'' یا ''نبی'' کا میری نسبت آیا ہے وہ اپنے حقیقی معنوں میں مستعمل نہیں ہے، اور اصل حقیقت جس کی

(۱) ازالۂ اوہام: ۱/۳۱۰، روحانی خزائن: ۳/۵۱۱

میں علی رؤس الاشہاد گواہی دیتا ہوں یہی ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیا ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ کوئی پرانا اور نہ کوئی نیا۔(۱)

اور مرزا نے اپنی کتاب ''حمامة البشری'' میں لکھا ہے:

'' ألا تعلم أن الرب الكريم المتفضل سمّى نبيَّنا صلی اللہ علیہ وسلم خاتمَ الأنبياء بغير استثناء،وفسّره نبيُّنا في قوله :''لا نبي بعدي''ببيانٍ واضحٍ للطالبين، ولوجوزنا ظهور نبي بعد نبيِّنا لجوزنا انفتاح باب وحي النبوّة بعد تغليقها وهذا خلف كما لا يخفى على المسلمين ،وكيف يجيء نبي بعد رسولنا صلی اللہ علیہ وسلم وقد انقطع الوحي بعد وفاته وختم الله به النبيين .''

(کیا تو نہیں جانتا کہ رب کریم احسان کرنے والے نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بغیر کسی استثنا کے ''خاتم الانبیا'' رکھا اور اس کی تفسیر ہمارے نبی نے طالبین کی خاطر اپنے اس قول: ''لا نبي بعدي'' میں واضح بیان کے ساتھ فرمائی، اگر ہم ہمارے نبی کے بعد کسی نبی کے ظہور کو جائز قرار دیں تو ہم نے وحی کا دروازہ بند ہو جانے کے بعد اس کے کھلنے کو جائز مانا اور یہ بات مقررہ بات کے خلاف ہے جیسا کہ اہل اسلام پر مخفی نہیں، اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی کیسے آ سکتا ہے جبکہ وحی کا سلسلہ آپ کی وفات کے بعد منقطع

---

(۱) حاشیہ انجام آتھم: ۲۷، روحانی خزائن: ۱۱/ ۲۷

ہو چکا اور اللہ تعالی نے آپ کے ذریعہ نبیوں کے سلسلہ کو ختم کر دیا؟)(۱)
مگر بعد میں چل کر پہلے تو اپنے کو ظلی نبی کہا، پھر مستقل نبی قرار دیا اور پھر کبھی غیر تشریعی نبی کہا اور کبھی تشریعی نبی قرار دیا۔ چناں چہ حوالہ درج کرتا ہوں:

(۱) مرزا اپنی کتاب "حقیقة الوحی" میں لکھتا ہے:

"مستقل نبوت آنحضرت صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر ختم ہوگئی؛ مگر ظلی نبوت جس کے معنی ہیں کہ محض فیض محمدی سے وحی پانا وہ قیامت تک باقی رہے گی، تا انسانوں کی تکمیل کا دروازہ بند نہ ہو۔"(۲)

(۲) اسی کتاب "حقیقة الوحی" میں ایک جگہ صاف صاف کہتا ہے:

"سو میں نے محض خدا کے فضل سے، نہ کہ اپنے کسی ہنر سے، اس نعمت سے کامل حصہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی۔"(۳)

(۳) تتمہ "حقیقة الوحی" میں لکھتا ہے:

"میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اسی نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے اور اسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اسی نے میری تصدیق کے لیے بڑے بڑے نشان ظاہر کئے ہیں جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔"(۴)

(۴) اسی تتمہ "حقیقة الوحی" میں ایک جگہ لکھتا ہے:

---

(۱) حمامة البشری: ۳۴، روحانی خزائن: ۲۰۰/۷
(۲) حقیقة الوحی: ۳۰، روحانی خزائن: ۳۰/۲۲
(۳) حقیقة الوحی: ۶۴، روحانی خزائن: ۶۴/۲۲
(۴) تتمہ حقیقة الوحی: ۶۸، روحانی خزائن: ۵۰۳/۲۲

”خدا نے میرے ہزار ہا نشانوں سے میری وہ تائید کی ہے کہ بہت ہی کم نبی گزرے ہیں جن کی یہ تائید کی گئی؛ لیکن پھر بھی جن کے دلوں پر مہریں ہیں وہ خدا کے نشانوں سے کچھ بھی فائدہ نہیں اُٹھاتے۔“(۱)

(۵) اپنی کتاب ”انجام آتھم“ میں لکھتا ہے:

”الہامات میں میری طرف بار بار بیان کیا گیا ہے کہ (مرزا) خدا کا فرستادہ (رسول) ہے، خدا کا مامور، خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے، جو کچھ کہتا اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔“(۲)

(۶) کتاب ”اربعین“ میں لکھتا ہے:

”خدا وہی خدا ہے جس نے اپنے رسول یعنی اس عاجز (مرزا) کو ہدایت اور دین حق اور تہذیب و اخلاق کے ساتھ بھیجا۔“(۳)

(۷) اسی ”اربعین“ میں ایک جگہ لکھا ہے:

”یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے، جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر اور نہی بیان کیے اور اپنی امت کے لیے قانون مقرر کیا، وہی صاحب الشریعت ہو گیا.................... میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی .... اور اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی۔“(۴)

(۸) ”حقیقة الوحی“ میں لکھا ہے:

(۱) تتمہ حقیقة الوحی: ۱۴۹،روحانی خزائن: ۲۲/ ۵۸۷
(۲) انجام آتھم: ۶۲،روحانی خزائن: ۱۱/ ۶۲
(۳) اربعین: ۳/ ۸۴،روحانی خزائن: ۱۷/ ۴۲۶
(۴) اربعین: ۴:/ ۹۳-۹۴،روحانی خزائن: ۱۷/ ۴۳۵

''علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا؛ کیوں کہ میری نسبت خدا اور رسول کی پیشگوئی موجود ہے................ ....اور خدا نے میری سچائی کی گواہی کے لیے تین لاکھ سے زیادہ آسمانی نشان ظاہر کیے اور آسمان پر کسوف خسوف رمضان میں ہوا، اب جو شخص خدا اور رسول کے بیان کو نہیں مانتا اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے اور عمداً خدا تعالی کے نشانوں کو رد کرتا ہے اور مجھ کو باوجود صدہا نشانوں کے مفتری ٹھیراتا ہے تو وہ مؤمن کیونکر ہوسکتا ہے۔ (۱)

ان عبارات سے ظاہر ہے کہ مرزا قادیانی نے کھلم کھلا نبوت کا دعوی کیا ہے اور قادیانی امت بھی اس کو نبی مانتی ہے۔

ختم نبوت اور قادیانی تلبیسات

جب مرزا نے نبوت کا دعوی کیا اور یہ بات ختم نبوت کے صریح خلاف تھی تو مرزا نے اور مرزا کے بعد اس کی امت نے ختم نبوت کے متفقہ مسئلہ کو مشکوک بنانے کے لئے اس میں تاویلات واعتراضات وشبہات کا ایک طومار جاری کردیا تاکہ خود پر زد نہ پڑے اور موقعہ پر کبھی کسی تاویل سے اور کبھی کسی شبہ سے فائدہ اُٹھایا جاسکے۔ ہم اس موقعہ پر چند اہم شبہات وتاویلات کا جواب لکھدینا مناسب سمجھتے ہیں، تاکہ ایک طرف کسی قادیانی کو غور کرنے کا موقعہ مل جائے اور وہ ہدایت پر آجائے اور دوسرے جانب کسی مسلمان کو شبہ لاحق ہو تو وہ دور کرسکے۔

نزول عیسی اور ختم نبوت

ختم نبوت پر ایک شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ مسلمان اس کے قائل ہیں کہ حضرت

(۱) حقیقة الوحی: ۱۶۴،روحانی خزائن: ۲۲/ ۱۶۸

عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ ہیں اور وہ قیامت کے قریب نازل ہوں گے، جب وہ اللہ کے نبی ہیں اور وہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس دنیا میں آئیں گے تو اس سے ختم نبوت کا عقیدہ کیا متأثر نہیں ہوتا؟ اگر نہیں تو مرزا غلام احمد کے نبی ہونے سے بھی ختم نبوت پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جو دنیا میں نازل ہوں گے وہ کوئی نئے نبی نہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت سے سرفراز ہوئے ہوں؛ بل کہ اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے اور سب کو معلوم ہے کہ آپ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی نبوت سے مشرف ہو چکے اور دنیا میں بحیثیت نبی مبعوث بھی ہو گئے اور دنیا سے آسمانوں پر اُٹھا لیے گئے اور اب آسمانوں پر موجود ہیں اور جب اللہ کو منظور ہوگا آپ نازل ہوں گے۔ اس عقیدہ میں اور ختم نبوت میں کوئی تضاد و تعارض نہیں ہے؛ کیوں کہ ختم نبوت کا مطلب تو یہ ہے کہ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص نبی نہ ہوگا، یہ مطلب نہیں کہ کوئی پہلا نبی نہ آئے گا، ہاں کسی نئے نبی کا آنا یا یوں کہیے کہ کسی شخص کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی بنایا جانا ختم نبوت کے قطعی معارض و منافی ہے؛ اس لیے مسیلمہ ہو یا اسود ہو یا سجاح ہو یا مرزائے قادیان ہو، کسی کا نبی ہونا محال و ناجائز اور قطعی طور پر ختم نبوت کے خلاف ہے؛ کیوں کہ یہ سب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کے دعویدار ہیں؛ لہٰذا حضرت عیسیٰ مسیح کا دوبارہ قیامت کے قریب دنیا میں نزول ''ختم نبوت'' کے خلاف نہیں اور مرزا کا دعوائے نبوت یقیناً اور سو فی صد ختم نبوت کے منافی و خلاف ہے۔

ختم نبوت کی تاویل مہر نبوت

غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت کے اجماعی مسئلہ میں رخنہ پیدا کرنے کے لیے ایک شوشہ یہ نکالا ہے کہ خاتم النبیین کے معنے یہ بیان کئے کہ رسول اللہ ﷺ آپ کے بعد آنے والے نبیوں کو مہر لگانے والے ہیں، لہٰذا آپ کے بعد نبوت کا دروازہ بند نہیں ہوا؛ بل کہ اور زیادہ کھل گیا اور آپ کے بعد بھی نبی آتے رہیں گے۔ یہ لیجئے، مرزا غلام احمد کہتا ہے کہ:

”جس کامل انسان پر قرآن شریف نازل ہوا .... اور وہ خاتم الانبیا بنے، مگر ان معنوں سے نہیں کہ آئندہ اس سے کوئی روحانی فیض نہیں ملے گا بلکہ ان معنوں سے کہ وہ صاحب خاتم ہے، بجز اس کی مہر کے کوئی فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا .... اور بجز اس کے کوئی صاحب خاتم نہیں، ایک وہی ہے جس کی مہر سے ایسی نبوت بھی مل سکتی ہے جس کے لئے امتی ہونا لازمی ہے اور اس کی ہمت اور ہمدردی نے امت کو ناقص حالت پر چھوڑنا نہیں چاہا۔“(۱)

اور مرزا غلام احمد قادیانی کے ملفوظات میں ہے کہ:

”خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی مہر کے بغیر کسی کی نبوت کی تصدیق نہیں ہوسکتی جب مہر لگ جاتی ہے تو کاغذ سند ہوجاتا ہے اور مصدقہ سمجھا جاتا ہے، اسی طرح آنحضرت کی مہر اور تصدیق جس نبوت پر نہ ہو، وہ صحیح نہیں ہے۔“(۲)

(۱) حقیقة الوحی: ۲۷، روحانی خزائن: ۲۲/ ۲۹-۳۰

(۲) ملفوظات احمدیه: ۳/ ۴۰۸

الغرض مرزا نے خاتم النبیین کے معنی نبیوں کی مہر کے بیان کئے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی آئیں گے؛ مگر وہ آپ کی مہر کے ساتھ آئیں گے۔

مگر خاتم النبیین کے یہ معنے نہ قرآن کی رو سے صحیح ہیں اور نہ حدیث کی رو سے اور نہ قواعد عربیہ کے لحاظ سے؛ قرآن کے لحاظ سے اس لیے غلط ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت اسی آیت میں اس طرح آئی ہے: "وَلٰكِنْ نَبِيًّا خَتَمَ النَّبِيِّينَ" (لیکن آپ نبی ہیں جنھوں نے نبیوں کو ختم کردیا) اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ قرآن کی ایک قرأت دوسری قرأت کی تفسیر و تفہیم کرتی ہے جس طرح ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے؛ لہٰذا اس قرأت نے مسئلہ صاف کردیا کہ مراد خاتم النبیین سے یہ ہے کہ آپ علیہ السلام ایسے نبی ہیں جنھوں نے سلسلۂ نبوت کو ختم کردیا، اور حدیث کی رو سے یہ اس لیے غلط ہے کہ احادیث میں "**لا نبی بعدی**" کہا گیا ہے، جس کا مطلب یہی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، اگر خاتم النبیین کے معنی یہ ہوتے کہ آپ کی مہر سے نبی آیا کریں گے تو "**لا نبی بعدی**" کہنا غلط ہوتا، معلوم ہوا کہ مراد وہ نہیں ہے جو مرزا نے بتایا ہے، اور قواعد عربیہ کے لحاظ سے اس لئے یہ معنی صحیح نہیں کہ خاتم القوم یا خاتم العلما، یا خاتم المحدثین یا خاتم الاولاد کا یہ معنی کوئی نہیں لیتا اور نہ لیا جاسکتا ہے کہ اس کی مہر سے قوم بنے گی یا محدثین بنیں گے یا اولاد بنے گی، اگر کوئی شخص خاتم الاولاد کے یہ معنی لے کہ اس کی مہر سے اولاد بنے گی تو کیا کوئی اس کو قبول کرے گا؟

اور خود مرزا نے اپنے آپ کو خاتم الاولاد بھی کہا ہے، لیجئے حوالہ پڑھ لیجئے:

"اسی طرح پر میری پیدائش ہوئی یعنی جیسا کہ میں ابھی لکھ چکا ہوں

میرے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام جنت تھا اور پہلے وہ لڑکی پیٹ میں سے نکلی تھی اور بعد اس کے میں نکلا تھا اور میرے بعد میرے والدین کے گھر میں اور کوئی لڑکی یا لڑکا نہیں ہوا اور میں ان کے لئے ''خاتم الاولاد'' تھا۔''(۱)

نیز یہی بات ایک دوسرے موقعہ پر اس طرح کہتا ہے:

''تیسری آدم سے مجھے یہ بھی خصوصیت ہے کہ آدم تو اُم کے طور پر پیدا ہوا اور میں بھی تو اُم پیدا ہوا، پہلے لڑکی پیدا ہوئی اور بعدہٗ میں، اور با این ہمہ میں اپنے والد کے لیے خاتم الولد تھا، میرے بعد کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔''(۲)

کیا کوئی عقل مند یہ کہہ سکتا ہے کہ خاتم الاولاد کے معنی یہ ہیں کہ مرزا کی مہر سے اب مرزا کے والد کی اولاد ہوا کرے گی؟ اور کیا یہ کسی بھی رو سے صحیح ہوسکتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر خاتم النبیین کے یہ معنی کس طرح درست ہوسکتے ہیں کہ آپ کی مہر سے نبی بنا کریں گے؟ معلوم ہوا کہ یہ معنی ہرگز صحیح نہیں ہیں۔

ظلی نبی کی من گھڑت اصطلاح

ختم نبوت کو مشکوک بنانے کی ایک صورت مرزا نے یہ اختیار کی کہ نبوت کی قسمیں کیں اور کبھی یہ کہا کہ میں مستقل نبی نہیں بلکہ ظلی و بروزی نبی ہوں۔ چنانچہ ''حقیقة الوحی'' میں لکھتا ہے کہ:

''مستقل نبوت آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم پر ختم ہوگئی؛ مگر ظلی نبوت

(۱) تریاق القلوب: ۳۵۱، روحانی خزائن: ۱۵/۴۷۹

(۲) براهین احمدیه: ۵/۸۶، روحانی خزائن: ۲۱/۱۱۳

جس کے معنی ہیں کہ محض فیض محمدی سے وحی پانا وہ قیامت تک باقی رہے گی، تاانسانوں کی تکمیل کا دروازہ بند نہ ہو۔"(۱)

اور"ایک غلطی کا ازالہ" میں کہا:

"مگر میں کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد جو در حقیقت خاتم النبیین تھے مجھے رسول اور نبی کے لفظ سے پکارے جانا کوئی اعتراض کی بات نہیں، اور نہ اس سے مہر ختمیت ٹوٹتی ہے، کیونکہ میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت: "وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ" بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیا ہوں، اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے"براہینِ احمدیہ" میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت ﷺ کا وجود قرار دیا ہے، پس اس طور سے آنحضرت ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا، کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔"(۲)

اور اسی رسالہ میں آگے چل کر کہا ہے کہ:

"وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ" اس آیہ میں ایک پیش گوئی مخفی ہے اور وہ یہ کہ اب نبوت پر قیامت تک مہر لگ گئی ہے، اور بجز بروزی وجود کے جو خود آنحضرت ﷺ کا وجود ہے کسی میں طاقت نہیں کہ جو کھلے طور پر نبیوں کی طرح خدا سے کوئی علم غیب پاوے

(۱) حقیقة الوحی: ۳۰، روحانی خزائن: ۲۲/۳۰

(۲) ایک غلطی کا ازالہ: ۱۱، روحانی خزائن: ۱۸/۲۱۵

اور چونکہ وہ بروز محمدی جو قدیم سے موعود تھا وہ میں ہوں، اسلئے بروزی رنگ کی نبوت مجھے عطاء کی گئی۔"(۱)

اور اپنی کتاب "نزول المسیح" میں لکھتا ہے کہ:

"اس نکتہ کو یاد رکھو کہ میں رسول اور نبی نہیں ہوں، یعنی باعتبار نئی شریعت اور نئے دعوے اور نئے نام کے اور میں رسول اور نبی ہوں یعنی باعتبار ظلیت کاملہ کے۔ میں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہے اور میں کوئی علیحدہ شخص نبوت کا دعوی کرنے والا ہوتا تو اللہ تعالی میرا نام محمد اور احمد اور مصطفیٰ اور مجتبیٰ نہ رکھتا۔(۲)

ان عبارات میں مرزا نے اس بات کا صریح دعوی کیا ہے کہ وہ نعوذ باللہ خود حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز ہے اور گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ مرزا کی صورت میں وجود پائے ہیں اور اس کا نام بروزی وظلی نبوت رکھا ہوا ہے۔ مگر یہ بات کسی دلیل سے بھی ثابت نہیں ہوتی کہ ظلی و بروزی نبوت بھی کوئی چیز ہے، نہ قرآن میں اس کا کوئی ذکر ہے اور نہ احادیث میں، اور نہ تاریخ نبوت میں اس کا کوئی ذکر ملتا ہے۔ یہ اصطلاح محض مرزا کی اپنی اختراع وایجاد ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ظلی و بروزی نبوت کا کوئی سلسلہ جاری ہونا ہوتا تو قرآن مجید میں اللہ تعالی نے اور احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں کیوں نہیں بتایا اور لوگوں کے اذہان کو اس کے لئے کیوں تیار

---

(۱) ایک غلطی کا ازالہ:۸،روحانی خزائن: ۲۱۲/۱۸

(۲) حاشیۂ نزول المسیح : ۵،روحانی خزائن: ۳۸۱/۱۸

نہ کیا؛ بل کہ اس کے بالمقابل صاف صاف یہ کیوں کہہ دیا کہ آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں؟ سوچئے کہ ”لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ“ کے ساتھ کوئی استثناء بھی تو کیا جا سکتا تھا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں سوائے ظلی و بروزی نبی کے، پھر ایسا کیوں نہیں کیا گیا؟ معلوم ہوا کہ یہ سب صرف اپنی جھوٹی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے راستہ ہموار کرنے کی ایک تدبیر ہے؛ لہٰذا مرزا کی یہ بات سوائے ایک جھوٹ اور مکر و تلبیس کے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

نیز اگر مرزا کا دعوی صرف ظلی نبوت کا ہے جیسا کہ ابھی نقل کیا گیا تو وہ یقیناً مستقل نبی نہ ہوا، مگر خود مرزا نے اپنے لئے مستقل نبوت کا بھی دعوی کیا ہے، جیسا کہ گزرا؛ لہٰذا اس تاویل سے آخر کیا کام چلے گا؟

محاورے کا بہانہ

مرزائی امت کا ایک شبہ یہ ہے کہ ”خاتم النبیین“ کہنا ایسا ہی ہے جیسے محاورے میں کسی بڑے محدِث کو خاتم المحد ثین کہہ دیا کرتے ہیں، اس سے صرف مبالغہ مقصود ہوتا ہے نہ کہ حقیقت، لہٰذا جس طرح کسی کو ”خاتم المحد ثین“ کہنے کے باوجود یہ ممکن بلکہ واقع ہے کہ اور محدِث آتے ہیں، اسی طرح آں حضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے خاتم النبیین ہونے سے یہ لازم نہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ عرف و محاورے میں جب ایک انسان اس لفظ کا استعمال کرتا ہے تو وہاں بھی اس کا اصل معنی یہی ہے کہ وہ شخص ”محد ثین میں سے آخری“ ہے، مگر محاورے میں اس سے صرف مبالغہ ہی اس لیے مقصود و مراد ہوتا ہے کہ یہ کلام ایک انسان کا ہے اور انسان ایک جہول و ظلوم ہونے کی وجہ سے اپنی علمی بساط کی بنیاد پر یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ یہ شخص اس کڑی کا آخری حصہ ہے؛ کیوں کہ یہ

کہنا اس کے علم کی حدود سے باہر کی چیز ہے،لہٰذا لامحالہ اس جہول وظلوم کے کلام کو لغویت سے بچانے کے لیے مجاز پر محمول کیا جاتا ہےاور مراد ''ایک بڑا محدث'' لے لیا جاتا ہے؛مگر اللہ جل شانہ کے کلام کو بھی اسی پر قیاس کرتے ہوئے مجاز پر محمول کرنا ایک بے وقوفی وحماقت کی بات ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالی کسی کے بارے میں اگر یہ کہتا ہے کہ وہ ''خاتم النبیین'' ہے تو کیا یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالی کو بھی انسان کی طرح سب باتوں کا علم نہیں اور بعد میں آنے والے نبیوں کی معرفت نہیں اس لیے اس کو بھی انسان کے کلام کی طرح مجاز پر محمول کرو۔**لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔**

معلوم ہوا کہ اس قسم کے الفاظ انسان کے کلام میں آئیں تو ایک مجبوری و ضرورت کی وجہ سے مجاز پر محمول کیا جاتا ہے؛لیکن اللہ کے کلام میں یہ مجبوری و ضرورت نہیں ہے؛ کیوں کہ اللہ کے کلام کو یہاں حقیقت پر محمول کرنے میں کوئی شرعی یا عقلی قباحت نہیں ہے۔

حضرت عائشہ ومغیرہ کے اقوال سے استناد

مرزائی لوگ حضرت عائشہ وحضرت مغیرہ بن شعبہ کی جانب منسوب اقوال سے بھی اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ''خاتم النبیین'' ہونے سے آپ کے بعد نبوت کا سلسلہ بند ہو جانا لازم نہیں،اور وہ اقوال یہ ہیں:حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ:

''قُوْلُوْا: خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَلاَ تَقُوْلُوْا: لَا نَبِيَّ بَعْدَه.''

(آپ کو خاتم النبیین تو کہو اور یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔)(۱)

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/۳۳۶،الدر المنثور: ۶/۶۱۸

اورحضرت مغیرہ نے ایک شخص کے یہ کہنے پر کہ ”صَلَّى اللّٰهُ عَلَى مُحَمَّدٍ خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ“ (اللہ تعالی محمد ﷺ پر رحمت نازل کرے جو کہ خاتم الانبیاء ہیں جن کے بعد کوئی نبی نہیں) فرمایا:

”حَسْبُكَ إِذَا قُلتَ : خاتم الانبياء فإِنَّا كُنَّا نُحَدِّثُ أَنَّ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ خَارِجٌ ، فَإِنْ هُوَ خَرَجَ فَقَدْ كَانَ قَبْلَهُ وَبَعْدَهُ.“

(تو خاتم الانبیا کہہ دے تو کافی ہے؛ کیوں کہ ہم یہ حدیث بیان کیا کرتے ہیں کہ حضرت عیسی علیہ السلام ظاہر ہونے والے ہیں، پس جب وہ ظاہر ہوں گے تو وہ حضور سے پہلے بھی ہوئے اور بعد بھی ہوئے۔)(۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو اِن اقوال کی کوئی حیثیت اُن اقوال کے مقابلے میں نہیں ہوسکتی جونہایت موثوق ومستند طرُق وسندوں سے ثابت ہیں جن میں نہایت صراحت ووضاحت کے ساتھ یہ بات بیان کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں بنایا جائے گا؛ لہٰذا مضبوط ومستند اور صریح احادیث کو چھوڑ کر، اِن اقوال سے یہ ثبوت دینا کہ آں حضرت کے بعد بھی نبوت کا سلسلہ جاری رہے گا، اُسی کا کام ہوسکتا ہے جس کو دین وعقیدہ کی اہمیت کا اندازہ نہ ہو اور وہ جاہل ہو یا اُس کا کام ہے جو بے دین ہو۔

پھر اگر یہ مان لیں کہ یہ اقوال ان حضرات سے ثابت ہیں تب بھی اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ حضرات نبوت کے جاری رہنے کے قائل ہیں ”تأويل القول

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/۳۳۷،الدر النثور: ۶/۶۱۸

بما لا یرضی به قائله“ کا مصداق ہے؛ کیوں کہ یہ بات ان حضرات نے اس وجہ سے کہی کہ حضرت عیسی علیہ السلام جو کہ ایک نبی ہیں ان کا آنا مقدر ہے اور ”**لا نبی بعدہ**“ کہنے سے لوگ کسی غلط فہمی کا شکار ہو سکتے ہیں اور یہ سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت عیسی بھی دوبارہ نہیں آئیں گے؛ لہٰذا یہ فرمایا کہ خاتم الانبیا کہنا کافی ہے، اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے آنے کا مفہوم اخذ کرنا لایعنی کام ہے۔

کیا مرزا غلام احمد نبی ہوسکتا ہے؟

شبہات کے جوابات کے بعد اب یہاں دو باتوں پر غور کرنا ہے: ایک یہ کہ حضور خاتم النبیین کے بعد کسی نبی کا آنا ممکن ہے؟ اور دوسری یہ کہ اگر ممکن ہے تو کیا غلام احمد قادیانی نبی ہوسکتا ہے؟ ان سوالات میں سے جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے اس پر کسی بحث کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ یہ بات طے شدہ، قطعی و یقینی ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ قطعی طور پر بند ہو چکا اور اب کوئی نیا نبی آنے والا نہیں، نہ مستقل، نہ غیر مستقل، نہ ظلی نہ اصلی، نہ تشریعی اور نہ غیر تشریعی، اس لئے جو شخص بھی مسلمان ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم کرتا ہو اس کے لئے اس بات کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں کہ وہ اب کسی نبی کے آنے کے امکان پر غور کرے، بلکہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نبوت کا دعوی کرے اور کوئی مسلمان اس سے پوچھے کہ کوئی معجزہ دکھاؤ؟ تو یہ معجزہ طلب کرنے والا کافر ہو جائے گا؛ کیوں کہ یہ مطالبہ بتا رہا ہے کہ اس کے عقیدے میں اب کسی نبی کا آنا ممکن ہے اور یہ کفر ہے۔ لہٰذا یہ سوال ہمارے لئے قابل بحث ہی نہیں کہ اب نبی آسکتا ہے یا نہیں۔

رہا دوسرا سوال کہ بالفرض نبوت کا سلسلہ جاری بھی ہوتا تو کیا مرزا غلام احمد نبی ہوسکتا تھا؟ یہ سوال بڑا اہم ہے؛ کیونکہ جس دور میں نبوت کا سلسلہ جاری تھا اس وقت بھی ہر مدعیٔ نبوت کا نبی ہونا لازم نہ تھا؛ کیونکہ کوئی جھوٹا دعوی بھی کرسکتا تھا، اس لئے نبی کی صفات اور خصوصیات بیان کی گئی ہیں جس سے صادق کا کاذب سے امتیاز ہوسکتا ہے، لہٰذا یہ بات ظاہر ہے کہ اگر بالفرض نبوت کا سلسلہ جاری بھی ہوتا تو محض مرزا کے دعوے سے وہ نبی نہیں ہوسکتا، بل کہ اولاً اس کسوٹی پر اسکو جانچنا ہوگا جو مدعیٔ نبوت کی صداقت کے لئے مقرر ہے۔

میں یہاں غور وفکر کے لئے، اور خصوصاً ان لوگوں کے غور وفکر کے لئے جو قادیانیوں کی چالوں میں آکر اور قادینت کو اسلام سمجھ کر اس کی طرف مائل ہو چکے ہیں اور اپنا ایمان کھو چکے ہیں، چند اہم باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

مرزا قادیانی کی سیرت

سب سے اول یہ کہ ہم سب جانتے ہیں کہ مدعیٔ نبوت کی صداقت وسچائی کی سب سے بڑی اور اہم دلیل اس کی پاکیزہ سیرت اور اس کے عمدہ اخلاق ہوتے ہیں حتی کہ نبوت کو تسلیم نہ کرنے والا بھی اس کے پاکیزہ اخلاق کو سراہتا ہے، مگر جب ہم مرزا غلام احمد قادیانی کو اس کسوٹی پر پرکھتے ہیں تو اس کو نبی تو نبی، ایک معمولی درجہ کا اچھا انسان بھی قرار دیا جانا مشکل ہے، پھر نبوت ایسے مقدس ومحترم اور انتہائی اونچے منصب پر اس کو فائز سمجھ لینا کیا کسی اسلام کا تقاضا اور قرآن وسنت کی تعلیم یا کسی عقل و دانش کا مطالبہ ہے؟

اب لیجئے مرزا کی سیرت وکردار کے بارے میں خود مرزائیوں کی گواہیاں سنئے:

(۱) مرزا قادیانی کے بیٹے بشیر احمد ایم.اے. نے اپنی کتاب ''سیرۃ المہدی''

میں یہ واقعہ درج کیا ہے کہ:

''بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ (مرزا کی بیوی) نے، ایک دفعہ اپنی جوانی کے زمانے میں حضرت مسیح موعود عَلَيْهِ السَّلَام یعنی (مرزا قادیانی) تمہارے دادا کی پنشن وصول کرنے گئے تو پیچھے پیچھے مرزا امام الدین بھی گیا، جب آپ نے پنشن وصول کرلی تو وہ آپ کو پھسلا کر دھوکہ دیکر بجائے قادیان لانے کے باہر لے گیا اور اِدھر اُدھر پھراتا رہا، جب آپ نے سارا روپیہ اڑا کر ختم کر دیا تو چھوڑ کر چلا گیا۔''(۱)

اس عبارت میں مرزا کی سیرت کا جو نقشہ دیا گیا ہے کہ والد کی پنشن لیکر کسی کے بہکانے سے اڑا کر ختم کر دیا، کیا یہ نبی کی سیرت سے ملتا جلتا ہے؟

(۲) نیز اسی ''سیرۃ المھدی'' میں لکھا ہے:

''ڈاکٹر میر محمد اسماعیل نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت ام المؤمنین (مرزا کی بیوی) نے ایک دن سنایا کہ حضرت کے یہاں ایک بوڑھی ملازمہ مسماۃ بھانو تھی، وہ ایک رات جبکہ خوب سردی پڑ رہی تھی حضور کو دبانے بیٹھی، چونکہ وہ لحاف کے اوپر سے دباتی تھی اس لیے اسے یہ پتہ نہ لگا کہ میں جس چیز کو دبا رہی ہوں وہ حضور کی ٹانگیں نہیں ہیں، بلکہ پلنگ کی پٹی ہے، تھوڑی دیر بعد حضرت صاحب (یعنی مرزا) نے فرمایا کہ بھانو! آج بڑی سردی ہے، بھانو کہنے لگی کہ جی ہاں! جبھی تو آج آپ کی لاتیں لکڑی کی طرح سخت ہو رہی ہیں۔''(۲)

(۱) سیرۃ المھدی: ۱/۴۳، روایت: ۴۹

(۲) سیرۃ المھدی: ۳/۲۱۰، روایت: ۷۸۰

(۳) یہی بشیر احمد یم.اے. اپنی کتاب ''سیرۃ المھدی'' لکھتا ہے:

''مائی رسول بی بی صاحبہ نے بیان کیا کہ ایک زمانے میں حضرت صاحب کے وقت میں میں اوراہلیہ بابوشاہ دین، رات کو پہرہ دیتی تھیں اورحضرت صاحب نے فرمایا ہوا تھا کہ اگر میں سوتے میں کوئی بات کیا کروں تو مجھے جگادینا۔ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں نے آپ کی زبان پرکوئی الفاظ جاری ہوتے سنے اور آپ کو جگادیا، اس وقت رات کے بارہ بجے تھے۔ان ایام میں عام طور پر پہرہ پر مائی فجو، منشیانی اہلیہ منشی محمد دین گوجرانوالہ اوراہلیہ بابوشاہ دین ہوتی تھیں۔''(۱)

(۴) مرزا بشیر احمد نے لکھا ہے:

''ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب نے مجھ سے بذریعہ تحریر بیان کیا کہ مجھ سے میری لڑکی زینب بیگم نے بیان کیا کہ میں تین ماہ کے قریب حضرت اقدس (مرزا غلام احمد) کی خدمت میں رہی ہوں، گرمیوں میں پنکھا وغیرہ اوراسی طرح کی خدمت کرتی تھی، بسا اوقات ایسا ہوتا کہ نصف رات یا اس سے زیادہ مجھ کو پنکھا ہلاتے گزر جاتی تھی، مجھ کو اس اثنا میں کسی قسم کی تھکان وتکلیف محسوس نہیں ہوتی تھی؛ بل کہ خوشی سے دل بھر جاتا تھا، دودفعہ ایسا موقعہ پیش آیا کہ عشاء کی نماز سے لے کر صبح کی اذان تک مجھے ساری رات خدمت کرنے کا موقعہ ملا، پھر بھی اس حالت میں مجھ کو نہ نیند نہ غنودگی نہ تھکان معلوم ہوئی؛ بل کہ خوشی اور سرور پیدا ہوتا تھا۔''(۲)

---

(۱) سیرۃ المھدی : ۲۱۳/۳،روایت : ۷۸۶

(۲) سیرۃ المھدی: ۲۷۲/۳-۲۷۳،روایت : ۹۱۰

مرزا کی بیوی کی شہادت سے معلوم ہوا کہ راتوں میں غیر عورتوں سے مرزا قادیانی پیر دبانے کی خدمت لیتا تھا اور دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ ان عورتوں میں سے بعض مرزا قادیانی کو رات میں پہرہ دیتی تھیں اور تیسری روایت سے پتہ چلا کہ بعض عورتیں رات میں مرزا کو پنکھا ہلانے وغیرہ کی خدمت کرتی تھی۔

کیا یہ چیز ایک عام مسلمان کی سیرت سے بھی مطابقت رکھتی ہے؟ چہ جائے کہ نبی کی سیرت سے مطابق ہو، جب کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ عورتوں کو بیعت لیتے تو ہاتھ میں ہاتھ مردوں کی طرح نہیں لیتے تھے اور خود قادیانیوں کو بھی اس کا اقرار ہے کہ یہ بات غلط اور قرآن کے خلاف ہے کہ کسی عورت کو مس کیا جائے، چناں چہ خود مرزا کے لڑکے مرزا بشیر احمد نے نقل کیا ہے کہ: ’’حضرت مسیح موعود (یعنی مرزا غلام احمد) عورتوں سے بیعت صرف زبانی لیتے تھے، ہاتھ میں ہاتھ نہیں لیتے تھے‘‘، پھر لکھا کہ: خاکسار عرض کرتا ہے کہ حدیث سے پتہ لگتا ہے کہ آں حضرت ﷺ بھی عورتوں سے بیعت لیتے وقت ان کے ہاتھ کو چھوتے نہیں تھے، دراصل قرآن شریف میں جو آیا ہے کہ عورت کو کسی غیر محرم کے سامنے اظہار زینت نہیں کرنا چاہئے اسی کے اندر لمس کی ممانعت بھی شامل ہے؛ کیوں کہ جسم کے چھونے سے بھی زینت کا اظہار ہو جاتا ہے۔ (۱)

میں کہتا ہوں کہ جب لمس بھی قرآن کے حکم کے تحت داخل ہوکر حرام ہے اور مرزا اسی بنیاد پر عورتوں سے ہاتھ در ہاتھ بیعت نہیں لیتا تھا تو پیر دبوانے کے لئے غیر عورتوں کو استعمال کرنا کیا جائز ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تو اس سیرت والے کے نبی ہونے کا کیسے جواز ہو سکتا ہے؟

---

(۱) سیرۃ المہدی: ۱۵/۳، روایت: ۷۷

مرزا قادیانی کی بدگوئی

پاکیزہ اخلاق کا ایک تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اپنی زبان کو بدگوئی وفحش گوئی سے پاک رکھا جائے، چناں چہ انبیا علیہم السلام نے اپنی زبانوں کو ہمیشہ بدگوئی سے محفوظ رکھا ہے؛ بل کہ ان حضرات نے اپنے مخالفین اور معاندین پر بھی سب وشتم کا طریقہ اختیار نہیں فرمایا؛ بل کہ گالیوں کا جواب بھی رحمت وہدایت کی دعاؤں سے ہی دیا؛ مگر مرزا غلام احمد قادیانی نے علمائے اسلام کو؛ بل کہ تمام مسلمانوں کو حتی کہ بعض انبیاء علیہم السلام کو بھی گالیاں دی ہیں اور انتہائی فحش زبان استعمال کی ہے، جو شرافت و تہذیب اور اخلاق سے گری ہوئی چیز ہے۔

چند حوالے دیکھتے چلیے:

(۱) مرزا نے اپنی کتاب ''آئینۂ کمالات اسلام'' میں اپنی کتابوں کی خود ہی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

'' تلك كتب ينظر إليها كل مسلم بعين المحبة والمودة و ينتفع من معارفها و يقبلني ويصدق دعوتي الّا ذرية البغايا الذين ختم اللّٰه على قلوبهم فهم لا يقبلون. ''

(یہ وہ کتابیں ہیں جن کو ہر مسلمان محبت ومودت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ان کے علوم سے نفع اُٹھاتا اور میری دعوت کی تصدیق کرتا ہے، سوائے کنجریوں کی اولاد کے جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے، یہ قبول نہیں کرتے۔)(۱)

(۲) مرزا نے علما اسلام کا نام لے کر ان کو جو گالیاں دی ہے یہاں صرف انکو گناتا

(۱) آئینہ کمالات: ۵۴۷-۵۴۸، روحانی خزائن: ۵/ ۵۴۷-۵۴۸

ہوں پوری عبارت نقل کرنے میں تطویل ہوتی ہے، کتاب کا حوالہ بازو درج ہے:

(۱) نالائق (انجام آتھم: ۳۰) (۲) ابوجہل (تتمہ حقیقۃ الوحی: ۲۶) (۳) کفن فروش (اعجاز احمدی: ۲۳) (۴) کتا (اعجاز احمدی: ۳۳) (۵) کتے مردار خور (انجام آتھم: ۲۵) (۶) فاسق، شیطان، نطفۂ سفہاء، خبیث (انجام آتھم: ۲۸) (۷) یہ گوہ کھاتا ہے، بے حیا، جاہل (نزول المسیح: ۶۳) (۸) نجاست پیر صاحب کے منہ میں کھلائی (نزول المسیح: ۷۰) (۹) مخالف مولویوں کا منہ کالا (ضمیمہ انجام: ۵۸)

(۳) صحابہ کے بارے میں لکھتا ہے:

بعض ناداں صحابی (ضمیمہ نصرۃ الحق: ۱۲۰) ابو ہریرہ غبی تھا (اعجاز احمدی: ۱۸) ابو ہریرہ فہم القرآن میں ناقص ہے، درایت (سمجھ) سے بہت کم حصہ رکھتا تھا (ضمیمہ نصرۃ الحق:)

غور کیجئے کہ نبی کی زبان ایسی ہوسکتی ہے؟ کیا وہ اپنے مخالفین کو ایسی گالیاں دیتے تھے؟ اور پھر اسی سے مرزا کے امتیوں کی اس دروغ گوئی کی داد بھی دیتے جایئے جو یہ لکھتے ہوئے کوئی شرم وحیاء اور کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے کہ:

> ”میں نے کبھی حضرت مسیح موعود (مرزا) کی زبان سے غصہ کی حالت میں بھی گالی یا گالی کا ہم رنگ لفظ نہیں سنا، زیادہ سے زیادہ بیوقوف، یا جاہل یا احمق کا لفظ فرمادیا کرتے تھے اور وہ بھی کسی ادنی طبقے کے ملازم کی کسی سخت غلطی پر شاذ و نادر کے طور پر۔“(۱)

کیا اس سے بڑا کوئی جھوٹ ہے کہ جو شخص دن رات علما کو اور اپنے مخالفین مسلمانوں کو گالیاں دینے کا عادی اور گالیاں بھی وہ جو انتہائی فحش ہوں اس کے

(۱) سیرۃ المهدی: ۲/۲۱، روایت: ۳۲۹

بارے میں یہ کہا جائے کہ غصہ کی حالت میں بھی گالی نہیں دیتا تھا؟

مرزا اور توہین انبیاء:

تمام انبیا ایک دوسرے کی تعظیم کرتے تھے، کسی نبی نے کسی نبی کو غلط قرار نہیں دیا؛ بل کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ دوسرے انبیا پر مجھ کو فضیلت نہ دو، یعنی اس طرح فضیلت نہ دو کہ دوسرے کی توہین ہو جائے؛ مگر مرزا قادیانی نے انبیاء کی توہین دل کھول کر کی ہے۔ لیجیے چند حوالے ملاحظہ فرمایئے:

مرزا قادیانی نے حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہے:

''اور تکبر اور خود بینی جو تمام بدیوں کی جڑ ہے وہ تو یسوع صاحب کے ہی حصے میں آئی ہوئی معلوم ہوتی ہے؛ کیوں کہ اس نے آپ خدا بن کر سب نبیوں کو رہزن اور بٹمار اور ناپاک حالت کے آدمی قرار دیا ہے۔''(۱)

اور مزید کہتا ہے:

''دیکھو وہ (یسوع) کیسے شیطان کے پیچھے پیچھے چلا گیا، حالاں کہ اس کو جانا مناسب نہ تھا اور غالباً یہی حرکت تھی جس کی وجہ سے وہ ایسا نادم ہوا کہ جب ایک شخص نے نیک کہا تو اس نے روکا کہ مجھے کیوں نیک کہتا ہے۔ حقیقت میں ایسا شخص جو شیطان کے پیچھے پیچھے چلا گیا؛ کیوں کر جرأت کر سکتا ہے کہ اپنے تئیں نیک کہے۔''(۲)

مرزا قادیانی نے جس طرح حضرت عیسی علیہ السلام کی توہین کی ہے شاید

(۱) ست بچن: ۱۷۰، روحانی خزائن: ۱۰/۲۹۴
(۲) ست بچن: ۱۹۶، روحانی خزائن: ۱۰/۲۹۳

یہود بے بہبود نے بھی آپ کی ایسی توہین نہ کی ہوگی۔ چناں چہ ایک اور حوالہ اس سلسلہ کا سن لیجئے:

انجام آتھم کے ضمیمہ میں ایک جگہ حاشیہ پر مرزا نے لکھا ہے:

”ہاں آپ کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی،ادنی ادنی بات میں غصہ آجاتا تھا اپنے نفس کو جذبات سے روک نہیں سکتے تھے؛ مگر میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات جائے افسوس نہیں؛ کیوں کہ آپ تو گالیاں دیتے تھے اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے اور یہ بھی یاد رہے کہ آپ کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔“(۱)

”آپ کا (عیسی کا) خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے، تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار، کسبی عورتیں تھیں،جن کے خون سے آپ (عیسی) کا وجودظہور پذیر ہوا، .... آپ کا کنجریوں سے میلان وصحبت بھی شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان ہے۔“(۲)

اور ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین کرتے ہوئے اس طرح کہتا ہے:

”له خسف القمر المنير و أن لى ☆ غسا القمران المشرقان أتنكر .“

(آپ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چاند کے خسوف کا

---

(۱) ضمیمہ انجام آتھم : ۵،روحانی خزائن: ۱۱/۲۸۹

(۲) ضمیمہ انجام آتھم : ۷،روحانی خزائن: ۱۱/۲۹۱

نشان ظاہر ہوا اور میرے لیے چاند اور سورج دونوں کا، اب کیا تو انکار کرے گا۔)(۱)

اس میں مرزا نے رسول اکرم ﷺ کے بارے میں کہا ہے کہ آپ کے لیے تو صرف چاند گرہن ہوا اور میرے لئے چاند گرہن وسورج گرہن دونوں ظاہر ہوئے، کیا اس میں اپنے کو رسول اکرم ﷺ سے بڑا اور افضل ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی ہے؟

اب فرمایئے کہ جو شخص کسی نبی کی توہین کرے کیا وہ مقام نبوت کا حامل ہوسکتا ہے؟ نہیں، نہیں، وہ قطعاً مسلمان نہیں، چہ جائے کہ وہ مقامِ نبوت ورسالت کا حامل ہو جائے؟

کذبات مرزا

مرزا قادیانی کے بارے میں تیسری بات یہ سمجھنے کی ہے کی مرزا نے کھلے طور پر جھوٹ کہا ہے اور یہ بات کسی انسان سے پوشیدہ نہیں کہ ''جھوٹ بولنا'' بدترین قسم کا گناہ اور بدترین قسم کے لوگوں کا طریقہ ہے، ایک شریف انسان اس بات کو قطعاً پسند نہیں کرتا کہ جھوٹ بولے اور اگر اس کی طرف جھوٹ کی نسبت کی جائے تو اس کی رگ حمیت وغیرت پھڑک اٹھتی ہے مگر مرزا قادیانی کا معاملہ ہی نرالہ ہے کہ بے غیرت بن کر دن رات جھوٹ بولتا رہا اور بار بار اسکے جھوٹ کا بھانڈا پھوٹتا رہا اور وہ برابر اس پر ڈٹا رہا۔ یہاں ہم چند حوالہ پیش کریں گے جن سے ہر مسلمان بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہ جھوٹ بولنے والا کیا نبی بن سکتا ہے؟

(۱) مرزا ایک جگہ لکھتا ہے:

(۱) اعجاز احمدی : ۷۹، روحانی خزائن: ۱۸۳/۱۹

”تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن مجید میں درج کیا گیا ہے: مکہ، مدینہ، قادیان۔“(۱)

ہر مسلمان جس نے قرآن پڑھا ہو وہ جانتا ہے کہ قادیان کا لفظ یا اس کی طرف کوئی اشارہ بھی قرآن میں نہیں ہے، مرزا نے یہ صریح اور کھلا ہوا جھوٹ بول کر خود ہی بتا دیا کہ میں نبی نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ نبی کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔

(۲) مرزا نے لکھا ہے:

”یہ بھی یاد رہے کہ قرآن شریف میں؛ بل کہ توریت کے بعض صحیفوں میں بھی یہ خبر موجود ہے کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی۔“(۲)

آپ پورا قرآن پڑھ لیجیے، کہیں آپ کو یہ بات نظر نہیں آئے گی اور نہ کوئی ایسا اشارہ ملے گا، جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہو اور اِسے کسی صحابی نے یا تابعی نے یا امام تفسیر نے اخذ کیا ہو؛ لہٰذا یہ بھی مرزا کا صریح جھوٹ ہے اور وہ بھی اللہ کی کتاب پر جھوٹ ہے جو جھوٹ کی بدترین قسم ہے، جس کا ایک شریف انسان سے صادر ہونا بھی بدترین عیب ہے، تو ایسا شخص جو ایسے کھلے کھلے جھوٹ کہتا ہو، مقام نبوت پر کیسے براجمان ہوسکتا ہے؟

(۳) مرزا اپنی کتاب ”حقیقۃ المھدی“ لکھتا ہے:

”ہم نے ثابت کر دیا کہ حضرت عیسی عَلَيْهِ السَّلَام واقعۂ صلیب کے بعد اپنے وطن سے ہجرت کر گئے تھے اور سفر کر کے ہندوستان چلے آئے تھے، جیسا کہ آثار و احادیث میں آیا ہے اور اللہ نے اس کی عمر

---

(۱) حاشیہ ازالہ اوہام: ۱/۷۷، روحانی خزائن: ۳/۱۴۰

(۲) کشتی نوح: ۷، روحانی خزائن: ۱۹/۵

ایک سوبیس سال کی پوری کی،جیسا کہ نبی مختار کی حدیث میں ہے۔“(۱)

یہ مرزا کی عربی عبات کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے، اس میں نبی مختار حضرت محمد ﷺ کی احادیث کے حوالہ سے حضرت عیسی علیہ السلام کا مصلوب ہونے کے بعد ہندوستان آنا اور اپنی بقیہ عمر کا پورا کرنا بیان کیا ہے؛ مگر یہ ایسے ہی شخص کا کلام ہوسکتا ہے جس کو جھوٹ بولنے کی لت پڑ گئی ہو اور وہ جھوٹ کے انتہائی درجہ پر نہایت بے شرمی کے ساتھ اتر آیا ہو؛ کیوں کہ پورے ذخیرۂ احادیث میں ایک بھی حدیث ایسی موجود نہیں جس میں اس کا ذکر ہو۔ اور اس سے عجیب جھوٹ مرزا کا یہ ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کی مزار کشمیر میں ہے، یہ بھی صریح جھوٹ ہے: مگر مرزا ہے کہ لکھتا چلا گیا ہے، کیا ایسا شخص نبی ہوسکتا ہے؟ جو قرآن پر بھی جھوٹ کہتا ہو اور حدیث پر بھی جھوٹ کہتا ہو؟ قادیانی لوگ جو مرزا کو نبی مان کر اپنا ایمان خراب کر چکے ہیں وہ سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور کریں۔

نبوتِ مرزا اپنی پیشین گوئی کے آئینہ میں

اوپر جو تین باتیں عرض کی گئی ہیں یعنی مرزا کی سیرت، مرزا کی توہین انبیاء اور مرزا کا جھوٹ، ان سے ہی یہ بات واضح ہوگئی کہ مرزا کا نبی ہونا اس وقت بھی ناممکن ہوتا جب کہ بفرض محال نبوت جاری ہوتی؛ کیوں کہ اس کیرکٹر اور اخلاق کے شخص کا نبی ہونا محال ہے۔ اب جب کہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے، تو مرزا واقعی نیک سیرت انسان بھی ہو اور کذب وافترا سے پاک ہو تب بھی نبی نہیں ہوسکتا، چہ جائے کہ سیرت وکردار کی ان قباحتوں اور توہین انبیاء اور افترا اور کذب کی نجاستوں کے ساتھ وہ نبوت کا منصب پائے؟

(۱) حقیقۃ المھدی : ۳۱، روحانی خزائن: ۱۴/ ۴۵۷

اب اسی کے ساتھ ایک اور بات پر بھی غور کرنا ضروری ہے جس سے نبوت مرزا کی حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے، وہ یہ کہ مرزا قادیانی نے بہت سی پیشن گوئیاں کیں اور ان کو اپنی نبوت کا نشان اور اپنی صداقت کی دلیل قرار دیا؛ مگر افسوس کہ اللہ تعالی نے ان پیشن گوئیوں میں سے بہت سی پیشین گوئیوں کو جھوٹا کر دیا اور لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کر دیا کہ نبی ہونے کا یہ دعویدار مرزا قادیانی اپنے دعوے میں جھوٹا ہے؛ لہٰذا اس پر ایمان لا کر اپنے ایمان کو خراب نہ کر لیا جائے۔

اور خود مرزائے قادیان نے اپنی صداقت وسچائی کی جن چیزوں کو دلیل بنایا ان میں سب سے وزنی اور بھاری چیز اپنی پیش گوئیوں کو قرار دیا ہے۔

مرزا قادیانی لکھتا ہے:

”بد خیال لوگوں کو واضح ہو کہ ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لیے ہماری پیشگوئی سے بڑھ کر اور کوئی محکِ امتحان نہیں ہوسکتا۔“(۱)

نیز مرزا نے پیش گوئیوں کے ظہور کو مدعی کے صداقت کی قطعی دلیل قرار دیا ہے، جب کہ وہ پیش گوئیاں ہزاروں کی تعداد کو پہنچ جائیں، اگر چہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کی ہوں۔

مرزا کہتا ہے:

”جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں چھوٹے چوٹے واقعات کی پیشگو ئیاں، جب کہ ہزاروں تک ان کی تعداد پہنچ جائے تو اس بات کی قطعی دلیل ٹھیرتی ہیں کہ جس شخص کے ہاتھ پر وہ پیشگوئیاں ظاہر ہوئی ہیں اور جو منجانب اللہ ہونے کا دعوی کرتا ہے وہ درحقیقت منجانب اللہ ہے۔“(۲)

---

(۱) آئینہ کمالات:۲۸۸،روحانی خزائن: ۵/ ۲۸۸

(۲) تجلیات الٰھیه : ۲۳،روحانی خزائن: ۲۰/ ۴۱۵

یہ تو مطلق دعوے کے بارے میں ہے اور خاص طور پر دعوائے نبوت کے بارے میں مرزا غلام احمد نے کہا ہے کہ قرآن وتورات نے نبوت کا بڑا ثبوت پیشگوئیوں کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے:

''تورات وقرآن نے بڑا ثبوت نبوت کا صرف پیش گوئیوں کو قرار دیا ہے۔''(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ مرزا کے نزدیک نہ صرف دعوائے نبوت؛ بل کہ ہر قسم کے دعوی کا کذب یا صدق پیش گوئی سے معلوم ہوسکتا ہے کہ مدعی نے جو پیش آئندہ باتوں کی خبر دی ہے وہ اگر واقعی ظاہر ہوجائیں تو مدعی صادق ورنہ کاذب قرار دیا جائے گا۔

ایک جگہ ایک خاص پیش گوئی کے بارے میں مرزا کہتا ہے:

''میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر اس پیش گوئی کے مطابق کہ دراصل برابر بیس برس سے شہرت پارہی ہے ظہور میں نہ آیا تو میں خدا کی طرف سے نہیں ہوں۔''(۲)

اسی طرح مرزا اپنے مخالفین کو چیلنج دیتا ہے کہ تمہارے اور میرے درمیان فیصلہ کن امر (من جملہ دیگر امور کے) یہ ہوگا کہ تم بھی کچھ پیش گوئیاں کرو اور میں بھی کرتا ہوں، بس جس کی پیش گوئیاں پوری ہوجائیں وہی اپنے دعوؤں میں صادق قرار دیا جائے گا۔''(۳)

---

(۱) رسالہ استفتاء : ۳، روحانی خزائن: ۱۲/۱۱۱

(۲) کشتی نوح : ۶، روحانی خزائن: ۱۹/۴

(۳) دیکھو: آسمانی فیصلہ:۱۶، روحانی خزائن: ۴/۳۲۳

اور اسی کے ساتھ مرزا نے پیش گوئی کے جھوٹ نکلنے کو سب سے بڑی رسوائی بھی قرار دیا ہے۔ چنانچہ کہا:

’’یہ بات بھی ظاہر ہے کہ کسی انسان کا اپنی پیش گوئی میں جھوٹا نکلنا خود تمام رسوائیوں سے بڑھ کر رسوائی ہے۔‘‘(۱)

مرزا قادیانی کی یہ تصریحات ہم کو اس طرف متوجہ کرتی ہے کہ اس نے جو پیش گوئیاں اپنے دعوے کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے کی ہیں ان کو بھی اسی معیار پر جانچیں اور دیکھیں کہ کہاں تک ان میں صداقت ہے؟

ایک اہم وضاحت

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ مدعی اپنے دعوے پر جس قدر پیش گوئیاں کرے ان سب کا سچا ہونا اس بات کے لیے ضروری ہے کہ مدعی کو صادق کہا جائے اور اگر ایک پیش گوئی بھی جھوٹی نکل آئے تو اس بات کے لیے کافی ہے کہ مدعی کی تکذیب کی جائے؛ کیوں کہ بعض پیش گوئیوں کا سچا نکلنا ایک اتفاقی امر بھی ہوسکتا ہے، جیسے بعض پیش گوئیاں نجومیوں وغیرہ کی بھی صحیح ثابت ہوجاتی ہے؛ بل کہ بعض دفعہ محض اٹکل و اندازے سے کہنے والے کی خبر بھی من وعن ظاہر ہوجاتی ہے؛ لیکن اس سے مدعی کا سچا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اسی طرح مرزا غلام احمد کی اگر ایک بات بھی غلط ثابت ہوجائے تو مرزا کو اپنے دعوے میں صادق کہلانے کا کوئی حق نہیں ہوگا، اگر چہ اس کی ہزاروں پیشگوئیاں صحیح ہوجائیں؛ کیوں کہ مرزا اپنے دعوے کو خدا تعالی کی طرف منسوب کرتا ہے اور اسپر بطور دلیل پیش گوئی بھی منجانب اللہ ہونے کا مدعی ہے اور ظاہر ہے کہ خدا کی

---

(۱) تریاق القلوب : ۲۵۴، روحانی خزائن : ۳۸۲/۱۵، و سراج منیر : ۱۳، روحانی خزائن: ۱۵/۱۲

بات کبھی غلط نہیں ہوسکتی، جیسا کہ خود مرزا نے کہا ہے:

''ممکن نہیں کہ خدا کی پیش گوئی میں کچھ تخلف ہو۔''(۱)

نیز مرزا نے کہا:

''سچا الہام خدا تعالی کی طاقتوں کا اثر اپنے اندر رکھتا ہے اور ضرور ہے کہ اس میں پیش گوئیاں بھی ہوں اور وہ پوری بھی ہوجائیں۔''(۲)

الغرض مرزا کے نزدیک بھی خدا کا وعدہ اور الہام جو وہ اپنے خاص بندوں سے کرتا ہے ٹل نہیں سکتا، ورنہ وہ خدا کا وعدہ والہام نہ ہوگا؛ کیوں کہ بعض بعض باتوں کا دل میں آجانا اور ان باتوں کا پورا ہوجانا اس مدعی کے منجانب اللہ ہونے کے لیے کافی نہیں ہے۔

مرزا کہتا ہے:

''یہ تو سچ ہے کبھی سچی خواب ادنی مؤمن یا کافر کو بھی آجاتی ہے، اور کوئی ٹوٹا پھوٹا فقرہ الہام کے رنگ میں ہر ایک مؤمن کے دل میں القاء ہوسکتا ہے بلکہ کبھی ایک فاسق بھی تنبیہ یا ترغیب کے طور پر پاسکتا ہے،..آگے چل کر کہا کہ..........................یوں تو چوہڑوں اور چماروں اور فاسقوں کو بھی خدا کے پاک نبیوں سے خواب دیکھنے میں مشارکت ہے، مگر کیا اس ایک ذراسی مشارکت سے تمام فاسق انبیاء کے ہم پایہ، ہم مرتبہ شمار کیے جائیں گے؟..........................کچھ آگے چل کے کہا

---

(۱) چشمہ معرفت: ۸۳، روحانی خزائن: ۲۳/۹۱

(۲) ضرورۃ الامام: ۲۰، روحانی خزائن: ۳۱/۴۸۹

کہ.................... ہاں یہ سچ ہے کہ نا تمام صوفیوں بل کہ فاسقوں اور فاجروں اور کافروں سے بھی خدائے تعالیٰ کی یہ سنت جاری ہے کبھی وہ سچی خوابیں دیکھتے ہیں، بعض وقت کوئی ٹوٹا پھوٹا فقرہ بطور الہام بھی سن لیتے ہیں، بعض وقت کشفی طور پر کسی مردے کو دیکھ لیتے ہیں، یا کشف قبور کے رنگ میں کسی روح سے ملاقات کر لیتے ہیں۔"(۱)

ایک دوسری کتاب" تریاق القلوب" میں مرزا کہتا ہے:

"اب سوچنا چاہئے کہ غیب کا وسیع علم غیر کو ہرگز نہیں دیا جاتا اور گو ممکن ہے کہ غیر کو بھی جس کے تعلقات خدا سے محکم نہیں ہیں کبھی سچا خواب آجائے یا سچا کشف ہو جائے۔"(۲)

اور مرزا خود بھی اس بات کا قائل ہے کہ الہام شیطان کی طرف سے بھی ہوتا ہے، بل کہ مرزا کے نزدیک شیطانی الہام کا منکر قرآن کا منکر و مخالف ہے۔ حوالہ لیجئے، وہ اپنی کتاب "ضرورۃ الامام" میں کہتا ہے:

"واضح ہو کہ شیطانی الہامات ہونا حق ہے اور بعض نا تمام سالک لوگوں کو ہوا کرتے ہیں اور حدیث النفس بھی ہوتی ہے جس کو اضغاث احلام کہتے ہیں اور جو شخص اس سے انکار کرے وہ قرآن شریف کی مخالفت کرتا ہے؛ کیوں کہ قرآن شریف کے بیان سے شیطانی الہام ثابت ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تک انسان کا تزکیۂ نفس پورے اور کامل طور پر نہ ہو تب تک اس کو شیطانی الہام ہو سکتا ہے۔"(۳)

(۱) حاشیہ ضمیمہ آنجام آتھم: ۱۸، روحانی خزائن: ۳۰۲/۱۱
(۲) تریاق القلوب : ۲۸۹، روحانی خزائن: ۴۱۷/۱۵
(۳) ضرورۃ الامام: ۱۴، روحانی خزائن: ۴۸۳/۱۳-۴۸۴

اور لیجئے،اس سے بھی واضح بیان مرزا کا پڑھئے،وہ کہتا ہے:

"یاد رہے کہ کاہن جو عرب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے بکثرت تھے ان لوگوں کو بہ کثرت شیطانی الہام ہوتے تھے اور بعض وقت وہ پیشگوئیاں بھی الہام کے ذریعہ سے کیا کرتے تھے،تعجب یہ کہ ان کی بعض پیشگوئیاں سچی بھی ہوتی تھیں۔"(۱)

مرزا کے مریدوں میں سے ایک شخص چراغ دین نے جب ملہم ہونے کا دعوی کیا تو مرزا نے اس کی تکذیب کی اور ایک مضمون اس کی تردید میں شائع کیا،اسی سلسلہ میں لکھا:

"چراغ دین کی نسبت میں یہ مضمون لکھ رہا تھا کہ تھوڑی سی غنودگی ہو کر مجھکو خدائے عزوجل کی طرف سے یہ الہام ہوا:"نزل به جبیز" یعنی اس شخص پر جبیز نازل ہوا اور اسی کو اس نے الہام یا رویا (خواب) سمجھ لیا.............. اس جگہ جبیز سے مراد وہ حدیث النفس اور اضغاث الاحلام ہیں جن کے ساتھ آسمانی روشنی نہیں اور بخل کے آثار موجود ہیں،اور ایسے خیالات خشک مجاہدات کا نتیجہ یا تمنا اور آرزو کے وقت القاء شیطان ہوتا ہے۔"(۲)

اسی طرح مرزا نے اور بھی بعض الہام کے مدعیوں کی تکذیب کی ہے جس میں ڈاکٹر عبدالحکیم خان بھی ہیں جو ایک طویل زمانہ تک مرزا کے مرید رہے پھر مرزا کے خلاف انہوں نے قلم اٹھایا اور الہام کا بھی دعوی کیا۔(۳)

---

(۱) ضرورة الامام : ۱۸،روحانی خزائن: ۱۳/ ۴۸۸

(۲) حاشیه دافع البلاء : ۲۷،روحانی خزائن: ۱۸/ ۲۴۳

(۳) دیکھو: چشمہ معرفت: ۳۲۰ تا ۳۲۲

حاصل کلام یہ ہے کہ الہام ربانی بھی ہوتا ہے اور شیطانی بھی ہوتا ہے اور شیطانی الہام سے حاصل پیش گوئی سچی بھی ہوسکتی ہے؛ لہٰذا بعض پیش گوئیوں کا صحیح و پورا ہو جانا مدعی کی صداقت کی دلیل نہیں ہوسکتی ، جیسا کہ خود مرزا کی تصریحات منقولۂ بالا سے ثابت ہوا؛ بل کہ مدعی کی صداقت ؛ بل کہ خود پیش گوئی کی سچائی اسی صورت میں ثابت ہوگی جب کہ مدعی کی تمام پیش گوئیاں پوری ہوں۔ اور خود مرزا کو بھی یہ اصول مسلم ہے کہ ”کوئی پیش گوئی اس صورت میں سچی ہوسکتی ہے جب کہ اس کے ساتھ تمام پیش گوئیاں سچی ثابت ہوئی ہوں، یہ فی الواقع سچ ہے۔“(۱)

پس جب تک مرزا غلام احمد کی تمام پیش گوئیاں سچی ثابت نہ ہو جائیں اس وقت تک نہ مرزا کو سچا کہا جا سکتا اور نہ اس کی کسی پیش گوئی کو۔ اب ہم مرزا کی پیش گوئیوں پر کلام کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ مرزا کی بہت سی پیش گوئیاں جھوٹی نکلی ہیں؛ بل کہ آپ کو ہم یہ دکھلاتے ہیں کہ مرزا کی وہ پیشین گوئیاں بھی جنہیں خود مرزا نے معرکہ کی نشانیاں اور اپنے صدق کی دلیل قرار دیا تھا جھوٹی نکلیں ۔ یہاں صرف دو تین مثالیں عرض کرونگا۔

پادری آتھم کے بارے میں جھوٹی پیشگوئی

عیسائی پادری ڈپٹی عبداللہ آتھم سے مرزا نے ۱۸۹۳ء میں ایک مناظرہ کیا جس کا عنوان ” توحید و تثلیث “ تھا، یہ مناظرہ پندرہ دن تک جاری رہا تھا اور مرزا کو بمقابلہ پادری شکست ہوئی ،جس پر مرزا نے اپنی خفت مٹانے کے لیے اس کے خلاف ایک دھمکی آمیز پیش گوئی کی۔ چناں چہ ”جنگ مقدس“ نامی کتاب کے صفحات میں یہ پیش گوئی بڑی آب وتاب سے مرزا نے لکھی ہے۔

(۱) کتاب البریت : ۲۳،روحانی خزائن: ۴۱/۱۳

اس کے چند جملے ملاحظہ کیجئے!

''اس بحث میں جو فریق جھوٹ کو عمداً اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی پندرہ ماہ تک ھاویہ میں گرایا جائے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے .... آگے لکھا ہے کہ .... میں اس وقت اقرار کرتا ہوں، اگر یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق (عبداللہ آتھم پادری) جو خدا کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ (۵/ جون ۱۸۹۳ء) سے بسزائے موت ھاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر سزا کے اٹھانے کو تیار ہوں، روسیاہ کیا جائے، میرے گلے میں رسہ ڈال دیا جائے، مجھ کو پھانسی دیا جائے، ہر ایک بات کے لئے تیار ہوں۔''(۱)

اس پیش گوئی کی رو سے ۵/ستمبر ۱۸۹۴ء تک عبداللہ آتھم کو ھاویہ میں گر جانا اور مر جانا چاہئے تھا؛ کیوں کہ اس نے نہ توبہ کی، نہ اپنے عیسائی خیالات کو چھوڑا؛ مگر خدا کی شان دیکھئے کہ مرزا کو جھوٹا کرنے کے لیے اللہ تعالی نے اس کو ۲۷/ جولائی ۱۸۹۶ء تک زندہ رکھا۔ چناں چہ خود مرزا نے آتھم کی تاریخ موت یہی لکھی ہے۔(۲) گویا پیش گوئی کی تاریخ سے تو اس کو ۵/ستمبر ۱۸۹۴ء کو مرنا تھا؛ مگر اس کے بعد تقریباً دو سال تک وہ زندہ رہا اور مرزا کی نبوت کو چیلنج کرتا رہا، کیا یہ مرزا کے جھوٹا

(۱) جنگ مقدس : ۲۱۰،روحانی خزائن: ۲۹۲/۶

(۲) دیکھو:انجام اتھم : ا،روحانی خزائن: ۱/۱۱

ہونے کی بین وواضح دلیل نہیں ہے؟

میں جانتا ہوں کہ مرزا اور مرزائیوں نے اس پیش گوئی کو سچا ثابت کرنے کیا کیا تاویلیں کی ہیں اور کیسے شرمناک کھیل کھیلے ہیں، مگر ایک سچے انسان کے لئے مرزا کی جانچ کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اس کی یہ پیش گوئی جس میں نہ تاویل کی گنجائش، نہ اس کی تشریح کی ضرورت، صاف طور پر جھوٹی نکلی اور مرزا کی نبوت کا پول کھول دیا، اس کے بعد بھی اس کو نبی ماننے والے کس قدر دھوکہ میں ہیں، غور کرلیں۔

آسمانی نکاح کی پیش گوئی

مرزا کی ایک پیش گوئی جس کو خود مرزا نے بڑی اہمیت دی اور اپنی صداقت کا نشان قرار دیا وہ ''آسمانی نکاح'' کی پیش گوئی ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ مرزا کے رشتہ داروں میں ایک صاحب مرزا احمد بیگ تھے، وہ اپنے کسی کام کے لیے مرزا کے پاس گئے تو مرزا نے استخارہ کرنے کے بہانے اولاً ان کو ٹال دیا، پھر کچھ دن بعد ان سے ان کی لڑکی محمدی بیگم کا اپنے لیے رشتہ مانگا؛ مگر وہ صاحب تیار نہ ہوئے اور مرزا کی مخالفت پر اتر آئے، اس پر مرزا نے کہا کہ یہ رشتہ کا سوال اللہ تعالی کی وحی کی بنیاد پر کیا گیا تھا۔

پہلے مرزا کا وہ خط پڑھئے جو مرزا احمد بیگ کے نام اس سلسلہ میں لکھا تھا، مرزا نے لکھا:

> ''خدا تعالی نے اپنے کلام پاک سے مجھ پر ظاہر کیا کہ اگر آپ (مرزا احمد بیگ) اپنی دختر کلاں کا رشتہ میرے ساتھ منظور کریں تو وہ تمام نحوستیں آپ کی اس رشتہ سے دور کردے گا اور آپ کو آفات سے محفوظ رکھ کر برکت پر برکت دے گا اور اگر یہ رشتہ وقوع میں نہ آیا تو

آپ کے لیے دوسری جگہ رشتہ کرنا ہرگز مبارک نہ ہوگا اور اس کا انجام درد اور تکلیف اور موت ہوگی، یہ دونوں طرف برکت اور موت کی ایسی ہیں کہ جن کو آزمانے کے بعد میرا صدق و کذب معلوم ہوسکتا ہے۔"(۱)

مگر جب مرزا احمد بیگ نے اس خط کو دیکھ کر مرزا کی سخت مخالفت کی اور بعض اخبارات میں اس خط کو چھپوا دیا تو مرزا نے ایک اشتہار دیا اور اس میں یہ بھی لکھا:

"اس قادر حکیم اللہ تعالی نے مجھ سے فرمایا کہ اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت برا ہوگا، جس دوسرے سے بیاہی جائے گی وہ روزِ نکاح سے اڑھائی سال اور ایسا ہی والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہوجائے گا"، نیز مرزا نے کہا کہ "خدا تعالی نے یہ مقرر کر رکھا ہے کہ وہ مکتوب الیہ (احمد بیگ) کی دختر کو ہر مانع دور کرنے کے بعد انجام کار اس عاجز کے نکاح میں لائے گا اور بے دینوں کو مسلمان بنادے گا اور گمراہوں میں ہدایت پھیلا دے گا۔"(۲)

مگر خدا کی قدرت دیکھئے کہ اللہ تعالی نے اس میں سے کوئی بات بھی مرزا کی پوری نہیں کی اور مرزا کی نبوت ملیا میٹ ہوکر رہ گئی۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ مرزا احمد بیگ نے اپنی دختر کا نکاح سلطان محمد سے کردیا اور مرزا کے مرنے کے بعد بھی وہ زندہ رہا، نیز مرزا کو مرے ہوئے سالوں ہوگئے ؛ مگر محمدی بیگم کو آخر کار اس کے نکاح میں نہیں آنا تھا وہ نہیں آئی، اس طرح اس پیش گوئی کا ہر جزء جھوٹا نکلا اور وہ آج تک مرزا کی نبوت کے دعوے کو چیلنج کررہی ہے۔ بتاؤ اس سے زیادہ مرزا کے کذاب ومفتری علی اللہ ہونے کا کیا ثبوت چاہئے؟

(۱) آئینہ کمالات:۲۷۹-۲۸۰،روحانی خزائن: ۵/۲۷۹-۲۸۰
(۲) آئینہ کمالات:وروحانی خزائن: ۵/۲۸۶

مرزا کی عبرت ناک موت

اب آخر میں ایک بات مزید سنتے چلیے ، وہ یہ کہ مرزا کی عبرت ناک موت بھی مرزا کے کذاب ہونے کی ایک واضح دلیل ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ مرزا کے جھوٹے الہامات اور دعاوی کا مقابلہ اس کی زندگی میں ایک عالم حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری برابر کیا کرتے تھے اور انھوں نے اس کام کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا تھا۔ مرزا نے ''تنگ آمد بجنگ آمد'' کے بمصداق ان کے خلاف ایک ''آخری فیصلہ'' کا اشتہار شائع کیا، وہ اشتہار یہ تھا:

''بخدمت مولوی ثناءاللہ صاحب، السلام علی من اتبع الھدی۔

مدت سے آپ کے پرچہ ''اہل حدیث'' میں میری تکذیب اور تفسیق کا سلسلہ جاری ہے، ہمیشہ مجھے آپ اپنے اس پرچہ میں مردود و کذاب ، دجال ، مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں، ....

..........میں نے آپ سے بہت دکھ اُٹھایا اور صبر کرتا رہا

..........اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا، کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت وحسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے، اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے تاکہ خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے..........

..........یہ کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیش گوئی نہیں، محض دعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک بصیر وقدیر جو علیم وخبیر ہے جو

میرے دل کے حالات سے واقف ہے، اگر یہ دعوی مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے اور میں تیری نظر میں مفسد و کذاب ہوں اور دن رات افترا کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے ان کو اور جماعت کو خوش کر دے، آمین۔ (۱)

اس اشتہار میں مرزا نے ایک بات یہ واضح کی ہے کہ یہ ایک اللہ کی جناب میں درخواست ہے جو کسی الہام کی بنا پر نہیں، بل کہ محض دعا کے طور پر فیصلہ چاہنے کے لیے کی ہے اور دوسری بات اس دعا میں واضح طور پر یہ کہی ہے کہ اگر وہ (مرزا) جھوٹا و مفتری ہے تو وہ مولوی ثناء اللہ کی زندگی میں مرجائے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس دعا کا نتیجہ کیا ہوا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ اس اشتہار کے ٹھیک ایک سال، ایک ماہ اور گیارہ دن بعد مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ کی زندگی ہی میں ۲۶/مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا قادیانی کی موت ہیضہ کی خبیث بیماری میں ہوگئی اور مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ امرتسری اس کے بعد تقریباً چالیس سال زندہ رہے اور مرزا کے دجل وفریب کا پردہ برابر چاک کرتے رہے۔

اور یہ بات کہ مرزا کی موت ہیضہ کی وجہ سے ہوئی خود مرزائیوں کی کتاب میں مرزا کی زبانی نقل کی گئی ہے، لیجئے ثبوت موجود ہے۔

مرزا غلام احمد کا بیٹا مرزا بشیر احمد ''سیرۃ المھدی'' میں لکھتا ہے:

''والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ حضرت مسیح موعود کو پہلا دست کھانا کھانے کے وقت آیا تھا؛ مگر اس کے بعد تھوڑی دیر تک ہم لوگ آپ

(۱) مجموعہ اشتہارات : ۳/ ۵۷۸-۵۷۹

کے پاؤں دباتے رہے اور آپ آرام سے لیٹ کر سو گئے اور میں بھی سو گئی؛ لیکن کچھ دیر کے بعد آپ کو پھر حاجت محسوس ہوئی اور غالباً ایک یا دو دفعہ رفع حاجت کے لیے آپ پاخانہ تشریف لے گئے، اس کے بعد آپ نے زیادہ ضعف محسوس کیا تو آپ نے ہاتھ سے مجھے جگایا، میں اُٹھی تو آپ کو اتنا ضعف تھا کہ آپ میری چار پائی ہی پر لیٹ گئے اور میں آپ کے پاؤں دبانے کے لیے بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد حضرت صاحب نے فرمایا، تم اب سو جاؤ، میں نے کہا نہیں میں دباتی ہوں، اتنے میں آپ کو ایک اور دست آیا؛ مگر اب اس قدر ضعف تھا کہ آپ پاخانہ نہ جا سکتے تھے، اس لیے میں نے چار پائی کے پاس ہی انتظام کر دیا اور آپ وہیں بیٹھ کر فارغ ہوئے اور پھر اٹھ کر لیٹ گئے، میں پاؤں دباتی رہی؛ مگر ضعف بہت ہو گیا تھا، اس کے بعد ایک اور دست آیا، پھر آپ کو قے آئی، جب آپ قے سے فارغ ہو کر لیٹنے لگے تو اتنا ضعف تھا کہ آپ لیٹے لیٹے پشت کے بل چار پائی پر گر گئے اور آپ کا سر چار پائی کی لکڑی سے ٹکرایا اور حالت دگر گوں ہو گئی۔"(۱)

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ مرزا کی موت ہیضہ سے ہوئی ہے کیوں کہ ہیضہ اسی کا نام ہے کہ اسہال کے ساتھ قے ہو، ان دونوں کے اجتماع ہی کو اطبا ہیضہ کہتے ہیں۔ اور اس سے واضح دلیل یہ ہے کہ خود مرزا نے اپنے خسر نواب میر ناصر کو بلا کر کہا کہ "میر صاحب! مجھے وبائی ہیضہ ہو گیا ہے۔"(۱)

اب اس میں کیا شبہ باقی ہے کہ مرزا کی دعا اللہ نے قبول کی اور سچے کے

(۱) سیرۃ المھدی: ۱/۱۱-۱۲، روایت:۱۲

(۲) حیات ناصر:۱۴، بحوالہ قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ:۱۸۱

سامنے جھوٹے کو دنیا سے اٹھالیا تا کہ وہ خدا کے نام پر جھوٹے دعوے کر کے لوگوں کو تباہ نہ کرے؛ لہٰذا اللہ کی جانب سے ایک متلاشیٔ حق کے لیے سارا سامان ہو گیا کہ وہ حق کو سمجھ جائے اور باطل سے کنارہ کش ہو جائے اور مرزا کی جھوٹی نبوت کے دام تزویر میں اگر گرفتار ہو گیا ہو تو اس سے نکلنے کی کوشش کرے۔

قادیانیوں کو دعوت اسلام

غرض یہ کہ آپ کسی طرح بھی مرزا کو آزمائیں، وہ نبوت کے دعوے میں انتہائی جھوٹا ثابت ہوگا، یہ باتیں ان لوگوں کی خاطر پیش کی گئیں جو اپنے بھولے پن یا کسی کے دام تزویر میں آکر نبوت مرزا کے قائل ہو گئے کہ وہ ان پر سنجیدگی سے غور کریں، اور ایمان جیسی متاع عزیز کو پھر سے پانے کی فکر کریں، ورنہ جس طرح کوئی مسیلمہ کذاب کی نبوت کو مان کر نجات نہیں پا سکتا ایسا ہی کوئی مرزائے پنجاب کو نبی مان کر کامیاب نہیں ہوسکتا۔

لہٰذا قادیانی لوگوں سے گذارش کرتا ہوں کہ وہ واقعی اگر حضرت محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے محبت رکھتے ہیں جیسا کہ انکا دعوی ہے تو وہ صاف صاف پنجاب کے اس مدعیٔ نبوت کے مکروفریب سے چھٹکارا پالیں اور جس دین اسلام پر پوری دنیائے اسلام متفق ومتحد ہے اسکو قبول کر کے اپنی آخرت کو بنانے وسنوارنے کی فکر کریں، ورنہ جیسا کہ میں نے پہلے بھی لکھا ہے نبوت محمدی کے پرچم تلے تم کو ہرگز ہرگز جگہ نہیں مل سکتی بل کہ مرزا کی جھوٹی نبوت کے پرچم تلے ذلت وخواری کے ساتھ کھڑا ہونا پڑے گا اور وہاں کوئی تاویل نہ چل سکے گی، اس لیے اس حالت زار کے پیش آنے سے پہلے اس پر غور کرلیں اور اسلام میں داخل ہو جائیں۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

قادیانی نبی اور انگریزی وحی

مرزا غلام احمد قادیانی جس نے محدثیت ، مجددیت ، مسیحیت و نبوت کے جھوٹے دعوے کیے اور گمراہی کا ایک بہت بڑا دروزاہ کھولا ، اس نے متعدد زبانوں میں اپنی خودساختہ وحی پیش کی ہے۔ مرزا غلام احمد نے لکھا ہے:

''ہم کبھی دوسری زبان میں الہام پاتے ہیں؛ مگر اکثر خدا تعالیٰ کا مکالمہ مخاطبہ عربی میں ہی ہوتا ہے۔''(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو متعدد زبانوں میں الہام و وحی ہوتی ہے۔ البتہ اکثر و بیشتر عربی زبان میں وحی نازل ہوتی ہے۔ عربی کے علاوہ مرزا کو دوسری زبانوں میں سے انگریزی زبان میں کثرت کے ساتھ وحی ہوتی ہے۔

چناں چہ خود غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے:

''اور انگریزی زبان کا الہام اکثر ہوتا رہتا ہے۔''(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ عربی کی طرح انگریزی زبان میں الہام بھی مرزا قادیانی کو کثرت کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔

---

(۱) چشمہ معرفت:۲/۲۱۰،روحانی خزائن: ۲۳/۲۱۹

(۲) براهین احمدیه: ۴۸۱،روحانی خزائن: ۱/۵۷۲

قرآن کی کسوٹی پر

اب اس دعوے کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھیے، قرآن مجید صاف الفاظ میں کہتا ہے:

﴿ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ ﴾ (ابراھیم: ۴)

(ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو؛ مگر اس کی قوم کی زبان کے ساتھ۔)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی و رسول کو اسی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا جاتا ہے؛ لہٰذا اسی قوم کی زبان میں خدائی پیغامات و احکامات نازل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے نبی حضرت خاتم النبیین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم حالاں کہ مبعوث تو ہوئے تھے تمام انسانوں کے واسطے؛ مگر آپ کو وحی صرف اس زبان میں ہوتی تھی جو آپ کی قومی زبان (عربی) ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نبی و رسول کو اس کی امت کی زبان دے کر بھیجتے ہیں؛ بل کہ یہ فرمایا کہ اس کی قوم کی زبان دے کر بھیجتے ہیں۔ امت، قوم کے علاوہ دوسری قومیں بھی ہوسکتی ہیں، جیسے حضرت نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دنیا کی تمام قومیں ہیں؛ کیوں کہ آپ سب کی طرف مبعوث ہوئے ہیں؛ مگر اس کے باوجود آپ پر وحی صرف عربی زبان میں نازل ہوتی تھی کیوں کہ یہی آپ کی قومی زبان تھی۔

اس اصول کے مطابق مرزا قادیانی کا یہ دعوی کہ ہم کو دوسری زبان میں بھی الہام ہوتا ہے اور یہ کہ انگریزی زبان کا الہام اکثر ہوتا رہتا ہے، غلط اور کذب ثابت ہوتا ہے۔

خود مرزا کے اصول پر

پھر خود مرزا غلام احمد کے اصول کے مطابق بھی یہ دعوی باطل و غلط ثابت ہوتا

ہے۔؛ کیوں کہ مرزا نے لکھا ہے:

”یہ بل کل غیر معقول اور بے ہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو، جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا؛ کیوں کہ اس میں تکلیف مالا یطاق ہے اور ایسے الہام سے فائدہ کیا ہوا جو انسانی سمجھ سے بالاتر ہے۔“(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ خود مرزا کے پاس بھی یہ اصول مسلم ہے کہ الہام اسی زبان میں ہونا چاہیے جو الہام پانے والے انسان کی اصل زبان ہے جس کو وہ سمجھ سکتا ہو۔

یہ تو ظاہر ہے کہ مرزا قادیانی کی اصل زبان اور قومی زبان اردو یا پنجابی ہے، انگریزی نہیں؛ لہٰذا مرزا قادیانی کا یہ کہنا کہ اکثر انگریزی زبان میں الہام ہوتا ہے خود اس کے قول کے مطابق غیر معقول اور بے ہودہ امر ہے۔

کیا مرزا قادیانی انگریزی زبان سے واقف تھا؟

اس کے علاوہ کیا انگریزی زبان سے مرزا قادیانی واقف تھا؟ مرزا کا کہنا ہے کہ جو زبان ملہم نہ سمجھ سکے اس میں الہام کا ہونا بے ہودہ بات ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ انگریزی زبان کیا مرزا کی سمجھ میں آتی تھی؟

اس کا جواب خود مرزا قادیانی کی زبان سے سن لیجئے۔ وہ کہتا ہے:

”اس سے زیادہ تعجب کی یہ بات ہے کہ بعض الہامات مجھے ان زبانوں میں بھی ہوتے ہیں جن سے مجھے کچھ بھی واقفیت نہیں، جیسے انگریزی یا سنسکرت یا عبرانی وغیرہ۔“(۲)

---

(۱) چشمہ معرفت:۲/۲۰۹،روحانی خزائن: ۲۳/ ۲۱۸

(۲) نزول المسیح: ۵۷،روحانی خزائن: ۱۸/ ۴۳۵

اس عبارت نے فیصلہ کردیا کہ مرزا قادیانی کو نہ انگریزی سے واقفیت تھی نہ سنسکرت سے اور نہ عبرانی سے۔ پھراس عبارت میں ’’کچھ بھی واقفیت نہیں‘‘ کے الفاظ بتاتے ہیں کہ ان زبانوں سے مرزا کوتھوڑی سی واقفیت بھی نہیں تھی۔

چناں چہ ’’براهين احمديه‘‘ میں ایک جگہ لکھا:

’’یہ خاک سارانگریزی زبان سے کچھ واقفیت نہیں رکھتا۔‘‘(۱)

اسی ’’براهين احمديه‘‘ میں ایک جگہ مرزا نے اپنا ایک انگریزی الہام درج کیا ہےاوروہ یہ ہے: ’’آئی لو یو، شیل گو یوءِ لاج پارٹی آف اسلام‘‘ مرزا نے لکھا ہے کہ چوں کہ اس وقت یعنی آج کے دن اس جگہ کوئی انگریزی خواں نہیں اور نہ اس کے پورے پورے معنی کھلے ہیں اس لئے بغیر معنوں کے لکھا گیا ہے۔(۲)

اب اس میں کیا شک ہے کہ مرزا کا ان زبانوں میں الہام پانے کا دعویٰ صریح جھوٹ اور باطل محض ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو کوئی غیر معقول اور بے ہودہ کام نہیں کرسکتے، یہ کام تو مرزا ہی کو لائق ہے۔

مرزا قادیانی کی ایک پُرفریب عبارت

یہاں یہ بھی واضح ہونا چاہئے کہ مرزا قادیانی نے ’’چشمہ معرفت‘‘ میں جب یہ لکھ دیا کہ انسان کی اصل زبان ہی میں الہام ہونا سنتِ خداوندی ہےاور غیر زبان میں الہام ہونا غیر معقول ہےتو اب یہ فکر ہوئی کہ الہام کی قادیانی مشن جو بقول مرزا:

’’بعض موقعہ پر بیس بیس دفعہ یا تیس تیس دفعہ یا پچاس پچاس دفعہ یا قریباً تمام رات یا قریباً تمام دن ــــــ بعض دفعہ مختلف زبانوں میں

(۱) براهين احمديه : ۴۷۲،روحانی خزائن: ۱/۵۶۳

(۲) براهين احمديه: ۵۵۷،روحانی خزائن: ۱/۶۶۴

اور بعض دفعہ ایسی زبان میں جن کا علم بھی نہیں۔"(۱)

الہامات تیار کرتی ہے ،اس کا معاملہ ٹھپ ہوجاتا ہے، لہٰذا مرزا کو فوراً ہوش آ گیا اور لکھا:

"اگر کوئی زبان ایسی ہو کہ ملہم کو خوب یاد ہو اور گویا اس کی زبان کے حکم میں ہو تو بسا اوقات مُلہَم کو اس زبان میں الہام ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف کے الفاظ سے یہ سند ملتی ہے؛ کیوں کہ اول قرآن شریف قریش کی زبان میں ہی نازل ہونا شروع ہوا تھا؛ کیوں کہ اول مخاطب قریش ہی تھے ؛ مگر بعد اس کے قرآن شریف میں عرب کی اور زبانوں کے بھی الفاظ آ گئے ہیں۔"(۲)

اس عبارت میں مرزا قادیانی نے اپنی معروف عادت کے مطابق چال بازی اور فریب دہی سے کام لیا ہے مگر پھر بھی اس کا مقصد پورا نہیں ہوسکا؛ کیوں کہ:

اولاً: غور کیجئے کہ مرزا کا دعویٰ یہ ہے کہ اصل زبان کے علاوہ دوسری زبان میں بھی الہام اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ ملہم اس زبان سے اس طرح واقف ہو کہ گویا وہ اسی کی زبان ہے اور اس کی دلیل میں قرآن شریف کو پیش کیا ہے کہ وہ پہلے قریش کی زبان میں نازل ہوا، پھر عرب کی دوسری زبانوں میں نازل ہوا۔سوال یہ ہے کہ وہ عرب کی کونسی زبانیں ہیں جن میں قرآن نازل ہوا؟ کیا قرآن کئی مختلف ومتعدد زبانوں کا مرکب ہے؟ مرزا کی اس عبارت سے یہی مفہوم ہوتا ہے، حالاں کہ قرآن شریف صرف ایک ہی زبان یعنی "عربی" میں نازل ہوا ہے۔ اور خود قرآن

---

(۱) نزول المسیح: ۹۴،روحانی خزائن: ۴۷۲/۱۸

(۲) چشمہ معرفت: ۲/۲۱۰،روحانی خزائن: ۲۳/۲۱۸

نے جابجا قرآن کو عربی ہی قرار دیا ہے، چنانچہ نحل:۱۰۳،شعراء:۱۹۵، یوسف:۲، رعد:۳۷، طٰہٰ:۱۱۳، زمر:۲۸، حم سجدہ:۳،شوریٰ:۷، زخرف:۳، احقاف:۱۲، میں اس مضمون کو بہ صراحت بیان کیا گیا ہے۔

مگر مرزا قادیانی کا دعویٰ ہے کہ قرآن کریم قریش کی اور عرب کی متعدد زبانوں میں نازل ہوا ہے ، یہ اللہ تعالیٰ پر اور قرآن پاک پر صریح جھوٹ اور بہتان ہے؛ کیوں کہ قرآن صرف اور صرف عربی میں نازل ہوا ہے، کسی اور زبان میں ہرگز نازل نہیں ہوا ، ہاں عرب کے مختلف قبائل میں عربی زبان کچھ کچھ فرق کے ساتھ استعمال ہوتی تھی، جیسے ہماری اُردو زبان مختلف علاقوں میں کچھ کچھ فرق کے ساتھ استعمال ہوتی ہے ۔تو پہلے قریش کے لب ولہجہ اور لغت میں قرآن نازل ہوا، پھر آسانی وسہولت کے لیے لوگوں کو اجازت دی گئی کہ اپنے اپنے لب ولہجہ ولغت میں قرآن کو پڑھا جا سکتا ہے، مثلاً ایک جگہ ”حَتّٰی حِیْنٍ“ آیا ہے اس کو قریش تو ”حَتّٰی حِیْنٍ“ پڑھتے ہیں مگر قبیلۂ ھذیل کے لوگ ”عَتّٰی حِیْنٍ“ پڑھتے تھے۔“(۱)

ظاہر ہے کہ یہ دو الگ الگ زبانیں نہیں ہیں، بلکہ دونوں عربی ہی زبانیں ہیں، لب ولہجہ کا فرق ہے۔لہذا مرزا کا یہ کہنا کہ قرآن عرب کی دوسری زبانوں میں بھی نازل ہوا ہے،بل کل جھوٹ ہے۔پھر یہ دیکھئے کہ مرزا کا دعویٰ تو یہ ہے کہ اپنی زبان کے علاوہ دوسری زبان میں بھی الہام ہوسکتا ہے اور دلیل میں جو پیش کیا ہے اس سے یہ ثابت ہی نہیں ہوتا؛ بل کہ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ عربی ہی میں قرآن نازل ہوا ہے۔

تاویل سے بھی کام نہ چلا

پھر اگر علی سبیل التنزل مرزا کی یہ بات مان بھی لیں تو غور طلب بات یہ ہے کہ

(۱) فتح الباري: ۹/ ۲۸

بقول مرزا دوسری زبان میں الہام اس وقت ہوسکتا ہے کہ جب کہ دوسری زبان بھی ملہم انسان کی زبان ہوگئی ہو یعنی وہ اس زبان کو اچھی طرح سمجھتا اور بولتا ہو، گویا کہ وہ اسی کی زبان ہے؛ مگر مرزا کو انگریزی، سنسکرت اور عبرانی زبانی نہیں آتی تھیں اور ان زبانوں سے اس کو کچھ بھی واقفیت نہ تھی ——————— جیسا کہ اوپر ہم نے حوالہ درج کردیا ہے ——————— تو مرزا پر انگریزی وحی والہام کیسے ہوتا تھا؟ جب کہ خود مرزا کے بقول، یہ بات غیر معقول اور بے ہودہ ہے؟

افسوس کہ مرزا کو یہ ساری تمہید جس باطل مقصد کے لیے باندھنی پڑی، وہ مقصد پھر بھی حاصل نہ ہوا؛ کیوں کہ مرزا جو دوسری زبانوں میں الہام پاتا ہے ان میں سے اکثر جس زبان میں اس کو الہام ہوتا ہے یعنی انگریزی، وہ تو اس کو آتی ہی نہ تھی، اور اگر تھوڑی بہت آتی بھی تھی جیسا کہ ''سیرۃ المہدی'' میں بشیر احمد قادیانی بن غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے تب بھی بات نہیں بنتی؛ کیوں کہ مرزا نے صاف لکھا ہے کہ دوسری زبان ایسی ہو کہ ملہم کو خوب یاد ہو اور گویا اس کی زبان کے حکم میں ہو تو دوسری زبان میں الہام ہوسکتا ہے۔ اور یہاں مرزا کو تو بقول خود انگریزی سے کچھ بھی واقفیت نہیں اور بقول بشیر احمد دو ایک کتابیں پڑھی تھیں، تو اس صورت میں مرزا پر انگریزی میں الہام ہونا سو فی صد غلط اور جھوٹ ہے۔

عربی میں الہام ہونے کی مرزائی توجیہ

جب بعض حضرات نے مرزا جی پر یہ اعتراض کیا کہ آپ کو اپنی زبان کے بجائے عربی میں کیوں الہام ہوتا ہے؟ تو مرزا جی نے بھڑک کر اس کا جواب دیا کہ:

''بعض نادان کہتے ہیں کہ عربی میں کیوں الہام ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہی ہے کہ شاخ اپنی جڑ سے علیحدہ نہیں ہوسکتی، جس حالت

میں یہ عاجز (مرزا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنارِ عاطفت میں پرورش پاتا ہے ——— تو پھر جب معلم اپنی زبان عربی رکھتا ہے تو ایسا ہی تعلیم پانے والے کا الہام بھی عربی میں چاہیے تاکہ مناسبت ضائع نہ ہو۔"(۱)

مرزا کی اس توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ چوں کہ مرزا غلام احمد قادیانی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم پاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان عربی ہے؛ لہٰذا مرزا کو بھی عربی ہی میں الہام ہوتا ہے۔

انگریزی میں الہام کی توجیہ

مگر مرزا نے شاید اس سوال کی طرف توجہ نہ کی کہ اس کو انگریزی میں کیوں الہام ہوتا ہے؟ اوپر کی تقریر مرزا سے اتنی بات تو مفہوم ہوگئی کہ جن کی کنارِ عاطفت میں پرورش ہوتی ہے ان کی زبان میں الہام ہوتا ہے؛ لہٰذا انگریزی میں مرزا جی کو الہام اس لیے ہوتا ہے کہ مرزا جی کی پرورش انگریزوں کے کنارِ عاطفت میں ہوتی رہی ہے۔ جب معلم انگریز ہے تو شاگرد انگریزی میں الہام نہ پائے تو مناسبت ضائع ہوگی۔

اب رہی یہ بات کہ مرزا قادیانی انگریزوں کے کنارِ عاطفت اور سایۂ تربیت میں پرورش پاتا رہا، اس کی کیا دلیل ہے؟ تو یہ ایسی کھلی حقیقت ہے کہ حوالوں کی ضرورت نہیں، تاہم ناواقف حضرات کے لیے چند حوالے پیش کیے جاتے ہیں:

مرزا قادیانی نے ملکہ وکٹوریہ کی شصت سالہ جوبلی کی تقریب پر؛ ملکہ کی خدمت میں جو رسالہ "تحفۂ قیصریہ" بطورِ تحفہ پیش کیا تھا، اس کے آخر میں لکھا ہے:

---

(۱) حاشیہ اربعین: نمبر۳/۸۲، روحانی خزائن: ۱۷/۴۲۴

''میں اس (اللہ) کا شکر کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایک ایسی گورنمنٹ کے سایۂ رحمت کے نیچے جگہ دی جس کے زیرِ سایہ میں بڑی آزادی سے اپنا کام نصیحت اور وعظ کا ادا کر رہا ہوں۔ اگر چہ اس محسن گورنمنٹ کا ہر ایک پر رعایا میں سے شکر واجب ہے؛ مگر میں خیال کرتا ہوں کہ مجھ پر سب سے زیادہ واجب ہے، کیوں کہ یہ میرے اعلی مقاصد جو جناب قیصرۂ ہند کی حکومت کے سایہ کے نیچے انجام پذیر ہو رہے ہیں، ہرگز ممکن نہ تھا کہ وہ کسی اور گورنمنٹ کے زیر سایہ انجام پذیر ہو سکتے، اگر چہ وہ کوئی اسلامی گورنمنٹ ہی ہوتی —— ذرا آگے چل کر انگریز ملکہ وکٹوریہ کو دعاء دی ہے —— اے قادر وکریم! اپنے فضل وکرم سے ہماری ملکہ معظّمہ کو خوش رکھ جیسا کہ ہم اس کے سایۂ عاطفت کے نیچے خوش ہیں۔''(۱)

یہاں یہ لطیفہ بھی سننے کے لائق ہے کہ جب مرزا نے بڑی امیدوں کے ساتھ ملکہ وکٹوریہ کو یہ تحفہ پیش کیا تو اس کا کوئی جواب ملکہ کی جانب سے مرزا کو نہیں ملا، جس پر مرزا نے انتہائی اضطراب و پریشانی میں ''ستارۂ قیصریہ'' کے نام سے ایک تحریر پھر ملکہ کے نام لکھی جس میں اپنا اور اپنے باپ کا انگریزی حکومت کا وفادار ہونا پورے غلامانہ لہجے میں پیش کیا ہے اور اسی میں ایک جگہ لکھا ہے:

''اور مجھ سے سرکار انگریزی کے حق میں جو خدمت ہوئی وہ یہ تھی کہ میں نے پچاس ہزار کے قریب کتابیں اور رسائل اور اشتہارات چھپوا کر اس ملک اور نیز دوسرے بلادِ اسلامیہ میں اس مضمون کے شائع کئے کہ

(۱) تحفۂ قیصریہ: ۳۱-۳۲، روحانی خزائن: ۱۲/۲۸۳-۲۸۴

گورنمنٹ انگریزی ہم مسلمانوں کی محسن ہے؛لہذا ہر ایک مسلمان کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ اس گورنمنٹ کی سچی اطاعت کرے اور دل سے اس دولت کا شکر گزار اور دعا گو رہے۔"(۱)

اور ایک جگہ مرزا قادیانی نے لکھا ہے:

"میرا مذہب جس کو میں بار بار ظاہر کرتا ہوں یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں۔ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کریں، دوسرے اس سلطنت (انگریز) کی ،جس نے امن قائم کیا ہو جس نے ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں ہمیں پناہ دی ہو، سو وہ سلطنت حکومت برطانیہ ہے۔"(۲)

مرزا نے اپنی کتاب "حقيقة المهدی" کے آخر میں عربی وفارسی والے حصہ میں لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

"اگر برطانوی حکومت کی تلوار کا خوف نہ ہوتا تو یہ علما مجھے قتل کر دیتے؛ لیکن اللہ نے ہمیں اس حکومت محسنہ کے توسط سے بچالیا۔ہم اللہ کا اور اس حکومت کا شکر کرتے ہیں؛ جس کو اللہ نے ظالموں کے ہاتھ سے ہماری نجات کا سبب بنا دیا۔ہم اس حکومت کے شکر گذار کیوں نہ ہوں جب کہ ہم اس کے تحت امن اور فراغ البالی کے ساتھ جیتے ہیں۔"(۳)

ان عبارات میں مرزا قادیانی نے کھلے طور پر اعتراف کیا ہے کہ وہ انگریزوں کے زیر سایہ وکنارِ عاطفت میں پرورش پاتا رہا ہے۔لہذا مرزا کو انگریزی میں الہام

---

(۱) ستارۂ قيصريه: ۶ ،روحانی خزائن: ۱۱۴/۱۵
(۲) اشتہار حکومت برطانیہ کی توجہ کے لائق، مندرجہ شہادۃ القرآن: ۸۴، روحانی خزائن: ۳۸۰/۶
(۳) حقيقة المهدی: ۴۶، روحانی خزائن: ۴۷۲/۱۴

ہونے کی توجیہ یوں ہوگی کہ:

”شاخ اپنی جڑ سے علیحدہ نہیں ہوسکتی،جس حالت میں یہ عاجز (مرزا) انگریزوں کی کنارِ عاطفت میں پرورش پاتا ہے تو پھر جب معلم اپنی زبان انگریزی رکھتا ہے ایسا ہی تعلیم پانے والے کا الہام بھی انگریزی میں چاہیئے،تاکہ مناسبت ضائع نہ ہو۔“

مرزا کا انگریزی مُلہِم

اس کے بعد یہ انکشاف بھی باعث لطف ہوگا کہ مرزا کو انگریزی میں جب الہام ہوتا تو اس کو محسوس ہوتا کہ انگریز بول رہا ہے۔ چناں چہ ”براھینِ احمدیہ“ میں خود ہی لکھا ہے:

”ایک دفعہ کی حالت یاد آئی کہ انگریزی میں اول یہ الہام ہوا: ”آئی لو یو“ یعنی میں تم سے محبت رکھتا ہوں، پھر یہ الہام ہوا: ”آئی یم ود یو“ یعنی میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پھر الہام ہوا: ”اے شیل ود یو“ یعنی میں تمہارے ساتھ ہوں، پھر الہام ہوا: اے شیل ہیلپ یو“ یعنی میں تمہاری مدد کروں گا۔ پھر الہام ہوا: ”اے کین ویٹ اے ول ڈو“ یعنی میں کرسکتا ہوں جو چاہوں گا۔ پھر بعد اس کے بہت ہی زور سے جس سے بدن کانپ گیا یہ الہام ہوا: وی کین ویٹ وی ول ڈو“ یعنی ہم کرسکتے ہیں جو چاہیں گے۔ اور اس وقت ایک ایسا لہجہ اور تلفظ معلوم ہوا کہ گویا ایک انگریز ہے جو سر پر کھڑا ہوا بول رہا ہے۔“(۱)

اب اس میں کیا شک ہے کہ مرزا کا انگریزی ملہم ایک انگریز تھا؛ لہٰذا انگریزی زبان میں الہام کرتا تھا۔

(۱) براھین احمدیہ: ۴۸۰-۴۸۱،روحانی خزائن: ۱/۵۷۱-۵۷۲

الہامی فصاحت وبلاغت

ابھی آپ نے ملاحظہ کیا کہ مرزا کو محسوس ہوتا کہ کوئی انگریز بول رہا ہے؛ لب و لہجہ اور تلفظ پورا پورا انگریزی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا انگریز جب بولے گا تو نہایت فصاحت و بلاغت سے بولے گا؛ مگر چوں کہ یہ مسئلہ الہامی زبان سے متعلق ہے اس لیے مرزا کا مُلہم فصاحت و بلاغت بھی الہامی استعمال کرتا تھا جس کی کوئی نظیر نہیں۔

چناں چہ اوپر جو جملے درج کیے گئے ہیں انگریزی دان حضرات اس میں ضرور بلاغت کی چاشنی محسوس کرتے ہوں گے۔ اس سلسلے میں بلاغت سے پُر یہ جملہ بھی انگریزی داں حضرات کو ملاحظہ کر کے محظوظ ہونا چاہئے۔

مرزا اپنی کتاب براھین احمدیہ میں لکھتا ہے کہ مجھے الہام ہوا:

''دوہ آل مین شڈ بی اینگری، بٹ گوڈ از ود یو، ہی شیل ہیلپ یو، وارڈس آف گوڈ کین ناٹ ایکس چینج۔''

(یعنی اگر تمام آدمی ناراض ہوں گے؛ مگر خدا تمہارے ساتھ ہے، وہ تمہاری مدد کرے گا، خدا کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔)(۱)

واقعی یہ الہامی انگریزی ہی ہوسکتی ہے؛ کیوں کہ دنیا میں ایسی انگریزی نہیں بولی جاتی، لفظ ''exchange'' خاص طور پر قابلِ غور ہے جو دنیوی محاوروں سے قطعی الگ ہے۔

نبی افرنگ، اپنے اُمتی کا محتاج

نبی پر وحی والہام جو ہوتا ہے، اس کو نبی جتنا سمجھ سکتا ہے، کوئی دوسرا اتنا نہیں سمجھ سکتا؛ بل کہ قرآن کی رو سے نبی پر اس کی زبان میں الہام اس لیے ہوتا ہے تا کہ وہ

(۱) براھین احمدیہ: ۵۵۴، روحانی خزائن: ۱/۶۶۱

دوسروں کو سمجھا سکے مگر فرنگی نبی مرزا غلام احمد قادیانی کو چوں کہ ایسی زبانوں میں الہام ہوتا ہے جس سے کچھ بھی واقفیت نہیں ہوتی، اس لیے وحی تو اترتی ہے نبی قادیان پر اور مطلب بتاتا ہے کوئی امتی یا کوئی اور شخص۔ چناں چہ مرزا نے خود لکھا ہے:

”بہ نظر کشفی ایک خط دکھلایا گیا جس پر انگریزی میں لکھا ہوا تھا ”آئی ایم کوٗرلر“ ——— چوں کہ خاکسار (مرزا) انگریزی زبان سے کچھ واقفیت نہیں رکھتا، اس جہت سے ایک انگریزی خواں سے اس انگریزی فقرے کے معنی دریافت کے گئے تو معلوم ہوا کہ اس کے معنی ہیں کہ میں جھگڑنے والا ہوں۔“(۱)

نہ صرف اپنے امتیوں کا؛ بل کہ الہامی عبارت کا ترجمہ معلوم کرنے مرزا قادیانی کو کبھی خدا کے دشمنوں کا محتاج ہونا پڑا ہے۔ چناں چہ لکھا ہے:

”ایک دفعہ ایک طالب علم انگریزی خواں ملنے کو آیا اس کے روبرو ہی یہ الہام ہوا: ”دس از مائی اینیمی“ یعنی یہ میرا دشمن ہے۔ اگر چہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ الہام اسی کی نسبت ہے مگر اسی سے یہ معنی بھی دریافت کے گئے۔“(۲)

غرض عجیب تماشا تھا کہ وحی تو کسی پر نازل ہو اور معنی کوئی اور بتائے: مکتبِ قادیان کے انداز نرالے دیکھے۔

ایک سوال کا جواب

آخر میں ایک سوال کا جواب دینا بھی لازمی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر مرزا جی

(۱) مخلصاً از براهین احمدیه: ۴۷۲،روحانی خزائن: ۱/۵۶۳-۵۶۴

(۲) براهین احمدیه: ۴۸۱،روحانی خزائن: ۱/۵۷۲

انگریزی سے کچھ بھی واقف نہ تھے جیسا کہ خود مرزاجی کی تصریحات موجود ہیں تو ان کی زبان سے انگریزی الفاظ کیسے نکلتے تھے؟ جسے انگریزی نہ آتی ہو اس کا انگریزی جملے بولنا تو حیرت انگیز ہے؟

اس کے دو جواب ہیں: ایک یہ کہ مرزا نے جو لکھا ہے کہ میں انگریزی زبان سے کچھ بھی واقف نہیں، یہ جھوٹ ہے؛ کیوں کہ مرزا کے لڑکے بشیر احمد ایم.اے. نے اپنی کتاب ''سیرۃ المہدی'' میں تصریح کی ہے کہ مرزا نے کچھ انگریزی بھی پڑھی ہے؛ لہٰذا اگر دو چار ٹوٹے پھوٹے جملے جن کی کچھ مثالیں اور نمونے اوپر نقل کے گئے ہیں، مرزاجی بنا لیتے ہوں تو کوئی تعجب نہیں اور مرزاجی کو اس طرح کے جھوٹ بولنے میں حیرت ناک مہارت تھی ہی؛ لہٰذا کوئی قابل اشکال بات نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مرزاجی پر یہ انگریزی جملے الہام سے ہی نازل ہوتے ہیں؛ مگر یہ الہامِ ربانی سے نہیں؛ بل کہ الہامِ شیطانی سے نازل ہوتے ہیں۔ چناں چہ بہت دفعہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگوں پر شیاطین جنات سوار ہو جاتے ہیں اور ان کی زبان سے ایسی زبانوں میں بات کرتے ہیں جن سے ان لوگوں کو واقفیت نہیں ہوتی۔

میرے پاس بنگلور ہی کے ایک صاحب ایک دفعہ آئے اور کہنے لگے کہ ان کی بیوی جسے انگریزی بالکل نہیں آتی، وہ اچانک بیہوش ہوگئی اور پھر ہوش میں آ کر انگریزی میں بات کررہی ہے، میں پریشان ہوں کہ یہ کس طرح انگریزی میں کلام کر رہی ہے؟ میں نے ان کو یہی بتایا کہ یہ سب جنات کے کھیل ہیں۔اسی طرح مرزاجی کو انگریزی الہام شیطان کی طرف سے ہوتا تھا۔اور الہام کا شیطان کی طرف سے بھی ہونا جس طرح قرآن میں مذکور ہے اسی طرح خود مرزا نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔حوالہ ملاحظہ کیجیے:

''شیطانی الہامات ہونا حق ہے اور بعض ناتمام سالک لوگوں کو ہوا کرتے ہیں اور حدیث النفس بھی ہوتی ہے جس کو ''اضغاث احلام'' کہتے ہیں اور جو شخص اس سے انکار کرے وہ قرآن شریف کی مخالفت کرتا ہے؛ کیوں کہ قرآن شریف کے بیان سے شیطانی الہام ثابت ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تک انسان کا تزکیۂ نفس پورے اور کامل طور پر نہ ہو تب تک اس کو شیطانی الہام ہو سکتا ہے۔''(۱)

مرزا صاحب نے اپنی مشہور کتاب ''ازالۂ اوہام'' میں لکھا ہے:

''الہام رحمانی بھی ہوتا ہے اور شیطانی بھی اور جب انسان اپنے نفس اور خیال کو دخل دے کر کسی بات کے استکشاف کے لیے بطور استخارہ واستخبارہ وغیرہ کے توجہ کرتا ہے، خاص کر اس حالت میں کہ جب اس کے دل میں یہ تمنا مخفی ہوتی ہے کہ میری مرضی کے موافق کسی کی نسبت کوئی برا یا بھلا کلمہ بطور الہام مجھے معلوم ہو جائے تو شیطان اس وقت اس کی آرزو میں دخل دیتا ہے اور کوئی کلمہ اس کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے اور دراصل یہ شیطانی کلمہ ہوتا ہے۔(۲)

معلوم ہوا کہ ناقص لوگوں کو شیطانی الہامات ہوتے ہیں، لہٰذا ہو سکتا ہے کہ مرزا جی کو شیطانی الہام ہوتا ہو، اور جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، شیطان وجن دوسری زبانوں میں بھی الہام کرتے اور اس کو زبان پر جاری کر دیتے ہیں۔واللہ اعلم

(۱) ضرورۃ الامام: ۱۴،روحانی خزائن: ۱۳/۴۸۳-۴۸۴

(۲) ازالۂ اوہام خورد:۲/ ۶۲۸ ،روحانی خزائن: ۳/ ۴۳۹

جنرل ضیاء الحق رحمہ اللہ کی موت اور قادیانی مباہلہ

جنرل ضیاء الحق رحمہ اللہ کی موت پر قادیانیوں کی طرف سے جو یہ پروپیگنڈا کیا جارہا ہے کہ یہ امام جماعت احمدیہ کے چیلنج مباہلہ کا نتیجہ ہے، جس میں مخالفین کو بددعا اور لعنت کے ساتھ یاد کیا گیا ہے، یہ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی لکھا ہے، محض دھوکہ اور فریب ہے؛ کیوں کہ اس میں ہم وہ باتیں نہیں پاتے، جن کو دیکھ کر یہ کہا جائے کہ یہ واقعہ اس مباہلہ کے نتیجہ میں واقع ہوا ہے، اس کے لیے ذیل کے نکات پر غور کرنا کافی ہوگا:

(ا) مباہلہ کے لیے ضروری ہے کہ فریق مخالف اس کو قبول کرے، کیوں کہ یہ معاملہ طرفین سے ہوتا ہے، جیسا کہ خود بانیٔ قادیانیت مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے:

> ''مباہلہ کے معنی لغت عرب کی رو سے اور نیز شرعی اصطلاح کی رو سے یہ ہیں کہ دو فریق مخالف ایک دوسرے کے لیے عذاب اور خدا کی لعنت چاہیں۔''(ا)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مباہلہ اسی وقت ہوگا جب کہ دو فریق مخالف ایک دوسرے پر بددعا کریں، ورنہ وہ مباہلہ نہیں ہے۔ اب اس پر غور کیجئے کہ کیا جنرل ضیاء

(ا) حاشیہ اربعین: نمبر۲/۳۵، روحانی خزائن: ۱۷/ ۳۷۷

الحق رحمہ اللہ نے قادیانی مباہلہ کو قبول بھی کیا اور فریق مخالف پر بددعا کی، لعنت وعذاب چاہا، ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہے؛ کیوں کہ کسی بھی معتبر ذریعے سے اس بات کا ثبوت نہیں ہوا کہ جنرل ضیاء الحق نے ان قادیانی ہفوات کی طرف کبھی التفات کیا یا اس کو قبول کر کے انھوں نے بھی لعنت وعذاب کی دعا کی ہو۔ لہٰذا جنرل ضیاء الحق کا مرنا اور ہوائی حادثہ کا شکار ہو جانا، اس بات کا ثبوت نہیں ہوسکتا کہ ان پر قہرِ الٰہی نازل ہوا؛ کیوں کہ شرطِ مباہلہ پوری نہ ہوئی بلکہ خود مباہلہ ہی منعقد نہیں ہوا، تو اس کا نتیجہ اس واقعہ کو کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟

(۲) ہفت روزہ اخبار بدر ۲۸/ جولائی ۱۹۸۸ء میں امیر جماعت قادیانیہ کی طرف سے جو مباہلہ کا چیلنج شائع ہوا ہے اس میں دراصل دو مباہلے ہیں: ایک مباہلہ کا تعلق بانی جماعت مرزا غلام احمد قادیانی سے ہے اور دوسرے کا قادیانی جماعت سے ہے۔ دونوں مباہلوں میں ایسے الفاظ ہیں، جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان مباہلوں میں دوسرے مخالف گروہ یا شخص کا شریکِ مباہلہ ہونا ضروری ہے، مثلاً پہلے مباہلہ میں غلام احمد قادیانی کے الفاظ "**حقيقة الوحی**" کے حوالہ سے درج ہیں، اس میں ہے:

> "ہر ایک جو مجھے کذاب سمجھتا ہے —— خواہ وہ مسلمان ہو یا ہندو یا آریہ یا کسی اور مذہب کا پابند ہو، اس کو بہ ہر حال اختیار ہے کہ اپنے طور پر مجھے مقابل پر رکھ کر تحریری مباہلہ شائع کرے الخ۔"(۱)

اس میں مرزا غلام احمد نے زبانی مباہلہ بھی کافی قرار نہیں دیا ہے بل کہ تحریری ہونے کی شرط لگائی ہے۔ اگر جنرل ضیاء رحمہ اللہ زبانی مباہلہ کر بھی لیتے تو جب تک زبانی کے ساتھ تحریری بھی نہ کر لیتے، اس کو کافی قرار نہ دیا جاسکتا اور اس کو مباہلہ

(۱) بدر: ۲۸/ جولائی ۱۹۸۸ء

میں شریک نہ کہا جا سکتا، اس لیے جنرل ضیاء رحمہ اللہ کی موت اس پہلے مباہلہ کا نتیجہ نہیں ہو سکتی۔

اور دوسرے مباہلے میں امیر جماعت کہتے ہیں:

''اگر کوئی شخص ـــــ اپنے معاندانہ موقف پر قائم رہے ـــ تو ایسا شخص خواہ حکومت پاکستان سے تعلق رکھتا ہو یا کسی اور حکومت سے، رابطۂ عالم اسلامی سے تعلق رکھتا ہو، یا علما کے کسی گروہ سے ـــــ میرے چیلنج کو قبول کرے اور حسب ذیل دعا میں میرے ساتھ شریک ہو، اور اپنے اہل وعیال، اپنے مردوں اور عورتوں اور ان تمام متبعین کو بھی اپنے ساتھ شریک کرے، جو اس کی ہمنوائی کا دم بھرتے ہیں اور فریقِ ثانی بن کر اس چیلنج پر دستخط کرے، اور اس کا اعلان عام کرے اور پھر ہر ممکنہ ذریعہ سے اس کی تشہیر کرے۔''(۱)

اہل عقل وانصاف غور فرمائیں کہ اس مباہلہ میں کتنی شرطیں ہیں، چیلنج کا قبول کرنا، اپنے اہل وعیال و متبعین کو شریک کرنا، اس چیلنج پر دستخط کرنا، اس کا عام اعلان کرنا، پھر اس کی ہر ممکنہ ذریعہ سے تشہیر کرنا۔ کیا یہ سب شرائط جنرل ضیاء رحمہ اللہ کی طرف سے پورے ہوئے ہیں؟ کسی ایک اخبار یا ریڈیو، یا ٹیلی ویژن یا پمفلٹ، یا کسی اور ذریعہ سے اس کی تشہیر اور اس کے قبول کرنے کا اعلان ہوا ہے؟ ہرگز نہیں، پھر ان کی موت کو چیلنج مذکور کا نتیجہ قرار دینا کیا عقل وانصاف کا تقاضا ہو سکتا ہے؟ یا یہ کہ اس کو فریب دہی اور بددیانتی سے تعبیر کرنا چاہئے؟

اس موقع پر ایک بات عرض کر دینا مناسب ہے، وہ یہ کہ جب گزشتہ دنوں میں نے ہفت روزہ ''عروج ہند'' میں ''جنرل ضیاء کی موت پر قادیانیوں کا غلط پروپکنڈہ''

(۱) بدر: ٦

کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا تو قادیانیوں کی طرف سے اس کے خلاف خطوط موصول ہوئے، ان میں سے ایک خط میں ایک صاحب نے لکھا ہے:

''امام جماعت احمدیہ نے یکم جولائی ۸۸ء کے خطبۂ جمعہ میں بڑے صاف الفاظ میں جنرل ضیاء الحق کا نام لے کر کہا تھا:

''جنرل ضیاء رحمہ اللہ مباہلہ کے اس چیلنج کو قبول کریں یا نہ کریں، اگر وہ اپنے ظلم وستم سے باز نہ آئے تو یہی بات ان کی طرف سے مباہلہ کے چیلنج کو قبول کرنے کے مترادف ہوگی۔''

ان صاحب کا مقصود اس سے ہمارے اس قول کا جواب دینا ہے کہ جنرل ضیاء رحمہ اللہ نے چیلنج کو قبول نہیں کیا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ امیر جماعت کے بقول جنرل ضیاء رحمہ اللہ چوں کہ ظلم سے باز نہیں آئے، لہٰذا وہ چیلنج کو قبول کرنے والے ہیں، مگر یہ بات بھی غلط ہے؛ کیوں کہ مکتوب نگار کے بقول یہ بیان یکم جولائی ۱۹۸۸ء کا ہے اور اخبار بدر؛ جس سے ہم نے اوپر اقتباس لیا ہے، یہ ۲۸/ جولائی ۱۹۸۸ء کا ہے، تو اس بات کو ۲۸/ جولائی کے اخبار میں کیوں درج نہیں کیا گیا؟ جب کہ خطبہ زماں، مکان اور مخاطبین کے لحاظ سے محدود ہے اور اخبار ہر اعتبار سے اس سے زیادہ وسیع، تو یہ بات ضرور اخبار میں بھی ہونی چاہئے تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات اگر واقعی خطبہ میں کہی گئی تھی، تو محض جوش خطابت کا نتیجہ تھی، ورنہ اخبار میں جس میں خاص چیلنج ہی کے لیے کئی صفحات سیاہ کئے گئے تھے، کیوں درج نہ کیا جاتا۔ یہاں یہ واضح رہے کہ بدر میں شائع شدہ یہ تحریر ۱۰/ جون کی ہے مگر پھر بھی عرض یہ ہے کہ اس اہم نکتہ کو اس تحریر میں کیوں داخل نہیں کیا گیا جو ۲۸/ جولائی کو چھپ رہی ہے؟

دوسرے غور کرنے کی بات یہ بھی ہے کہ اگر اتنا ہی کہہ دینے سے مباہلہ ہو جاتا ہے، تو پھر قادیانیوں کو بڑا اچھا موقع ہے کہ ان کے چیلنج کو کوئی قبول کرے یا نہ کرے،

یہ کہہ کر وہ چیلنج دیدیں کہ جو قادیانی نہ بن جائے یا اس کے خلاف کہنے سے باز نہ آئے، وہ سب لوگ قادیانی چیلنج کو قبول کرنے والوں کے مترادف ہیں، اس طرح ان کے زعم کے مطابق مباہلہ منعقد ہو جائے گا اور سارے مخالفین قہر الٰہی کا شکار ہو جائیں گے، اور چند دنوں (اندروں سال) سوائے قادیانیوں کے کوئی نہ بچے گا! لہٰذا قادیانی لوگ ان ظلم وستم کرنے والوں سے نجات پا کر روئے زمین پر سکھ سے زندگی گذار سکیں گے، لہٰذا ان لوگوں کو بڑا اچھا موقع ہے، غور کرلیں اور فائدہ اٹھالیں۔

اہل عقل وانصاف سمجھ سکتے ہیں کہ ان لوگوں کی یہ تاویل کہاں تک صحیح ہوسکتی ہے، اور اس تاویل سے ہم نے جو لکھا ہے وہ نتیجہ نکالنا صحیح ہے یا نہیں؟ حاصل یہ ہے کہ مذکورہ بالا شرائط نہ پائے جانے کی بناء پر قادیانی مباہلہ جنرل ضیاء رحمہ اللہ سے منعقد نہ ہوا، لہٰذا ان کی موت کو اپنی صداقت کا نشان قرار دینا غلط اور باطل ہے۔

(۳) مباہلہ کی دعا میں کہا گیا ہے:

”اے خدا تیرے نزدیک ہم میں سے جو فریق جھوٹا اور مفتری ہے، اس پر ایک سال کے اندر اندر اپنا غضب نازل فرما .... اور اس طور پر ان کو اپنے عذاب کی چکی میں پیس اور مصیبتوں پر مصیبتیں ان پر نازل کر اور بلاؤں پر بلائیں ڈال کہ دنیا خوب اچھی طرح دیکھ لے کہ ان آفات میں بندے کی شرارت اور دشمنی اور بغض کا دخل نہیں، بلکہ محض خدا کی غیرت اور قدرت کا ہاتھ یہ سب عجائب کام دکھلا رہا ہے۔“(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جھوٹے اور مفتری فریق کا ایسے طور پر مرنا اور ہلاک ہونا،

(۱) بدر: ۲۸/ جولائی ۱۹۸۸ء

یا مصیبت میں گرفتار ہونا ضروری ہے جو خوب اچھی طرح بتادے کہ یہ صرف اللہ کی طرف سے قہر وعذاب ہے، اور بندے کا ہاتھ اس میں نہیں ہے اور کسی سازش کا نتیجہ نہیں ہے۔ اب اس پر جنرل ضیاء رحمہ اللہ کی موت کو پرکھو اور دیکھو کہ کیا واقعی ان کی موت وہلاکت ایسی ہی ہے؟ ظاہر ہے کہ ان کی موت کا معاملہ ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے، کیوں کہ ہوائی حادثوں کا اس طرح پیش آنا آج کل ایک عام سی بات ہوگئی ہے، جس سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ یہ قہرِ الٰہی کا نتیجہ ہے، پھر اس طرح کے واقعات میں انسانی ہاتھوں کی شرارت، بغض وعداوت اور دشمنی کا ہونا بھی عین ممکن ہے اور ایسے واقعات سازشوں کے نتیجہ میں کئی بار پہلے ہو چکے ہیں، اور خود جنرل ضیاء رحمہ اللہ کی جس واقعہ میں موت ہوئی، اس کے بارے میں مختلف قسم کی تحقیقات صاف بتا رہی ہیں کہ یہ بھی کسی سازش کا نتیجہ ہے، جیسا کہ اخبارات سے دلچسپی رکھنے والوں پر یہ مخفی نہیں۔ غرض یہ کہ یہ واقعہ کوئی ایسا نہیں ہے، جس کو مباہلہ کی دعا کا نتیجہ کہہ سکیں؛ کیوں کہ اس پر یہ منطبق نہیں ہوتا اور ایسے واقعات ممکن ہے کسی کے لیے قہرِ الٰہی ہوں؛ مگر بہت سے لوگوں کے لیے اس میں درجات کی بلندی حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

(۴) اب تک ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ ان حضرات کی خاطر ہے، جو مسلمان ہیں اور اس سلسلے میں سوالات کرتے ہیں، مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں قادیانی پروپکنڈہ کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

اس کے بعد ہم بطور الزامی جواب قادیانی حضرات سے ایک بات عرض کرنا چاہتے ہیں، یہ بات اگرچہ میری گزشتہ تحریر میں بھی آچکی ہے؛ لیکن یہاں اس کو ذرا وضاحت سے لکھنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ جب مرزا غلام احمد قادیانی نے مولانا ابوالوفاء

ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ سے آخری فیصلہ کیا تھا،جس کو خود قادیانی لوگ مباہلہ قرار دیتے ہیں۔(۱)

تو کیا صورت پیش آئی؟ اس کو مختصر طور پر ملاحظہ فرمالیں کہ غلام احمد قادیانی نے مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ کو ایک خط لکھ کر (بقول مرزائیوں کے مباہلہ کی) دعوت دی اور اس میں یہ دعا کی:

''میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک بصیر وقدیر جو علیم وخبیر ہے، جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے۔اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افتراء ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افترا کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک! میں عاجزی سے تیری جناب میں دعاء کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے۔آمین، مگر اے میرے کامل اور صادق خدا! اگر مولوی ثناء اللہ رحمہ اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے، حق پر نہیں ہے تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی ان کو نابود کر، مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون وہیضہ وغیرہ مہلک امراض سے، بجز اس صورت کے کہ وہ کھلے کھلے طور پر میرے روبرو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے۔''(۲)

---

(۱) دیکھو مرزائی پاکٹ بک:۶۱۸ ومجدد اعظم از ڈاکٹر بشارت احمد:۲/۱۱۳۳-۱۱۶۳

(۲) مجموعۂ اشتہارات:۳/۵۷۹

اس اشتہار کے بعد مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کی حیات ہی میں مرزا غلام احمد نے ۲۶/مئی ۱۹۰۸ء میں انتقال کیا اور مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ اس کے بعد بھی برسہا برس زندہ رہے۔

جب اس پر مرزائیوں سے سوال کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کی دعا کے بعد مرزا صاحب پہلے کیوں کر مر گئے ؟ کیا یہ اسی دعا کا نتیجہ نہیں ہے، جس میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ کی زندگی میں مجھے موت دے؟ تو اس کا جواب مرزائیوں کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ یہ دراصل مباہلہ تھا اور مباہلہ میں چوں کہ فریق مخالف کا قبول کرنا ضروری ہے اور مولانا ثناء اللہ صاحب نے اس کو قبول نہیں کیا تھا، اس لیے یہ مباہلہ نہ منعقد ہوا اور نہ یہ موت اس کا نتیجہ ہے۔

چنانچہ ڈاکٹر بشارت احمد نے ''مجدد اعظم'' جلد دوم میں (ص:۱۱۳۳ تا ۱۱۶۳) اس کی تفصیل لکھی ہے، اس کے چند جملے نقل کرتا ہوں، وہ کہتے ہیں:

> ''غرض کہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ حضرت اقدس مرزا (غلام احمد) صاحب نے ۵/اپریل ۱۹۰۷ء والے اشتہار میں جھوٹے کے سچے کی زندگی میں مرنے کی دعا برنگ مباہلہ کی تھی جس سے مولوی ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ نے کھلے الفاظ میں گریز اختیار کیا اور اس طرح یہ مباہلہ نہ ہوا۔''(۱)

اسی طرح مرزائی امت کے لاہوری پیغامی فرقے کے سرگروہ مولوی محمد علی لاہوری نے اپنے رسالہ ''آیت اللہ'' میں تحریر کیا ہے کہ:

> ''مرزا صاحب نے کہا کہ میں نے دعا کے طور پر خدا سے فیصلہ چاہا ہے، اب یہ ظاہر ہے کہ دعا کے ذریعہ جو فیصلہ چاہا جاتا ہے وہ صرف

(۱) مجدد اعظم: ۲/۱۱۶۳

مباہلہ کے رنگ میں ہی ہوتا ہے۔مولوی ثناءاللہ صاحب سے یہ مطالبہ
کہ وہ بھی مقابلہ پر کچھ کرے، بتاتا ہے کہ آپ اس کی طرف سے ایسی
ہی دعا کے منتظر ہیں۔"(۱)

الغرض ان قادیانی لوگوں کے بیانات سے خود ثابت ہے کہ مباہلہ طرفین سے ہوتا ہے اور اس وقت جب فریقِ مخالف بھی مباہلہ کو قبول کرے۔اب ہمارا سوال یہ ہے کہ مباہلہ کے لیے اگر یہ کافی ہے کہ چیلنج شائع کر دیا جائے،تو پھر خدانخواستہ ایسا تو نہیں کہ مرزا صاحب کا چیلنج مباہلہ بھی منعقد ہوکر،ان کی موت بھی اسی کا نتیجہ ہو؟

اگر نہیں تو پھر بھلا یہ کیسے درست ہوسکتا ہے کہ آج قادیانی لوگ مباہلہ کا چیلنج دیں اور فریقِ مخالف کے قبول کیے بغیر ہی اس کو منعقد بھی مان لیں اور جنرل ضیاءؒ کی موت کو اس کا نتیجہ قرار دیں؟اس سے معلوم ہوا کہ خود قادیانیوں کے اصول پر بھی اس موت کو چیلنج مباہلہ کا نتیجہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

یہ چند باتیں اہل عقل وانصاف کے لیے بالکل کافی ووافی ہیں، ان میں غور کرنے کے بعد ہر عقل مند یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ جنرل ضیاءؒ کی موت اس چیلنج کا نتیجہ ہے یا نہیں؟ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہِ حق دکھائے اور اس پر چلنے کی توفیق دے اور باطل سے بچائے رکھے۔آمین

محمد شعیب اللہ خان

شائع شدہ:

روزنامہ سالار بابت:۵/محرم الحرام ۱۴۲۰ھ،مطابق:۲۲/اپریل ۱۹۹۹ء

روزنامہ پاسبان بابت:۳/محرم ۱۴۲۰ھ مطابق:۲۰/اپریل ۱۹۹۹ء

---

(۱) آیۃ اللہ :۱۹-۲۰بحوالہ آفۃ اللہ مندرجہ فاتح قادیان: ٦٦

ایک قادیانی وسوسہ کا ازالہ

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں میں بیسوں نہیں سینکڑوں مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہےاوراس اختلاف کے نتیجہ میں متعدد فرقے بھی وجود میں آئے ہوئے ہیں : دیوبندی، بریلوی، تبلیغی، جماعت اسلامی، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، اہل حدیث وغیرہ، ان میں سے بعض فروعی مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ جیسے ائمہ اربعہ کا اختلاف ،اور بعض ایسے ہیں، جن کا آپسی اختلاف اصولی مسائل میں ہے،مگراس کے باوجودان تمام فرقوں میں قدرمشترک یہ ہے کہ سب کے سب اسلام کے پیرو ہیں اوراسلام ہی کواپنا مذہب و دین مانتے ہیں اورجس طرح اللہ کی وحدانیت، نبیوں کی نبوت ورسولوں کی رسالت، قرآن کے کلام اللہ ہونے اور حضرات ملائکہ کے وجود، آخرت وغیرہ بنیادی عقائدکوسب کے سب یکساں طور پر مانتے ہیں۔اسی طرح حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کوآخری نبی ورسول مانتے ہیں کہ آپ کے بعدکسی کوشرف نبوت ورسالت عطانہیں کیاجائے گا،اورکوئی شخص آپ کے بعد نبی بنا کرنہیں بھیجا جائے گااور پچھلے نبیوں میں سے کوئی نبی (جیسے حضرت مسیح علیہ السلام) تشریف لائیں گے،تووہ اب بحیثیت نبی نہیں آئیں گے، کیوں کہ آپ کی نبوت توحضوررسالت مآب ﷺ سے پہلے تھی

اورآپ کا دورِ نبوت، حضور علیہ السلام کی نبوت پر ختم ہو گیا۔غرض صد ہا اختلافات کے باوجود تمام اسلامی فرقے اس پر متفق ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اوراسی معنی کرآپ کو قرآن کریم میں خاتم النبیین فرمایا گیا ہے۔

مگرقادیانی فرقہ تمام اہل اسلام کے خلاف، یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نبی آسکتے ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی (نعوذ باللہ) خداتعالیٰ کا نبی تھا اور یہ قادیانی لوگ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کو ماننا ایسا ہی ضروری ولازمی قرار دیتے ہیں، جیسے مسلمان بننے کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننا لازم ہے اورطرفہ تماشا یہ کہ یہ فرقہ اس کے باوجود لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بھی کہتا ہے اوراس کا من گھڑت معنی ومطلب یہ بیان کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ''نبیوں کو مہر لگا کر بھیجنے والے'' ہیں، یعنی ''خاتم'' کے جو معنی تمام صحابہ، تمام اسلاف، تمام علما وفقہا اور پوری امت نے سمجھے کہ حضور ''نبیوں کے سلسلہ کو ختم کردینے والے'' ہیں یہ معنی قادیانی فرقہ اور اس فرقہ کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی کے نزدیک غلط اور گمراہ کن ہیں اوراس کے من گھڑت معنی کہ ''نبیوں کو مہر لگانے والے'' یہ صحیح ہیں، لہٰذا اس فرقہ کے نزدیک حضور علیہ السلام کے بعد نبی آسکتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ پوری اُمت اپنے ہزار ہا اختلافات کے باوجود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دل وجان سے اپنا نبی مانتی ہے اورآپ کے برابر وہ کسی کو نہیں سمجھتی، گویا تمام اسلامی فرقے حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ''پرچم نبوت'' کے سایہ میں کھڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں؛ مگر یہ قادیانی فرقہ، قادیان کے ایک شخص ''مرزا غلام احمد'' کی جھوٹی نبوت کے پرچم تلے نظر آتا ہے۔ ساری امت کو

آقائے نامدار سرور عالم سید الکائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہونے پر فخر وناز ہے تو اس قادیانی فرقہ کو ''مرزا قادیانی'' کی امت ہونے پر ناز ہے۔

اور اسی پر بس نہیں؛ بل کہ مرزا قادیانی اور اس کے ماننے والے، تمام دنیا کے مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں؛ کیوں کہ مسلمان ''مرزا غلام احمد'' کو (جیسا کہ آگے حوالے آرہے ہیں) نبی نہیں مانتے۔

اس تمہید کے بعد میں اہل اسلام کو ایک خاص بات کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ قادیانی فرقہ کی طرف سے شائع کردہ دو پمفلٹ اس وقت ہمارے سامنے ہیں، جن میں اہل اسلام کے آپسی اختلاف کا ذکر کر کے، عوام اہل اسلام کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ ''مرزا غلام احمد'' کی اس جماعت میں داخل ہوکر دین کی خدمت کریں۔ ہوسکتا ہے کہ قادیانیوں کی اس گمراہ کن تحریر سے کسی سادہ لوح مسلمان کو دھوکہ لگے اور وہ ان کے دام تزویر کا شکار ہو، لہذا اس سلسلہ میں چند وضاحتیں پیش کی جارہی ہیں، ان پر غور وفکر ان شاء اللہ قادیانیوں کی مکاری و چالبازی کا پردہ چاک کردیگا اور ان کے وسوسے کا ازالہ کردیگا:

(۱) قادیانی پمفلٹوں میں دیوبندی و بریلوی اختلاف کو پیش کر کے عوام کو ابھارا گیا ہے کہ وہ قادیانی بن جائیں تا کہ ان اختلافات سے نجات حاصل ہو۔ یہ قادیانیت کی دعوت بالکل ایسی ہے جیسے کوئی ہندو یا عیسائی اہل اسلام اور قادیانیوں کے اختلاف کو دیکھ کر یہ کہے کہ مسلمان قادیانیوں کو کافر کہتے ہیں اور قادیانی مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں، لہٰذا تم سب مل کر ہندو ہوجاؤ یا عیسائی بن جاؤ۔ کیا یہ بات معقول ہے اور کیا یہ اہل اسلام اور قادیانیوں کے اختلاف کا حل ہے؟ ہرگز نہیں؛ بل کہ صحیح یہ ہے کہ دونوں کے دلائل کو دیکھا جائے، بات کے وزن کو معلوم

کیا جائے اور جو حق پر مبنی ہو، اس کو قبول کیا جائے ،لہٰذا قادیانیوں کی یہ دعوت، ہندو اور عیسائیوں کی دعوت کی طرح ہے جو نہایت ہی غیر معقول ہے۔

(۲) دیوبندی اور بریلوی ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں، تو ان کی مثال اس خانوادے کی سی ہے، جس کے افراد ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہے ہوں؛ مگر باہر کے کسی فرد کو ان کے خاندانی جھگڑے میں دخل اندازی کا کیا حق ہے؟ اور ان کو اپنے خانوادے سے دستبردار ہو جانے کی دعوت کونسی عقل کا تقاضا ہے؟ اسی طرح دیوبندی و بریلوی دونوں پرچم محمدی کے سایہ میں کھڑے ہوئے ہیں اور ایک نبی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی روحانی اولاد ہیں، یہ اگر لڑتے ہیں ، جھگڑتے ہیں تو کسی قادیانی کو اس میں دخل اندازی کا کیا حق ہے؟ اور ان دونوں کو ’’پرچم محمدی‘‘ سے نکل کر ’’قادیانی پرچم‘‘ کے تحت آنے کی دعوت کس عقل کی بنیاد پر دیتا ہے؟

(۳) یہ معلوم ہونا چاہئے کہ دیوبندی علما نے بریلوی لوگوں کو کافر ہرگز قرار نہیں دیا، البتہ ان کی طرف سے علما دیوبند پر کفر کا فتویٰ برابر دیا جاتا رہا ہے۔ پس علما دیوبند نے ان کے اعتراضات کا جواب دیا ہے اور خود راقم الحروف نے بھی بریلویوں پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا؛ بل کہ ان کے اعتراضات کی حقیقت کو واضح کیا ہے۔ لہٰذا قادیانی پمفلٹ میں جو لکھا گیا ہے کہ ’’ایک دوسرے پر کفر ثابت کرنے اشتہار بازی کا بازار گرم کر رہے ہیں‘‘ یہ غلط اور گمراہ کن بات ہے؛ کیوں کہ صرف ایک طرف سے کفر کا فتویٰ لگایا گیا ہے نہ کہ دونوں طرف سے، اور یہ ظاہر ہے کہ کسی کے اعتراض کا جواب دینا کوئی جرم نہیں۔

(۴) قادیانی پمفلٹ میں قادیانیوں کو ایسا پیش کیا گیا ہے کہ وہ کسی کو کافر نہیں کہتے ؛بل کہ سب کے ساتھ اتحاد و اتفاق کی راہ نکالتے ہیں۔ یہ بات معقول ہے یا

غیر معقول،اس سے قطع نظر یہ معلوم ہونا چاہئے کہ قادیانی لوگ اوران کا نبی مرزاغلام احمد قادنی،تمام مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں اور جہنمی قرادیتے ہیں اوران کے پیچھے نماز کوحرام بتاتے ہیں۔چند حوالے ملاحظہ ہوں:

(۱)مرزانے لکھا ہے:

’’مجھے الہام ہوا جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا وہ خدااور رسول کی نافرمانی کرنے والا ہے،جہنمی ہے۔‘‘(۱)

(۲)’’تحفۃ الندوۃ‘‘ میں مرزانے لکھا ہے:

’’اور ہرایک جس کو میری تبلیغ پہنچ گئی ہے،گووہ مسلمان ہے،مگر مجھے اپنا حکم نہیں ٹھہراتا اور نہ مجھے مسیح موعود مانتا ہے اورنہ میری وحی کو خدا کی طرف سے جانتا ہے وہ آسمان پر قابلِ مواخذہ ہے۔‘‘(۲)

(۳)مرزا قادیانی نے ’’حقیقۃ الوحی‘‘ میں لکھا ہے:

’’علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا ورسول کو بھی نہیں مانتا؛ کیونکہ میری نسبت خداورسول کی پیشگوئی موجود ہے..........................

......اب جو شخص خدا ورسول کے بیان کونہیں مانتا اورقرآن کی تکذیب کرتا ہے اور عمداً خداتعالی کے نشانوں کورد کرتا ہے اور مجھ کو باوجود صدہا نشانوں کے مفتری ٹھیراتا ہے تووہ مؤمن کیونکر ہوسکتا ہے؟‘‘(۳)

(۳)مرزا قادیانی کے لڑکے مرزابشیرالدین محمود احمد خلیفہ ثانی نے کہا ہے:

---

(۱) اشتہار معیارالاخیار،مجموعۂ اشتہارات : ۳/ ۲۷۵

(۲) تحفۃ الندوۃ: ۴،روحانی خزائن: ۱۹/ ۹۵

(۳) حقیقۃ الوحی: ۱۶۴،روحانی خزائن: ۲۲/ ۱۶۸

''حضرت مسیح موعود (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی) نے سختی سے تاکید فرمائی ہے کہ کسی احمدی (قادیانی) کو غیر احمدی (مسلمان) کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے'' .... نیز لکھا کہ ....''ہمارا فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں (مسلمانوں) کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔''(۱)

(۵) مرزا بشیر الدین خلیفہ ثانی نے مزید لکھا ہے:

''لکھنو میں ہم ایک آدمی سے ملے، جو بڑا عالم ہے، اس نے کہا کہ آپ لوگوں کے بڑے دشمن ہیں جو یہ مشہور کرتے پھرتے ہیں کہ آپ ہم لوگوں (مسلمانوں) کو کافر کہتے ہیں، میں نہیں مانتا کہ آپ ایسے وسیع حوصلہ رکھنے والے ایسا کہتے ہوں ۔ اس سے شیخ یعقوب علی صاحب باتیں کر رہے تھے، میں نے ان کو کہا کہ آپ کہہ دیں کہ واقعہ میں ہم آپ لوگوں (مسلمانوں) کو کافر کہتے ہیں۔''(۲)

ان چند حوالوں سے صاف معلوم ہو گیا کہ قادیانی لوگ اور ان کے نبی و امام سب کے سب تمام اہلِ اسلام کو کافر کہتے ہیں اور جہنمی قرار دیتے ہیں، پھر ان قادیانیوں کو کیا منہ ہے کہ علماء اسلام کے آپسی اختلاف پر رائے زنی کریں اور اپنے آپ کو عوام کے سامنے معصوم بنا کر اتحاد و اتفاق کی دعوت دیں؟ اور پوری ڈھٹائی کے ساتھ بے شرمی کا مظاہرہ کریں۔

(۵) یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ خود قادیانی فرقہ میں بھی پارٹی بندی ہے اور وہ بھی ایک دوسرے کے خلاف کفر سازی و کفر بازی میں ملوث ہیں؛ ایک فرقہ

(۱) انوار خلافت: ۸۹-۹۰

(۲) انوار خلافت: ۹۲

''قادیانی جماعت'' کہلاتا ہے اور دوسرا ''لاہوری جماعت'' یا ''پیغامی جماعت'' سے موسوم ہے، قادیانی جماعت، مرزاغلام احمد قادیانی کو نبی مانتی ہے اور مرزا کو نبی نہ ماننے والوں کو کافر کہتی ہے۔اس کے برعکس لاہوری جماعت، مرزا کو صرف مجدد، محدَّث وغیرہ مانتی ہے؛ مگر نبی نہیں مانتی۔ اوران دونوں قادیانی فرقوں میں اتنا شدید اختلاف ہے کہ ایک دوسرے پر کفر وضلالت اور فسق و بددیانتی کے فتوے صادر کرتے ہیں۔ لیجئے چند حوالے حاضر ہیں، پہلے قادیانی جماعت کا لاہوری جماعت کے خلاف رونا سنئے:

(الف) احمدیوں کی قادیانی جماعت کے امیر و سربراہ خلیفۂ قادیان مرزا بشیرالدین محمود احمد کا بیان اخبار ''الفضل''، قادیان، مؤرخہ: ۳/مئی/۱۹۳۴ء، میں چھپا ہے:

''اب غیرمبایعین (یعنی لاہوری جماعت والوں) کی حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ جب انہوں نے اپنا جلسہ راولپنڈی میں کیا،تو ان کے مقررین نے سارازور اس بات پر صرف کیا کہ ہم (لاہوری جماعت) مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتے اور جوان کو نبی کہے، اس کو کاذب اور ملحد اور کافر جانتے ہیں۔''(۱)

(ب) اخبار ''الفضل'' قادیان، مؤخہ: ۲۷/اپریل ۱۹۲۲ء میں ہے:

''غیرمبایعین (یعنی لاہوری جماعت والوں) کے سرکردہ اصحاب نے خلافت ثانیہ کے انکار اوراس کے اختلاف کی جو وجوہات پیش کیں اور جن پر بڑا زور دیا، وہ نبوتِ مسیح موعود اور مسئلۂ کفر واسلام

(۱) بہ حوالہ قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ:۹۲۴

ہے۔ان ہی مسائل کو بنیاد قرار دے کر انھوں نے مخالفت کی عمارت کھڑی کی اور اسے اس قدر بلند کیا کہ جس کی کوئی حد نہیں۔کوئی سخت سے سخت لفظ نہیں جو انھوں نے ہم قائلین نبوتِ مسیح کے متعلق استعمال نہیں کیا اور کوئی خطرناک سے خطرناک فتویٰ نہیں جو ہم پر انھوں نے نہیں لگایا۔اسلام کو تباہ و برباد کرنے والے ہمیں کہا گیا۔اسلام میں تفرقہ اور اشتعال پیدا کرنے والے ہمیں قرار دیا گیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرنے کا الزام ہمارے سر تھوپا گیا۔حضرت مسیح موعود کے متعلق غلو کرنے کا فتویٰ لگا کر ''ضالین''ہم کو بنایا گیا اور سب سے بڑا فتنہ ہمارے اعتقادات کو کہا گیا۔غرض جو کچھ بھی وہ کہہ سکتے تھے،انھوں نے کہا اور اب تک کہہ رہے ہیں۔''(۱)

ان دو حوالوں سے معلوم ہوا کہ لاہوری جماعت، قادیانی جماعت کو کافر، ملحد اور کذاب، ضال، فتنہ کا باعث، اسلام کو تباہ و برباد کرنے والے وغیرہ کہتی ہے۔اور اب لاہوری جماعت کا قادیانی جماعت کے خلاف رونا بھی سن لیجئے:

(الف) لاہوری جماعت کے بانی و سربراہ مولوی محمد علی لاہوری نے ''لاہوری جماعت کے آرگن''پیغام صلح''،مؤرخہ:۳۰/۱۹۳۴ء میں کہا ہے:

''خود جناب محمود احمد (یعنی مرزا بشیرالدین خلیفہ قادیان ثانی) نے مسجد میں جمعہ کے روز خطبہ کے اندر ہمیں (لاہوری جماعت کو) دوزخ کی چلتی پھرتی آگ، دنیا کی بدترین قوم اور سنڈاس پر پڑے ہوئے چھلکے کہا۔یہ الفاظ اس قدر تکلیف دہ ہیں کہ ان کو سن کر ہی سنڈاس کی بو

(۱) بہ حوالہ قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ:۹۰۳

محسوس ہونے لگتی ہے۔''(۱)

(ب) مولوی محمد علی لاہوری نے ''پیغام صلح'' بابت: ۳/ اگست، ۱۹۳۶ء میں کہا ہے:

''یہ تو احمدی غیر احمدی کا سوال ہے، اب لیجئے قادیانی ایسے احمدی کو جو اُن کی جماعت سے نکل کر ''لاہوری جماعت'' میں شامل ہو جائے، مرتد کہتے ہیں، حالانکہ اصطلاحی لحاظ سے مرتد وہ ہوتا ہے جو اسلام چھوڑ دے۔''(۲)

ان عبارات نے بتایا کہ قادیانی جماعت کے امیر اور خلیفۃ المسیح الثانی، لاہوری جماعت کو دوزخ کی آگ، بدترین قوم اور سنڈاس پر پڑے چھلکے، اور مرتد کہہ کر ان کی تصویر کشی کرتے ہیں۔

جب احمدیوں کے ان دو فرقوں ''لاہوری جماعت'' اور ''قادیانی جماعت'' نے اب تک متحد ہو کر یہی فیصلہ نہیں کیا کہ مرزائے قادیان ان کا نبی ہے یا نہیں؟ اور اب تک یہ فیصلہ نہیں کیا کہ مرزا کو نبی ماننا ان کی نجات کے لیے ضروری ہے یا نہیں، اور ایک دوسرے کو کافر، ملحد، کذاب، دوزخ کی آگ وغیرہ القاب وآداب سے نوازتے آرہے ہیں تو ان قادیانیوں کو کیا منہ ہے کہ وہ اہل اسلام کو اتحاد واتفاق کا سبق پڑھائیں اور اس کی کیا حق کہ ان کو اسلام سے باز آنے اور قادیانیت کی لعنت میں گرفتار ہونے کی دعوت دیں؟

اسی طرح یہ فرقے ایک دوسرے کی کتابوں اور تفسیروں کو غلط اور باطل کہتے ہیں

(۱) بحوالہ قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ: ۹۵۰

(۲) بحالہ قادیانہ مذہب کا علمی محاسبہ: ۹۱۹

اور ایک دوسرے پر رکیک حملے کرتے ہیں: تفصیل کے لیے قادیانی مذہب اور مقدمہ قادیانی مذہب کا مطالعہ بڑا دلچسپ رہے گا۔

یہی نہیں؛ بل کہ اس سے آگے ایک دوسرے کے خلاف ریزولیشن بھی پاس ہوتے اور حاکموں کے پاس پیش کیئے جاتے رہے ہیں اور ایک دوسرے پر الزام تراشیاں بھی کی جاتی رہی ہیں، یہاں صرف ایک دو حوالے اس سلسلہ کے بھی سنتے چلیئے:

(۱) اخبار ''الفضل'' قادیان مورخہ: ۱۶/فروری ۱۹۱۸ء میں ہے:

''گزشتہ ایام میں چندان لوگوں نے جو اپنی بدقسمتی سے سلسلۂ احمدیہ اور مرکز سے اپنا قطع تعلق کر کے لاہور میں اڈا جمائے بیٹھے اور غیر مبایعین کے نام سے مشہور ہیں، بحضور جناب وائسرائے ہند بالقابہ و صاحب وزیر ہند بہادر بالقابہ کو ایڈریس پیش کرتے ہوئے اپنے آپ کو جماعت احمدیہ کا قائم مقام قرار دیا تھا، جو بالکل غلط اور محض دھوکہ تھا، اس کے خلاف صدر انجمن احمدیہ کی ان شاخوں نے جو ہندوستان کے تمام حصوں میں پھیلی ہوئی ہیں، ریزولیشن پاس کر کے حضور وائسرائے ہند بالقابہ کی خدمت میں بھیجے اور اردو، انگریزی اخبارات میں بھی شائع کرائے تاکہ غیر مبایعین (لاہوری جماعت) نے جو جماعت احمدیہ کا قائم مقام ہونے کا دعوی کیا ہے، اس کی پرزور تردید کی جائے۔''(۱)

(۲) اسی اخبار ''الفضل'' قادیان، مورخہ: ۲۵/ڈسمبر ۱۹۳۰ء میں ہے کہ:

''پچھلے دنوں غیر مبایعین (لاہوری جماعت) کے آرگن ''پیغام صلح'' میں ان کے چھوٹے بڑوں نے جماعت احمدیہ کے خلاف یہ طوفان بے تمیزی برپا کر رکھا تھا کہ جماعت قادیان گورنمنٹ کی جاسوس

(۱) بحوالہ قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ: ۹۴۷-۹۴۸

ہےاور کارخاص پر لگی ہوئی ہے۔اس بے بنیاداتہام کے متعلق ہماری طرف سے نہایت کھلے اور واضح الفاظ میں چیلنج دیا گیا اور بار بار ثبوت طلب کیا گیا،مگر کوئی بات پیش نہ کر سکے۔اس افتراء پردازی سے در اصل ان کی غرض یہ تھی کہ جن افعال کے وہ خود مرتکب ہورہے ہیں ان کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹا کر دوسری طرف پھیر دیں اور خود اپنے کارہائے خاص کے صلہ میں حکومت کے انعام واکرام سے مستفید ہوتے رہیں۔..........اوراب کسی کے لئے یہ سمجھنے میں کچھ بھی مشکل باقی نہیں رہی کہ جماعت احمدیہ پر جاسوسی اور گورنمنٹ کے لیے کار خاص کا الزام لگانے والے،دراصل خودان افعال کے مرتکب ہیں۔"(۱)

ان بیانات سے بخوبی اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قادیانیوں کے ان فرقوں میں کس قدر رسہ کشی اورایک دوسرے سے بغض وعداوت ہے کہ ایک دوسرے کے خلاف سخت سے سخت الزامات عائد کرنے پر تلے ہوئے ہیں،اورہم نہیں جانتے کہ یہ سب محض الزام ہے یا کوئی حقیقت؟ جوایک دوسرے سے صیغۂ راز میں رکھنے کے لئے ان الزام تراشیوں کی آڑلی جارہی ہے۔

(۶) قادیانی لوگوں کومعلوم ہونا چاہئے کہ ہم ہزارہا اختلاف کریں اورلڑیں مگر جب اسلام اور"ختم نبوت" سے بغاوت کرنے والوں کے مقابلہ کانمبرآئے گا تو انشاءاللہ سب کے سب یک جان ہوکراس کا مقابلہ کریں گے۔پھرنہ کوئی دیوبندی ہوگا نہ بریلوی،نہ تبلیغی ہوگا اور نہ اہل حدیث،جواس میں پیچھے رہ جائے،جس طرح مجلس تحفظ ختم نبوت کی دعوت پرسب نے مل کرقادیانیت کا مقابلہ کیا۔

(۱) بحوالہ قادیانی مذہب کاعلمی محاسبہ:۹۴۸

یہاں میں نہایت ہی ہمدردی ودلسوزی کے ساتھ تمام مکاتب فکر کے لوگوں کو دعوت دیتا ہوں اورخصوصاً بریلوی مکتب کے حضرات کومتوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپسی اختلافات کواپنے حدود میں رکھ کراسلام کے اصل دشمن اور باغی اور ختم نبوت کے غاصب فرقہ (قادیانیت) کا مقابلہ کریں، اوراس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک کرہی دم لیں، اور یہ ظاہر ہے کہ یہ کام اسی وقت ہوگا کہ اس کے لیے ہم سب متحد ہو جائیں، اور میں اس سلسلہ میں ہر مکتب فکر سے تعاون کرنے تیار رہوں۔

(۷) آخر میں میں تمام قادیانیوں کو دعوتِ اسلام دیتا ہوں کہ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا آخری دین جس کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے نازل کردیا ہے، اس کے بعد نہ کوئی دین آئے گا اور نہ کوئی نبی پیدا ہوگا؛ اس دین پر سچے دل سے ایمان لاؤ اور تمام مسلمانوں کے ساتھ حضرت خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کیمپ میں داخل ہوجاؤ اور مرزا قادیانی نے اسلام اور ختم نبوت سے بغاوت کرکے جو نیا دین بنایا اور اپنے کو نبی قرار دیا، اس کو غلط اور باطل جانو۔ ورنہ سوچو کہ قیامت کے دن تم قادیانی کس کے کیمپ میں کھڑے ہوں گے؟ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کیمپ میں یا مرزا قادیانی کے؟ اور کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کیمپ کو چھوڑ کر مرزا کے کیمپ میں داخل ہونے والے خدا کی نظر میں محبوب ہوں گے یا معتوب؟ ابھی وقت ہے غور کرلیں، ورنہ مرنے کے بعد یہ وقت ہاتھ نہیں آئے گا۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

قادیانی بوکھلاہٹ

قادیان کے خودساختہ نبی مسیلمۂ کذّاب کے پیرو مسیلمۂ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت کی لغویت ہر وہ شخص جانتا ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبیوں کا خاتم اور آخری نبی جانتا و مانتا ہے۔ مگر قادیانی مذہب کے لوگ مسیلمۂ پنجاب مرزا غلام احمد کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی مانتے ہیں اور یہ صریح کفر کی بات ہے۔ اور پوری امت کا اجماع ہے کہ حضرت خاتم النبیین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی ماننا کفر ہے اور جو مانتا ہے وہ کافر ہے۔

میں نے ابھی قادیانیت پر چند مضامین لکھے، جن میں واضح کیا تھا کہ قادیانیت دراصل اسلام سے بغاوت ہے اور اس کے بانی مرزا غلام احمد کا دعوائے نبوت باطل ہے۔ نیز یہ بتایا تھا کہ اگر بالفرض سلسلۂ نبوت جاری ہوتا تب بھی مرزا غلام احمد کا نبی بننا ایسا ہی محال و ناممکن تھا، جیسے کسی شرابی، کبابی، فاسق وفاجر کا نبی بننا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جس شخصیت کو نبوت کے عظیم الشان منصب کے لیے منتخب فرماتے ہیں، وہ شروع ہی سے ہر قسم کے گناہوں سے معصوم اور بے مروت اور ذلیل کاموں سے محفوظ ہوتا ہے؛ اس کی سیرت و کردار، اس کے اخلاق و افعال

قابل تقلید نمونہ ہوتے ہیں ،اس کے برعکس مرزائے قادیان کی سیرت وکردار داغدار ہے،لہذا اس کا نبی بننا کسی حال میں ممکن نہیں ۔ نیز وہ اپنی پیشگوئیوں کے آئینہ میں خود اپنا کذب و دروغ ظاہر کر چکا ہے،اس کے باوجود غلط و باطل تاویلات سے کام لے کر اس کی جھوٹی نبوت کی منہدم عمارت کوسہارا دینا انتہائی درجہ کی بے ایمانی وحماقت ہے۔

مگرافسوس ہے کہ قادیانی لوگ اسی بے ایمانی کوفروغ دینے میں لگے ہوئے ہیں اوراصل مسئلہ پرغورکرنے تیارنہیں ؛ میرے مضامین نے جب قادیانیت کا اصل چہرہ سامنے کردیا تو بے چارے بوکھلا گئے اوران کو کچھ راستہ نہ ملاتو اپنی شرمندگی مٹانے کے لیے ایک بڑاپوسٹرشائع کردیا۔اوراس میں روزنامہ پاسبان میں شائع شدہ میرے ایک مضمون ’’قادیانی وسوسہ کاازالہ‘‘ پریہ ریمارک کیا کہ اس میں میرانام اس طرح لکھاہے: ’’اللہ محمد شعیب اللہ‘‘ ،پھراس کومیری طرف سے خدائی کادعویٰ قراردیاہے؛ حالانکہ میرا یہ مضمون ’’قادیانی وسوسہ کاازالہ‘‘ سالارمیں بھی شائع ہوا اوراس میں میرانام صحیح درج تھا۔سوچنا چاہئے تھا کہ یہ کمپوزکرنے والے کی غلطی ہے اوراخباروالوں کی لاپروائی سے رہ گئی ہے۔

طرفہ تماشایہ کہ اس مضمون پرسوائے اس ریمارک کےکوئی اورریمارک وہ نہ کرسکےاوراس کےمندرجات پرکوئی رائے زنی نہ کرسکے،حالاں کہ اصل مضمون ہی پرتبصرہ کرنا چاہئے تھا۔جس سے معلوم ہوتاہے کہ وہ اصل بات کی طرف آنانہیں چاہتے اورحق کودیکھنااورجاننانہیں چاہتے ؛بل کہ لوگوں کو یہ احساس دلانے کے لیے کہ ہم نے بھی ان کاجواب دیدیاہے، کچھ نہ کچھ ہانکنےکوکافی سمجھتے ہیں۔

’’ختم نبوت اورقادیانی ‘‘ کےعنوان سے سالارمیں میرے جومضامین شائع

ہوئے اس کا ایک جواب قادیانیوں کی طرف سے میرے پاس بھیجا گیا ہے۔
مگر ایران توران کی ساری بکواس کے باوجود نہ مرزا کی نبوت پر کوئی کلام ہے اور نہ اس کی سیرت وکردار کو صاف کرنے کی کوشش کی گئی ہے، حالاں کہ یہی اصل مسئلے ہیں۔ مگر چوں کہ خود ان قادیانیوں کو معلوم ہے کہ وہ مرزا کی نبوت کو کبھی ثابت نہیں کر سکتے اور نہ اس کی سیرت وکردار کا بے داغ ہونا ثابت کر سکتے ہیں، اس لیے وہ دوسری بحثوں میں الجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس میں بے بس ہو جاتے ہیں تو مباہلہ کی دعوت دیتے ہیں۔

چنانچہ راقم الحروف کو بھی بعض قادیانیوں نے خط سے دعوت مباہلہ دی ہے۔ مگر یہ لوگ یہ بھول گئے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ سے آخری فیصلہ کیا تھا اور اس کے نتیجہ میں عبرت ناک موت کا شکار ہوا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت مولانا امرتسری رحمہ اللہ اپنے پرچہ ''اہل حدیث'' میں اور دیگر اپنے رسائل میں مرزا کا تعاقب کرتے تھے اور اس کی تردید کے لیے مستقل کام کرتے تھے۔ تنگ آکر مرزا نے ۱۵/ اپریل ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار بنام ''مولوی ثناءاللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ'' شائع کیا اور اس میں لکھا:

> ''میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک بصیر وقدیر جو علیم وخبیر ہے، جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے۔ اگر یہ دعوی مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افتراء ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افتراء کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک! میں عاجزی سے تیری جناب میں دعاء کرتا ہوں کہ مولوی ثناءاللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے

ان کواوران کی جماعت کوخوش کردے۔'' آمین (۱)

اس '' آخری فیصلہ'' کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے مرزا کوعبرت ناک موت دے کرحق وباطل کا فیصلہ کردیا اورساری دنیا کو بتادیا کہ مرزاواقعۃً مفسد وکذاب اورمفتری تھا؛ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کی بددعاء اسی پر لوٹا کرحق کو واضح کردیا۔ مرزا کی موت اس دعائیہ فیصلہ سے ایک سال کے اندر اندر مورخہ ۲۶/مئی ۱۹۰۸ء کو ہیضہ کی خوفناک بیماری سے ہوئی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری رَحِمَہُ اللّٰہُ اس کے بعد بھی چالیس برس زندہ رہے۔

کیا قادیانیوں کواس واقعہ سے بھی عبرت حاصل نہ ہوئی اورابھی تک حق و باطل میں اشتباہ کی حیران کن وادی میں بھٹک رہے ہیں؟ اوراب بھی ان کومباہلہ کی ضرورت معلوم ہوتی ہے؟ یہ واقعہ ہی بہت کافی عبرت ناک تھا، پھراس کے علاوہ مرزاغلام احمد کی زندگی میں خودمرزانے مباہلہ کرکے شکست کھائی ہے۔اورمرزا کے ماننے والوں کی طرف سے بھی مباہلہ ہوااورنتیجہ اہل اسلام کے حق میں ظاہر ہوچکا ہے۔

اسی طرح مرزاغلام احمد قادیانی نے ۱۰/ ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ کومولوی عبدالحق غزنوی رَحِمَہُ اللّٰہُ اور بعض دیگر علماء سے امرتسر کے عیدگاہ میں مباہلہ کیا تھا، جس کا ذکرخودمرزا کے اشتہار مرقومہ:۹/ ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ میں موجود ہے۔ (۲)

اوراس کے نتیجہ میں مولوی عبدالحق غزنوی رَحِمَہُ اللّٰہُ کی زندگی ہی میں مرزاغلام احمد آنجہانی ہوگیا اور مولوی عبدالحق غزنوی رَحِمَہُ اللّٰہُ اس کے بعد بھی زندہ رہے اور اس کے نوسال بعد ۱۶/مئی ۱۹۱۷ء کوانتقال کیا۔اورمرزا نے اپنے ملفوظات میں اس

---

(۱) مجموعۂ اشتہارات : ۳/۵۷۹

(۲) مجموعۂ اشتہارات: ۱/۴۲۶-۴۲۷

سلسلہ کا ایک اصول یہ ذکر کیا ہے کہ مباہلہ کرنے والوں میں جو جھوٹا ہوتا ہے وہ سچے کی زندگی میں مر جاتا ہے۔(۱)

اس اصول پر مولوی عبدالحق چوں کہ مرزا کے بہت بعد فوت ہوئے اور مرزا ان کی زندگی میں ہی فوت ہو گیا، لہٰذا نتیجہ واضح ہے کہ مرزا جھوٹا ہے۔

نیز حافظ یوسف نامی ایک صاحب مرزا کے غالی مرید و معتقد تھے اور اس زمانے میں انھوں نے مرزا کی عقیدت میں بہت زور لگایا تھا اور بقول مرزا انھوں نے بار بار بہت سے لوگوں کے سامنے یہ کہا تھا کہ خدا تعالے نے انسانی تمثل کے طور پر ظاہر ہو کر ان کو کہا کہ مرزا غلام احمد حق پر ہے، کیوں لوگ اس کا انکار کرتے ہیں؟(۲)

انہی حافظ یوسف کا مولانا عبدالحق غزنوی رَحِمَہُ اللہُ سے مباہلہ ہوا، جس کا ذکر خود مرزا غلام احمد نے اپنے ایک اشتہار میں کیا ہے اور اس مباہلے سے بہت خوشی کا اظہار بھی کیا ہے۔(۳)

لیکن اس مباہلہ کا نتیجہ کیا ہوا؟ یہ ہوا کہ حافظ یوسف کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دیدی اور وہ قادیانیت سے توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو گئے۔ انہی یوسف صاحب کے خلاف مرزا کی کتاب ''اربعین'' کا اشتہار نمبر تین ہے۔

کیا یہ واقعات حق و صداقت کے معلوم کرنے کے لیے کافی نہیں؟ کیا پے در پے شکست کھانے کے بعد اور اللہ کی طرف سے حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی، مباہلہ کی رٹ لگانے سے حق چھپ جائے گا؟ کیا یہ قادیانی لوگ عمر بھر اسی

---

(۱) ملفوظات: ۹/۴۴۰

(۲) دیکھو: اربعین: ۳/۶۵، روحانی خزائن: ۱۷/۴۰۷

(۳) دیکھو: علامہ انور شاہ کشمیری رَحِمَہُ اللہُ کی کتاب ''اکفار الملحدین''

اشتباہ میں مبتلا رہیں گے؟ کفار کا یہی طریقہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے نشانی چاہتے اور جب نشان و معجزہ ظاہر ہو جاتا تو ماننے کے بجائے اس میں تاویل شروع کر دیتے تھے۔ قادیانیوں کا بھی یہی طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بار بار مرزا کے کذب پر دلیلیں قائم کی گئیں، مباہلہ میں شکست، مناظروں میں شکست، پیش گوئیوں کا بطلان، وغیرہ، مگر یہ لوگ اپنے کذب اور کفر کو چھپانے کے لیے علماء اسلام سے مباہلہ کے چیلنج پر چیلنج دیتے ہیں، جیسے بعض اور فرقے ہیں جو علماء حق کو مناظرے کے لیے چیلنج دیتے ہیں، جب کہ بے شمار مناظرے و مباحثے ہو چکے اور حق و باطل میں امتیاز ہو چکا مگر محض اپنی جھوٹی شان کے لئے اور حق پر پردہ ڈالنے کے لیے مناظرے کا چیلنج دیتے ہیں۔

یہ فضول مناظرے بازی اور مباہلہ بازی، طریق انبیاء نہیں ہے، حتی کہ جب انبیاء کرام عَلَیۡہِمُ السَّلَامُ نے اپنی صداقت وحقانیت پر معجزے دکھا دیے اور پھر بھی کفار نے بعض خاص معجزوں کا انبیاء سے مطالبہ کیا تو انھیں یہ جواب دیا گیا:

﴿وَأَقْسَمُواْ بِاللّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءتْهُمْ آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ إِنَّمَا الآيَاتُ عِندَ اللّهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءتْ لاَ يُؤْمِنُونَ ، وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُواْ بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ، وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلآئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلاً مَّا كَانُواْ لِيُؤْمِنُواْ إِلاَّ أَن يَشَاءَ اللّهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ.﴾ (الأنعام: ۱۰۹-۱۱۱)

(یہ کافر خدا کی بڑی بڑی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر کوئی نشانی ان کے پاس آجائے گی تو وہ اس پر ایمان لائیں گے۔ کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں اور تمہیں کیا معلوم کہ (اگر) نشانیاں آجائیں تو یہ ایمان لائیں گے، یہ ایمان نہیں لائیں گے اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹتے پلٹتے رہتے ہیں جیسا کہ یہ اول دفعہ ایمان نہیں لائے، اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں چھوڑ دیتے ہیں کہ بھٹکتے پھریں، اور اگر ہم ان کے پاس فرشتے بھی اتاریں اور مردے بھی ان سے بولیں اور ہر چیز ہم ان کے سامنے کردیں تب بھی وہ ایمان لانے والے نہیں مگر یہ کہ اللہ چاہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں)

اس قسم کی آیات سے قرآن مجید لبریز ہے۔ بتانا یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مرزا قادیانی کا فریب ودھوکہ روز روشن کی طرح واضح کردیا کہ کوئی شخص اس کے دھوکہ اور چال میں نہ آجائے، اور مناظروں اور مباہلوں سے بھی اس کا دجل ومکر واضح ہوگیا، تو اب پھر وہی رٹ لگائے جانا کہ مباہلہ کرو، مباہلہ کرو، کوڑھ مغزی وحماقت کے ساتھ بے ایمانی اور خدا سے بے خوفی کی دلیل ہے۔

صاف صاف بات یہ ہے کہ حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اللہ کے آخری نبی و رسول ہیں۔ آپ کے بعد کسی کو نبی نہیں بنایا جائے گا، نہ ظلی و بروزی طور پر، نہ مستقل طور پر، نہ تشریعی نبی، نہ غیر تشریعی نبی۔ یہ ہے تمام مسلمانوں کا اجماعی قطعی عقیدہ۔ اور جو اس عقیدہ کو نہ مانے وہ یقیناً اسلام سے خارج اور پرچم محمدی کے باہر ہے اور اسی طرح جو اس عقیدہ میں تاویلات کر کے اس کو بگاڑتا ہو اور کسی اور شخص کی نبوت کے لیے دروازہ کھولتا ہو وہ بھی یقیناً دائرہ اسلام سے خارج ہے؛ کیوں کہ ضروریات دین

میں تاویل کر کے ان کو غلط مفہوم پہنانا بھی کفر ہے۔(۱)

غرض یہ کہ قادیانی اصل بات کو چھوڑ کر بوکھلاہٹ میں اِدھر اُدھر کی ہانکتے اور کاتب و کمپیوٹر کی غلطیوں کو پیش کر کے اصل بات پر پردہ ڈالتے اور مباہلہ کی طرف دعوت دے کر اپنی باطل پرستی کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں، یہ سب فضول ہے اور اس سے اہل اسلام کو ان شاء اللہ دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

شائع شدہ: پاسبان: بابت: ۵/۱۱/۱۹۹۷ء

(۱) دیکھو علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ کی کتاب ''اکفار الملحدین''

قادیانی چیلنجِ مباہلہ کا جواب

احقر کے چند مضامین ''قادیانیت'' پر روزنامہ سالار بنگلور اور روزنامہ پاسبان بنگلور میں شائع ہوئے تھے، یہ ۱۹۹۷ء کے اواخر کی بات ہے۔ اس کے جواب میں ایک قادیانی ''عظمت اللہ قریشی'' نے چارسطری نام ''حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ پر مولوی محمد شعیب اللہ مفتاحی دیوبندی رحمہ اللہ کے جھوٹے الزامات کا تحقیقی جواب'' کا ایک کتابچہ لکھا ہے جس کو ''نظارت نشر واشاعت قادیان'' نے شائع کیا ہے۔ اس پر سن اشاعت ۱۹۹۸ء نومبر درج ہے اور مجھے اواخر فروری ۱۹۹۹ء میں بذریعہ ڈاک موصول ہوا؛ یہاں اس وقت اس کتابچہ کے اس حصہ پر تبصرہ کرنا مقصود ہے، جس میں اس احقر کو قادیانیوں کے موجودہ سربراہ ''مرزا طاہر'' کی طرف سے دیے گئے ''چیلنج مباہلہ'' کو قبول کرنے کی دعوت مذکورہ قادیانی ''عظمت اللہ قریشی'' نے دی ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا ہے:

> ''ہم جانتے ہیں کہ ہرگز ہرگز مولوی '' شعیب''، حضرت امام جماعت احمدیہ کا چیلنجِ مباہلہ قبول نہیں کریں گے؛ کیوں کہ قرآن شریف نے ان کے حق میں حتمی فیصلہ کردیا ہے کہ یہ موت کی قسم کھانے کو تیار نہیں ہوں گے۔''(۱)

---

(۱) رسالہ مذکورہ: ۴۱

یہاں چند باتیں اس بارے میں سمجھ لینا ضروری ہے، تا کہ قادیانی فریب و دھوکہ کا پوری طرح پردہ چاک ہوجائے اوران کے ’’دعوتِ مباہلہ‘‘ کی حقیقت بے نقاب ہوجائے۔

دعوتِ مباہلہ یا فریب دہی

(۱) میں نے اپنے مضمون ’’قادیانی بوکھلاہٹ‘‘ شائع شدہ پاسبان بنگلور بابت: ۵/۱۱/ ۹۷ء میں لکھا تھا کہ قادیانی لوگ جب جواب سے عاجز ہوجاتے ہیں، تو دعوتِ مباہلہ دیتے ہیں؛ ہماری بات کے لیے یہی ’’مباہلہ کا چیلنج‘‘ دلیل ہے، حالاں کہ ان کو چاہئے تو یہ تھا کہ اس مضمون کے مندرجات کو سمجھتے اورغور کرتے اور پھر یا تو اپنے باطل مزعومات سے تائب ہوتے یا کوئی معقول جواب دیتے ،مگر یہ لوگ اپنی موروثی بے حیائی و ڈھٹائی کی وجہ سے اس سے بے نیاز ہوکر’’مباہلہ کا چیلنج‘‘ بھیجنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

(۲) پھر میں نے اسی مضمون میں ذکر کیا تھا کہ قادیانیوں کے نبی مرزا غلام احمد قادیانی نے امرتسر کے عیدگاہ میں مولوی عبدالحق غزنوی رحمہ اللہ کے ساتھ مباہلہ کیا تھا اور مرزا کے اصول کے مطابق مباہلہ کرنے والوں میں سے جو جھوٹا ہوتا ہے، وہ سچے کی زندگی میں مرجاتا ہے۔(۱)

اس اصول پر مولوی عبدالحق رحمہ اللہ سچے اور مرزا جھوٹا ثابت ہوا؛ کیوں کہ عبدالحق غزنوی رحمہ اللہ ،مرزا کے بعد ۹/ سال تک زندہ رہے اور مرزا قادیانی ان کی زندگی ہی میں فوت ہوگیا۔ میں نے اس واقعہ کا ذکر کرکے عرض کیا تھا کہ اس سے یہ نتیجہ واضح ہے کہ مرزا جھوٹا ہے۔

---

(۱) ملفوظات: ۹/۴۴۰

کیا یہ واقعہ حق وصداقت میں امتیاز کے لیے کافی نہیں ہے؟ اگر بہ ذات خود مرزا قادیانی کا مباہلہ کرنا اور اس کے بعد اس کا نتیجہ ظاہر ہونا، دنیا والوں کی ہدایت کے لیے اور لوگوں کو حق وباطل میں تمیز کے لیے کافی نہیں تو پھر مرزا کو مباہلہ کی کیا ضرورت تھی؟ اگر مباہلہ کا مقصد ہی حق وباطل میں امتیاز اور سچے اور جھوٹے کی معرفت وپہچان ہے تو اس مباہلہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی اور دنیا والوں نے اچھی طرح جان لیا کہ مرزا جھوٹا ہے: اس کے بعد پھر بار بار مباہلہ کی دعوت کیا بے ایمانی نہیں ہے؟

(۳) میں نے اسی مضمون میں حافظ ''محمد یوسف'' نامی ایک شخص کا ذکر بھی کیا تھا جو پہلے ''مرزا غلام احمد'' قادیانی کے غالی معتقد ومرید تھے، انہوں نے مولوی عبدالحق غزنوی رحمہ اللہ کے ساتھ مباہلہ کیا تھا اور یہ مباہلہ اس بات پر تھا کہ مرزا غلام احمد اور اس کے دو مرید حکیم ''نورالدین'' اور ''محمد احسن امروہی'' مسلمان ہیں یا نہیں؟ حافظ محمد یوسف کا کہنا تھا کہ یہ تینوں مسلمان ہیں اور مولوی عبدالحق رحمہ اللہ کا کہنا تھا کہ یہ تینوں دجال اور کذاب اور مرتد ہیں۔ اس مباہلہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ حافظ محمد یوسف، مرزا غلام احمد کی مریدی وبیعت سے توبہ کرکے مسلمان ہو گئے اور پھر تادم آخر قادیانیت کا پورے زور شور سے مقابلہ کرتے رہے۔ انہی محمد یوسف کے بارے میں مرزا نے اپنی کتاب ''اربعین'' کا اشتہار نمبر ۳ لکھا ہے۔

اس واقعہ کا ذکر کرکے میں نے لکھا تھا کہ یہ واقعات حق وصداقت کو معلوم کرنے کے لیے کافی نہیں؟

(۴) نیز میں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے اس اشتہار کا بھی ذکر کیا تھا، جس میں اس نے مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ سے آخری فیصلہ کرتے ہوئے، اللہ

سے دعا کی تھی کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھے مولوی ثناء اللہ رحمہ اللہ کی زندگی میں ہلاک کردے، اوراسی کے مطابق مرزا کی موت عبرت ناک طریقہ پر مولانا موصوف کی زندگی میں واقع ہوگئی اور مولانا ثناءاللہ امرتسری رحمہ اللہ اس کے بعد بھی برسوں تک مرزااور مرزائیت کے پرخچے اڑاتے رہے؛ مرزا کے اس اشتہار کا عنوان تھا''مولوی ثناءاللہ صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ''اس اشتہار کے چند جملے سن لیجئے۔مرزا نے لکھا کہ:

''میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک بصیر وقدیر جو علیم وخبیر ہے، جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے، اگر یہ دعوی مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افتراء ہےاور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افتراء کرنا میرا کام ہے،تو اے میرے پیارے مالک !میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناءاللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کراور میری موت سے ان کواور انکی جماعت کوخوش کردے۔آمین۔''(۱)

اس کے بعد، ایک سال کے اندراندر مورخہ ۲۶/مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا کا ہیضہ کی بیماری میں انتقال ہوگیا اور مولانا امرتسری رحمہ اللہ اس کے بعد تقریباً چالیس سال زندہ سلامت باکرامت رہے۔

یہ آخری فیصلہ، ازخود مرزا نے کیا تھا اور دعا کے طور پر تھا؛ یہ مباہلہ نہیں تھا تاہم اس سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے بعد جو کہ خدائی عدالت میں مقدمہ تھا، واضح طور پر فیصلہ کردیا کہ مرزا جھوٹا اور کذاب اور مفتری ہے۔

(۱) مجموعۂ اشتہارات : ۳/۵۷۹اشتہار. ۱۵/اپریل ۱۹۰۷ء

ان تین واقعات کو پیش کر کے میں نے عرض کیا تھا:

’’کیا یہ وقعات حق وصداقت کے معلوم کرنے کے لیے کافی نہیں؟ کیا پے در پے شکست کھانے کے بعد اور اللہ کی طرف سے حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی، مباہلہ مباہلہ کی رٹ لگانے سے حق چھپ جائے گا؟ کیا عمر بھر اسی اشتباہ میں مبتلا رہیں گے؟‘‘

مگر افسوس کہ قادیانیوں کی بے ایمانی اور خدائی فیصلوں پر بے اطمینانی نے ان کو ان کھلے اور واضح دلائل اور روشن فیصلوں سے بھی عبرت حاصل کرنے سے محروم رکھا ہوا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مباہلوں کا ڈھونگ دراصل لوگوں کو دام فریب میں گرفتار کرنے کی ایک شیطانی چال ہے،اور حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں،ورنہ اس سے پہلے کے مباہلے ہی انسان کو حقیقت تک رہنمائی واصلیت تک رسائی کے لیے کافی ووافی ہیں۔

احقر کو قادیانی چیلنج

جب میرے دلائل کا کوئی معقول جواب ان قادیانیوں کو بن نہ پڑا تو وہی کیا، جس کی ان سے امید کی جا سکتی ہے کہ ایک کاغذی مباہلہ قائم کر کے دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی ناپاک و ناکام کوشش کریں۔چنانچہ عظمت اللہ قریشی نے میرے ان دلائل کا تو کوئی جواب نہیں دیا؛ بل کہ اس کے بجائے حسب عادت مجھے بھی ان کے گرو مرزا طاہر خلیفہ رابع مرزا غلام احمد قادیانی کے چیلنج مباہلہ کو قبول کرنے کی دعوت دی ہے۔اور لکھا ہے:

’’اس زمانہ میں (یعنی جب کہ وہ مباہلے اور دعائیں ہوئیں) نہ مولوی شعیب صاحب رحمہ اللہ تھے نہ میں تھا،صرف خدا تھا اور وہ

خدا حی و قیوم آج بھی موجود ہے، حضرت ''مرزا طاہر احمد'' صاحب امام جماعت احمدیہ، حضرت مرزا ''غلام احمد'' صاحب کے چوتھے خلیفہ اور جانشین کے طور پر بفضلہ تعالیٰ ہم میں موجود ہیں، اور آپ نے اس دُعائے مباہلہ کو ٹھیک ایک سوسال بعد دہرایا ہے۔ اس قسم کے واقعات بھی رونما ہو رہے ہیں، مولوی شعیب کے لیے نادر اور شاندار موقعہ ہے، اگر وہ اس چیلنج مباہلہ کو قبول کرلیں تو مولوی شعیب صاحب کو شہرت و عزت، جاہ و حشمت کے ساتھ ساتھ خدا بھی خوش ہو کر لمبی عمر سے نواز دے گا۔ پس مولوی شعیب کو چاہئے کہ اس موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ بہانے بازی، حیلے حوالے چھوڑ کر چیلنج مباہلہ قبول کرتے ہوئے اس کی خوب خوب تشہیر کریں۔''(۱)

قادیانیوں سے چند سوالات

اس پر قادیانیوں سے چند سوالات ہیں:

(۱) جب غلام احمد قادیانی نے مولوی عبدالحق غزنوی رحمہ اللہ سے مباہلہ کیا تھا یا حافظ محمد یوسف رحمہ اللہ نے ان سے مباہلہ کیا تھا یا جب مرزا قادیانی نے مولوی ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے بارے میں اور اپنے بارے میں دعا کے ذریعہ سے خدا سے آخری فیصلہ چاہا تھا اور ان تمام صورتوں میں خدائی فیصلہ مرزا کے خلاف گیا تھا، تو اگرچہ وہاں میں بھی نہیں تھا اور آج کے قادیانی بھی نہیں تھے؛ مگر کیا یہ خدائی فیصلے اٹل اور محکم اور ہمیشہ کے لیے نہیں تھے؟ اگر تھے اور یقیناً تھے تو دوبارہ خدا سے فیصلہ چاہنے کی کیا حاجت وضرورت ہے؟ کیا آپ لوگوں کے نزدیک ایک دفعہ ہوا خدائی

(۱) رسالہ مذکورہ: ۴۱

فیصلہ کافی نہیں یا صحیح نہیں؟

(۲) جب ایک دفعہ نہیں، بل کہ بار بار خدا کی طرف سے مرزا کے کذب وافترا اور دجل وبطلان پر دلائل اور نشانیاں قائم کردی گئیں اور خود مرزا کے قائم کردہ معیار کے مطابق، اس کا کذب ودجل ثابت ہوگیا تو پھر ہر زمانے میں لوگوں کو خدا سے فیصلہ چاہنے کے لیے مباہلہ کرنے کی دعوت دینا، کیا دین وشریعت کا مذاق واستہزا اور خدائی فیصلوں کا انکار نہیں ہے؟ کیا اللہ تعالی کے فیصلے جو ماضی میں ہو چکے ہیں غلط اور قابل اصلاح وترمیم ہیں؟ اور کیا اسی کا نام بے ایمانی نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ تو اپنا فیصلہ واضح طور پر ظاہر کردے مگر تم اس کو پھر بھی نہ مانو اور بار بار فیصلہ طلبی کرتے رہو؟

اسی روش کو میں نے میرے مضمون میں طریق انبیاء کے خلاف قرار دیا تھا؛ جس پر عظمت اللہ قریشی نے لکھا ہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں کو چیلنج مباہلہ نہیں دیا تھا؟

افسوس کہ اپنی غلط وباطل اور کافرانہ روش کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق وسنت کا ثبوت فراہم کرنے کی بے جا سعی وناکام کوشش کی جارہی ہے، یہ بھی دراصل قادیانی مکروفریب کی ایک مثال ہے۔

مگر معلوم ہونا چاہئے کہ حق کے واضح ہوجانے کے بعد بھی اور دلائل وبینات کے خدا کی طرف سے قائم ہوجانے کے بعد بھی دلیل ونشانی اور فیصلہ کا مطالبہ ہرگز ہرگز طریق انبیاء نہیں؛ بل کہ سراسر کافرانہ روش وطریقہ ہے۔ اس کا ثبوت قرآن کریم کی متعدد آیات ہیں، اور میں نے اس کے لیے اپنے مضمون ”قادیانی کی بوکھلاہٹ“ میں سورۂ انعام کی چند آیات کا حوالہ دیا تھا، جو مع ترجمہ یہ ہیں:

﴿وَأَقْسَمُواْ بِاللّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءتْهُمْ آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ إِنَّمَا الآيَاتُ عِندَ اللّهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءتْ لاَ يُؤْمِنُونَ ، وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُواْ بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ، وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلآئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلاً مَّا كَانُواْ لِيُؤْمِنُواْ إِلاَّ أَن يَشَاءَ اللّهُ وَلَـكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ.﴾ (الأنعام :۱۰۹-۱۱۱)

(یہ کافر خدا کی بڑی بڑی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر کوئی نشانی ان کے پاس آجائے گی تو وہ اس پر ایمان لائیں گے۔ کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں اور تمہیں کیا معلوم کہ (اگر) نشانیاں آجائیں تو یہ ایمان لائیں گے۔ یہ ایمان نہیں لائیں گے، اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹتے پلٹتے رہتے ہیں جیسا کہ یہ اول دفعہ ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں چھوڑ دیتے ہیں کہ بھٹکتے پھریں، اور اگر ہم ان کے پاس فرشتے بھی اتاریں اور مردے بھی ان سے بولیں اور ہر چیز ہم ان کے سامنے کردیں تب بھی وہ ایمان لانے والے نہیں مگر یہ کہ اللہ چاہے؛ لیکن ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں)

بالکل یہی حال ان قادیانیوں کا ہے کہ خدا کی طرف سے نشانیوں پر نشانیاں ظاہر ہونے کے باجود پھر یہی مطالبہ ہے کہ مباہلہ کرو، کیا یہ کافرانہ روش نہیں ہے؟

(۳) یہ بات معلوم ہے کہ مباہلہ، دعا کے ذریعہ خدا سے فیصلہ طلب کرنا ہے، جب کسی بات کا فیصلہ اللہ کی طرف سے ہوجائے تو یہ آخری وقطعی فیصلہ ہوتا ہے؛

کیوں کہ خدا کی عدالت، آخری عدالت ہے، اللہ کی طرف سے فیصلہ ہو جانے کے بعد اس کو نہ ماننا اور دوبارہ فیصلہ چاہنا، دراصل خدا کے فیصلہ کو چیلنج کرنا اور اس کے فیصلہ کے خلاف نظر ثانی کی اپیل کرنا ہے اور یہ سراسر کفر ہے۔

اب قادیانی سوچیں کہ جب خدا نے مرزا کی زندگی میں بھی اور اس کی موت پر بھی ساری دنیا کے سامنے واضح الدلالۃ فیصلہ صادر فرمادیا اور مرزا کا کذب ودجل آشکارا کردیا گیا تو اس خدائی فیصلہ کو نہ ماننا اور یہ کہنا کہ اس وقت ہم لوگ نہیں تھے لہٰذا دوبارہ نیا مباہلہ کر کے خدا سے فیصلہ چاہو، کیا یہ خدائی فیصلہ سے انحراف اور بغاوت نہیں ہے؟

(۴) ہم مسلمانوں نے ان خدائی فیصلوں کو حق و سچ مانا اور بلا چوں و چرا ان کے سامنے سر تسلیم خم کردیا اور مرزا کو جھوٹا اور کذاب ودجال جانا اور جانتے ہیں؛ کیوں کہ ان خدائی فیصلوں کے بعد بھی مرزا کے جھوٹا ہونے میں شک کرنا دراصل خدائی فیصلوں میں شک کے مترادف ہوگا، اس لیے ہر مسلمان مرزا کو بلا کسی شک وشبہ کے اپنے دعوؤں میں کذاب ودجال جانتا اور مانتا ہے ،اس کے بعد اس کو آخر کیا ضرورت ہے کہ وہ پھر مباہلہ کرے؟

اس وضاحت کے بعد ایک بات یہ بھی سن لینے کی ہے، وہ یہ ہے کہ عظمت اللہ قریشی نے لکھا ہے:

> ”مولوی شعیب کو چاہئے کہ اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں، بہانے بازی، حیلے حوالے چھوڑ کر چیلنج مباہلہ کو قبول کرتے ہوئے اس کی خوب خوب تشہیر کریں۔“(۱)

---

(۱) رسالہ مذکورہ: ۴۱

سوال یہ ہے کہ مباہلہ کے لیے فریق ثانی کا اس چیلنج کو قبول کرنا ضروری وشرط ہے یا نہیں؟ اگر شرط ہے اوراس کے بغیر مباہلہ منعقد نہیں ہوتا تو جنرل ضیاء الحق مرحوم رحمہ اللہ کی شہادت پر تم قادیانیوں نے جو یہ پروپیگنڈہ کیا تھا اور اب تک بھی کرتے رہتے ہیں کہ جنرل ضیاء الحق رحمہ اللہ کی موت، مرزا طاہر کے مباہلہ کے نتیجہ میں بہ طور عذاب ہوئی تھی، تو یہ تمہارا سفید جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے؛ کیوں کہ جنرل ضیاء الحق رحمہ اللہ نے کب اور کہاں مرزا طاہر کے مباہلہ کو قبول کرنے کا اعلان کیا تھا؟ جنرل ضیاء رحمہ اللہ نے مرزا طاہر کو اس قابل بھی نہ سمجھا کہ اس کے چیلنج کا جواب دیا جائے یا اس کی تردید کی جائے۔

اور اگر مباہلہ کے لیے فریق ثانی کا قبول کرنا شرط وضروری نہیں تو مرزا غلام احمد قادیانی نے حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم رحمہ اللہ کے ساتھ جو آخری فیصلہ کیا تھا اور تم لوگ اس کے بارے میں کہتے ہو کہ یہ مباہلہ تھا؛ مگر ثناء اللہ امرتسری مرحوم رحمہ اللہ نے اس چیلنج مباہلہ کو قبول نہیں کیا تھا اس لیے وہ منعقد نہ ہوا۔ (۱)

تو کیا یہ خدائی فیصلہ سے کھیل اور مذاق نہیں ہے؟ کبھی مباہلہ کے انعقاد کے لیے فریق ثانی کی منظوری کو شرط ٹھہراتے ہیں اور کبھی اس شرط کو ختم کر دیتے ہیں، بات کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ حقائق کو توڑنے مروڑنے اور چھپانے کے لیے جہاں جیسی ضرورت محسوس کرتے ہیں، ویسا کر لیتے ہیں۔

اب عظمت اللہ قریشی سے سوال یہ ہے کہ تمہارے خود ساختہ امام جماعتِ احمدیہ مرزا طاہر کے مباہلہ کے منعقد ہونے کے لیے کیا میرا قبول کرنا ضروری ہے؟ جب جنرل ضیاء الحق مرحوم رحمہ اللہ نے اس کو قبول نہیں کیا اور وہ تمہارے بقول منعقد

(۱) مجدد اعظم مصنفہ بشارت احمد : ۲/۱۱۵۳-۱۱۵۸

ہوگیا تواب قبول کرنے اور منظور کرنے کی دعوت کیوں دی جارہی ہے؟ مرزا طاہر قادیانی کا ''مباہلہ'' تو ساری دنیا کے غیرقادیانیوں سے ہے اور اس میں ہم سب بھی شامل ہیں، تو پھر قبول کرنے کی دعوت چہ معنی دارد؟

یہ سارے سوالات قادیانیوں سے جواب طلب ہیں، ایمان کی کسوٹی پر کس پر، خوف خدا وخوف آخرت کا خیال کرتے ہوئے، ان کے جواب دیں اور یاد رکھیں کہ دین کھیل تماشا نہیں ہے کہ جب جو جی میں آیا کہہ دیا اور لوگوں کو گمراہ کرتے رہے۔ ان صاف صاف اور واضح دوٹوک باتوں کو اپنی باطل تاویلات اور لچر اور بے ہودہ باتوں سے چھپانے اور اپنی جماعت کے سادہ لوح لوگوں کو گمراہی میں پھنسانے اور پھنسائے رکھنے کی کوشش نہ کریں۔

مرزا طاہر کا چیلنج مباہلہ اور فرار

عظمت اللہ قریشی نے مجھے جس ''مباہلہ'' کے قبول کرنے کی دعوت دی ہے، یہ چیلنج مباہلہ قادیانیوں کے موجودہ امیر ''مرزا طاہر احمد'' نے ۱۰/ جون ۱۹۸۸ء کو تمام دنیا کے علما اور سیاسی قائدین اور غیر سیاسی شخصیات سب کے نام دیا گیا ہے۔ اور اس کا متن ان کے ترجمان اخبار ''بدر'' کی اشاعت بابت: ۲۸/ جولائی ۱۹۸۸ء کے علاوہ الگ کتابچہ میں بھی شائع کیا گیا ہے۔

اس کے اس چیلنج کا جواب متعدد علما نے دیا ہے: حضرت مولانا ''منظور احمد'' چینوٹی رحمہ اللہ نے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے مرزا طاہر کو لکھا تھا:

> ''مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے میری دعوت مباہلہ کو اتنی مدت کے بعد قبول کیا، اب جگہ اور وقت کا بھی آپ تعین کردیں، اگر آپ

پاکستان نہیں آسکتے تو میں انگلینڈ آنے کو تیار ہوں۔‘‘(۱)

پھر آپ لندن میں ہائیڈ پارک میں ۵/ اگست ۱۹۹۵ء میں متعدد علما اور مختلف تحریکوں کے نمائندوں کے ساتھ مرزا طاہر سے رُو در رُو ’’مباہلہ‘‘ کرنے تشریف لے گئے اور اس کا انتظار کیا مگر چیلنج دینے والا مرزا طاہر میدان مباہلہ میں آنے کی جرأت نہ کر سکا جس پر امام کعبہ محمد بن عبداللہ السبیل حفظہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

’’مولانا چینوٹی کے مقابلہ پر مرزا طاہر احمد کا ہائیڈ پارک کارنر میں مباہلے میں نہ آنا مسلمانوں کی فتح عظیم ہے۔‘‘(۲)

کس قدر شرم کی بات ہے کہ خود ہی دعوت مباہلہ دے کر، جب علماء نے مباہلہ کے چیلنج کو قبول کر کے مباہلہ کے لیے بلایا تو راہ فرار اختیار کی، پھر اس پر مزید بے شرمی دیکھئے کہ دعوت مباہلہ پیش کی جارہی ہے؛ کیوں؟ اس لیے کہ عوام دھوکہ کھا جائیں مگر انشاء اللہ دھوکہ نہیں کھائیں گے۔

اسی طرح حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے ’’مرزا طاہر کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے اس کو لکھا:

’’بسم اللہ! تاریخ اور جگہ کا اعلان کر کے مقررہ وقت پر تشریف لائیے، یہ فقیر بھی حاضر ہو جائے گا‘‘، مگر جب اس نے حیل حجت سے کام لیا تو دوبارہ اس کو لکھا کہ: ’’چوں کہ آپ پاکستان سے مفرور ہیں بہت ممکن ہے کہ پاکستان آنے سے آپ کو کوئی جلی یا خفی عذر مانع ہو، لہٰذا میں آپ کو پاکستان آنے کی زحمت نہیں دیتا۔ آپ لندن ہی میں

(۱) مرزا طاہر کا چیلنج مباہلہ: ۲۷

(۲) مرزا طاہر کا چیلنج مباہلہ: ۲۹

مباہلہ کی جگہ وتاریخ کا اعلان کردیجئے، یہ فقیر اپنے رفقاء سمیت وہاں حاضر ہوجائے گا اور اگر قصر خلافت سے باہر قدم رکھنے سے خوف مانع ہے تو چلئے اپنے ''لندنی اسلام آباد'' ہی کو میدان مباہلہ قرار دے کر تاریخ کا اعلان کردیجئے۔ یہ فقیر آپ کے مستقر پر حاضر ہوجائے گا اور جتنے رفقاء آپ فرمائیں گے لاکھ دو لاکھ دس بیس لاکھ، اپنے ساتھ لے آئے گا، حفظ امن کی ذمہ داری آپ کو اٹھانی ہوگی۔''(۱)

مگر وہی نتیجہ سامنے آیا کہ مرزا طاہر اپنی پوری بے شرمی کے ساتھ میدان مباہلہ کی طرف آنے سے گریز ہی کرتا رہا اور اس کی ہمت کسی حال اس کو نہ ہوسکی۔

اسی طرح حافظ ''بشیر احمد'' المصری رحمہ اللہ نے جو پہلے قادیانی تھے اور ان کے باپ بھی قادیانی تھے اور ان کی بستی بھی قادیان ہے اور اب انگلینڈ میں رہتے ہیں اور قادیان کے گندے ماحول اور اس وقت کے ان کے امیر اور مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ ثانی کے شرمناک حالات دیکھ کر قادیانیت سے توبہ کی اور پھر حضرت اقدس مولانا شاہ الیاس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ بانی جماعت تبلیغ علیہ الرحمہ دست حق پرست پر ایمان قبول کیا تھا، انہوں نے بھی ۱۸/ اگست ۱۹۹۸ء کو اس مباہلہ کو قبول کرکے، مرزا طاہر سے جواب طلب کیا تھا، جس کی تفصیل انہوں نے اپنے رسالہ ''مرزا'' طاہر احمد'' کے نام'' کھلا خط'' میں لکھی ہے۔

ہم مباہلہ کے لیے تیار ہیں

ان حقائق کے پیشِ نظر، ہمیں ضرورت نہ تھی کہ ہم اس نام نہاد مباہلہ پر کان دھرتے کیوں کہ مرزا طاہر، اولاً ان علماء کے چیلنج کا قرضہ چکاتے ہوئے میدان

(۱) مرزا طاہر پر آخری اتمام حجت: ۳۲

مباہلہ میں نکل آئے تو یہی بہت ہے۔لیکن میں میرے آقا و مولا حضرت خاتم المرسلین محمد ﷺ کی ''ختم نبوت'' کے محافظین میں ایک ادنی خادم و غلام کی حیثیت سے داخل ہونے کو اپنے لیے باعث فخر اور سبب نجات سمجھتا ہوں، اس لیے مرزا طاہر احمد کے اس چیلنج کو قبول کرتا ہوں اور مرزا طاہر کو مبارزت کے لیے میدان مباہلہ میں آنے کی کھلے طور پر دعوت دیتا ہوں اور میری طرف سے پورا اختیار دیتا ہوں کہ وہ بنگلور میں کسی بھی ایسی جگہ کا انتخاب کرلے جو بالکل عام ہو جیسے کوئی میدان، عیدگاہ، پارک، چوراہا وغیرہ اور جو تاریخ اور وقت چاہے مقرر کرلے، مجھے منظور ہوگا۔

قادیانیو! آؤ اور اپنے امام کو حضرت خاتم النبیین ﷺ کے ایک ادنی اُمتی کے مقابلہ میں میدانِ مباہلہ میں لے آؤ۔ اور خدائی قہر و جلال کا اور آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کے اعجاز کا ایک بار پھر کھلی آنکھوں مشاہدہ کرو۔

میرا مباہلہ ''چیلنج نمبر ۱'' کے متعلق ہوگا جس کا تعلق مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوؤں اور خصوصاً دعویٰ نبوت و رسالت سے ہے۔

محمد شعیب اللہ عفی عنہ

یکم محرم الحرام ۱۴۲۰ھ ۱۸/ اپریل ۱۹۹۸ء

قادیانیوں کا مباہلہ سے ذلّت آمیز فرار

قادیانیوں کی طرف سے دیے گئے ’’چیلنجِ مباہلہ‘‘ کا جواب بندہ نے روزنامہ سالاراور روزنامہ پاسبان کے ذریعہ دیا تھا جو پاسبان میں ۳/محرم/۱۴۲۰ھ،مطابق: ۲۰/اپریل/۱۹۹۹ء کو اور روزنامہ سالار میں ۵/محرم/۱۴۲۰، مطابق: ۲۲/اپریل /۱۹۹۹ءکوشائع ہوا،اس مضمون میں میں نے کھلے الفاظ میں لکھا تھا:

’’میں مرزاطاہراحمد کے اس چیلنج (مباہلہ) کوقبول کرتاہوں اور مرزا طاہر کو مبارزت کے لیے میدانِ مباہلہ میں آنے کی کھلے طور پر دعوت دیتا ہوں اورمیری طرف سے پوراا ختیار دیتاہوں کہ وہ بنگلور میں کسی بھی جگہ کاانتخاب کرلے جو بالکل عام ہو، جیسے کوئی میدان،عیدگاہ، پارک، چوراہاوغیرہ،اور جوتاریخ یاوقت چاہے مقرر کرلے، مجھے منظور ہوگا‘‘۔

پھر میں نے لکھا تھا:

’’قادیانیو! آؤاوراپنے امام کوحضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ادنیٰ امتی کے مقابلہ میں میدان مباہلہ میں لے آؤ اور خدائی قہروجلال کا اورآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے اعجاز کاایک بارپھر کھلی آنکھوں مشاہدہ کرلو۔‘‘

اس کے جواب میں قایادنی جماعت بنگلور کے امیر محمد شفیع اللہ نے ایک خط بھیجا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) قادیانی جماعت کے امیر وامام طاہر احمد نے جن شرائط پر مباہلہ کا چیلنج مرتب کیا ہے انہی شرائط پر یہ چیلنج قبول کرنا چاہئے۔

(۲) مباہلہ دعا کے ذریعہ خدا تعالیٰ سے فیصلہ طلبی کا نام ہے، اس کے لیے کسی مخصوص مقام پر اجتماع ضروری نہیں۔

حاصل یہ کہ قادیانی امیر وامام کسی میدان میں نکل کر مباہلہ نہیں کرے گا؛ بل کہ صرف کاغذ پر دستخط کے ذریعہ مباہلہ کرے گا۔ اور دوسروں کو بھی چاہئے کہ صرف دستخط کر کے روانہ کر دیں۔

راقم الحروف نے اپنے سابقہ مضمون میں یہی لکھا تھا کہ متعدد علما اسلام نے مرزا طاہر احمد کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے اس کو میدان مباہلہ میں آنے کی دعوت دی مگر آج تک وہ اس کی ہمت نہ کر سکا؛ اسی طرح میرے چیلنج کے جواب میں بھی وہ اور اس کے حوارین میدان میں آنے کی ہمت نہ کر سکے اور آئندہ بھی یہی امید ہے کہ وہ اس کی ہمت نہ کر سکیں گے۔

عظمت اللہ قریشی قادیانی نے اپنے رسالہ میں لکھا تھا:

> ''ہم جانتے ہیں کہ ہرگز ہرگز مولوی شعیب، حضرت امام جماعت احمدیہ کا چیلنج مباہلہ قبول نہیں کریں گے؛ کیوں کہ قرآن شریف نے ان کے حق میں حتمی فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ موت کی قسم کھانے کو تیار نہیں ہوں گے۔''

مگر جب بندہ نے کھلے طور پر چیلنج کو قبول کر کے میدانِ مباہلہ میں آنے کی دعوت دی تو اب راہ فرار کی تلاش میں سرگرداں و پریشان ہیں؛ اب عظمت اللہ

قادیانی اور دیگر قادیانی بھی دیکھ لیں کہ قرآن شریف کا وہ حتمی فیصلہ کہ ''موت کی قسم کھانے کو تیار نہ ہوں گے'' کس کے حق میں ہے اور کون اس کا مصداق ہے؟ اگر تم اور تمہارا امیر موت کی قسم کھانے کو تیار ہیں تو پھر میدان میں نکلنے سے گریز کیوں ہے؟ اور ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' کے بمصداق خود ہی راہ فرار اختیار کر کے دوسروں پر اس کا الزام تھوپنے کی بے جا و مجرمانہ چال کونسی شرافت کا کام ہے؟

یک طرفہ شرائط

رہا جماعتِ قادیان بنگلور کے امیر کا یہ کہنا کہ جن شرائط پر مرزا طاہر نے چیلنج مباہلہ مرتب کیا ہے انہی شرائط پر اس کو قبول کرنا ہوگا، تو ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ یک طرفہ شرائط طے کر کے ان پر کسی کو مجبور کرنا خلافِ اصول ہے۔ کیا تمہارے امیر نے ہم سے یا ہمارے دیگر علما سے شرائط طے کیے تھے؟ اور اس پر طرفین نے رضامندی کا اظہار کیا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو مرزا طاہر کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے طور پر کوئی شرط رکھ کر چیلنج مرتب کرے، اور ساری دنیا کو مجبور کرے کہ ان شرائط کو مانو، اگر یک طرفہ شرائط پر کسی کو مجبور کیا جا سکتا ہے، تو میں مرزا طاہر کو ازسرِنو چیلنج دیتا ہوں کہ:

''وہ اگر حق پر ہے تو مباہلہ کے لیے بنگلور آئے اور اپنے ساتھ کم از کم ایک ہزار آدمیوں کو لائے اور بنگلور کے کسی بڑے عیدگاہ میں مجھ سے مباہلہ کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو ہم اس کو جھوٹا سمجھیں گے۔''

اب مرزا طاہر کو اور قادیانیوں کو یا تو میری ان شرائط پر مباہلہ کو منظور کرنا چاہئے ورنہ اپنے کو جھوٹا سمجھنا چاہئے یا یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ مرزا طاہر کے مرتب کردہ شرائط طرفین کی منظوری کے بغیر واجب العمل نہیں ہیں کہ دوسروں کو ان پر مجبور کیا جائے۔ اب ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ سنت کے مطابق مباہلہ پر وہ اور ہم دونوں اتفاق

کریں اور وہ سنتِ مباہلہ یہی ہے کہ میدان میں نکل کر مباہلہ کیا جائے۔

خلافِ سنت شرط نا قابل قبول

لہٰذا مرزا طاہر کو اسی کے موافق میدان میں نکل کر رُو در رُو مباہلہ کرنا چاہئے اور اس شرط کے خلاف، مرزا طاہر کا یہ شرط لگانا کہ ''میدان میں نکلنے کے بجائے کاغذی کارروائی کر کے صرف دستخطوں سے مباہلہ کیا جائے'' خلاف سنت ہے۔ اور خلاف سنت شرط پر وہ کسی کو مجبور نہیں کر سکتا۔

اور خود مرزا طاہر کے دادا اور قادیانیوں کے نبی مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی خلاف سنت شرط کو قبول نہیں کیا ہے اور ایسے مباہلہ کو نامنظور کیا ہے، جس میں خلافِ سنت شرط لگائی گئی تھی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مولوی غلام دستگیر قصوری ایک زبردست عالم تھے، انھوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کو مباہلہ کا چیلنج دیا اور یہ بھی شرط رکھی کہ اگر مرزا سچا ہے تو عین مباہلہ کے وقت ان مولوی صاحب پر عذاب نازل کر دے، اس پر مرزا غلام احمد قادیانی نے ان کو یہ جواب دیا جس کا خلاصہ یہ ہے:

> ''یہ مباہلہ کا طریق مسنون نہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے پادریوں سے مباہلہ کیا تھا تو عذاب کے لیے ایک سال کی میعاد رکھی تھی، نہ کہ فوراً عذاب نازل کر دیا تھا۔''(۱)

اگر مرزا قادیانی کو یہ حق ہے کہ وہ کسی شرط کے خلافِ مسنون ہونے کی وجہ سے مباہلہ کا چیلنج اس شرط پر قبول نہ کرے تو ہم کو بھی حق ہے کہ مرزا طاہر احمد کے اس چیلنج کو اس شرط پر منظور نہ کریں اور مباہلہ کی مسنون صورت پر اس کو مجبور

(۱) دیکھو: مجموعۂ اشتہارات : ۲/ ۲۹۷

کریں۔لہٰذا طاہر احمد کو چاہئے کہ وہ مسنون طریقہ پر مباہلہ کے لیے تیار ہو، ورنہ اپنے آپ کو جھوٹا سمجھے۔

مباہلہ کے لیے اجتماعِ طرفین کی شرط

رہا قادیانیوں کا یہ کہنا کہ مباہلہ خدا تعالیٰ سے فیصلہ طلبی کا نام ہے، اس کے لیے کسی مخصوص مقام پر اجتماع ضروری نہیں، تو عرض ہے کہ یہ بھی قادیانیوں کا حیلہ و بہانہ ہے اور مباہلہ سے فرار کے لیے ایک ناکام کوشش ہے:

اولاً: تو اس لیے کہ یہ قادیانی جس آیتِ مباہلہ کا حوالہ دے کر مباہلہ کا چیلنج کررہے ہیں، اس پر عمل کرتے ہوئے حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان کا رُخ کیا اور نجران کے عیسائیوں کو بھی میدان میں آکر مباہلہ کرنے کی دعوت دی، اگر مباہلہ کے لیے یہ سب ضروری نہ تھا تو اللہ کے رسول علیہ السلام نے خوامخواہ ہی یہ سب کچھ کیا تھا؟ جب کہ احادیث میں ہے کہ آیتِ مباہلہ کے اوپر عمل کرتے ہوئے آپ اہل نجران کی طرف نکل پڑے اور اپنے ساتھ حضرت حسن وحضرت حسین اور حضرت علی وحضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم سب کو لے گئے اور اُن (اہل نجران) کو بھی اپنے اہل عیال کے ساتھ نکلنے کی دعوت دی۔(۱)

لہٰذا طرفین کا اجتماع اور رُو در رُو ہو کر لعنت کرنا ہی مباہلہ کا طریق مسنون ہے، اس سے گریز دراصل قادیانیوں کی ذلت آمیز شکست ہے۔

ثانیاً: خود قادیانیوں کے نبی مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی مباہلہ کے مفہوم میں طرفین کے اجتماع کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ''انجام آتھم'' میں لکھا ہے کہ مجھے مباہلہ کی اجازت دی گئی اور الہام ہوا کہ:

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: ۸/۵۶۷،تفسیر ابن کثیر: ۲/۳۷۰،روح المعانی: ۱۱/۱۸۸

”وقالوا كتاب ممتليءٔ من الكفر والكذب ، قل تعالوا ندع أبناء نا وأبناء كم ونساء نا و نساء كم وأنفسنا وأنفسكم ثم نبتهل فنجعل لعنة اللّٰه على الكاذبين .“

(اورلوگوں نے کہا کہ یہ کتاب کفروکذب سے بھری ہوئی ہے،ان کو کہدے کہ ہم اورتم اپنے بیٹوں اورعورتوں اورعزیزوں سمیت ایک جگہ اکٹھے ہوں اورپھرمباہلہ کریں اورجھوٹوں پرلعنت بھیجیں)۔(۱)

یہ آیت مباہلہ بقول مرزاخودمرزاپرنازل ہوئی ہے اوراس سے مرزاکوتمام مخالفین سے مباہلہ کرنے کی اجازت وحکم دیا گیاہے۔چنانچہ مرزاخودہی کہتاہے کہ:

”اورمباہلہ کی اجازت کے بارے میں جوکلام الٰہی میرے پرنازل ہوا،وہ یہ ہے:

”نظر اللّٰه إليك معطراً وقالوا: أتجعل فيها من يفسد فيها ، قال : إني أعلم ما لاتعلمون ، وقالوا كتاب ممتليءٔ من الكفر والكذب ، قل تعالوا ندع أبنائنا و أبنائكم و نساء نا و نساء كم وأنفسنا وأنفسكم ثم نبتهل فنجعل لعنة اللّٰه على الكاذبين“

(یعنی خداتعالی نے ایک معطرنظرسے تجھ کودیکھااوربعض لوگوں نے اپنے دلوں میں کہا کہ اے خدا! کیا تو زمین پرایک ایسے شخص کو قائم کردے گا جودنیا میں فساد پھیلادے،تو خداتعالیٰ نے ان کوجواب دیا کہ جومیں جانتاہوں تم نہیں جانتے ،اورلوگوں نے کہا کہ اس شخص کی کتاب ایک ایسی کتاب ہے جوکفروکذب سے بھری ہوئی ہے،سوان کو

(۱) انجام آتھم: ٦٠،روحانی خزائن: ۱۱/٦٠

کہہ دے کہ آؤ ہم اور تم معہ اپنی عورتوں اور بیٹیوں اور عزیزوں کے مباہلہ کریں، پھران پر لعنت کریں جو کاذب ہیں)۔(۱)

ان عبارات میں ایک بات تو یہ کہی گئی ہے کہ ایک ساتھ اکٹھے ہو، دوسری بات یہ آئی ہے کہ فریقین اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ لائیں۔ جب خود مرزا کے الہام وحی میں مباہلہ کے لئے ''ایک جگہ اکٹھے ہو کر لعنت کرنا'' شرط ہے تو اس کو مباہلہ سے خارج قرار دینا کیا راہِ فرار اختیار کرنے کے مترادف نہیں ہے؟ اور اگر یہ کہو کہ آیت کا مفہوم الہامی نہیں ہے بل کہ مرزا غلام احمد نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے تو اب سوال یہ ہے کہ یہ مفہوم صحیح ہے یا غلط؟ اگر صحیح ہے، تو بس اس کو قبول کر کے میدان میں آؤ اور اگر غلط ہے تو معلوم ہوا کہ مرزا قادیانی اللہ تعالیٰ کے کلام کا غلط مطلب بیان کرتا تھا، اور ایسا کرنے والا نبی کیسے ہو سکتا ہے؟

ثالثاً: مرزا قایادنی نے اپنے زمانہ میں علما اسلام اور عیسائی پادریوں اور ہندو پنڈتوں کو جو مباہلہ کے لیے بلایا تو اس میں ان کو ''میدانِ مباہلہ'' میں آنے اور اس کے لیے کوئی مقام و وقت و تاریخ مقرر کرنے کی دعوت دی ہے۔ مثلاً ''انجام آتھم'' میں عیسائی پادریوں سے کہتا ہے:

''ربانی فیصلہ کے لیے طریق یہ ہوگا کہ میرے مقابل پر ایک معزز پادری صاحب جو پادری صاحبان مندرجۂ ذیل میں سے منتخب کیئے جائیں، میدان مقابلہ کے لیے جو تراضی طرفین سے مقرر کیا جائے تیار ہوں، پھر بعد اس کے ہم دونوں معہ اپنی اپنی جماعتوں کے میدانِ مقررہ میں حاضر ہو جائیں اور خدا تعالیٰ سے دعا کے ساتھ

(۱) تذکرہ: ۲۱۱، آئینہ کمالات اسلام: ۲۶۳-۲۶۵، روحانی خزائن: ۲۶۳/۵-۲۶۵، مجموعۂ اشتہارات: ۲۴۳/۱-۲۴۴

یہ فیصلہ چاہیں کہ ہم دونوں میں سے ایک سال میں اس کاذب پر وہ قہر نازل کرے جو اپنی غیرت کی وجہ سے ہمیشہ کاذب اور مکذب پر کیا جاتا ہے۔''(۱)

اور علماءِ اسلام کو مخاطب کر کے لکھا ہے:

''میں ان سب کو اللہ جل شانہ کی قسم دیتا ہوں کہ مباہلہ کے لیے تاریخ اور مقام مقرر کر کے جلد مباہلہ کے میدان میں آویں، اور اگر نہ آئے اور تکفیر و تکذیب سے باز نہ آئے تو خدا کی لعنت کے نیچے مریں گے۔''(۲)

نیز جب مولوی عبدالحق غزنوی رحمہ اللہ نے مرزا کو مباہلہ کا چیلنج دیا تو اس کے جواب میں مرزا نے جو اشتہار شائع کیا اس میں صاف لکھا:

''مجھ کو اس شخص اور ایسا ہر ایک مکفّر سے جو عالم و مولوی کہلاتا ہے، مباہلہ منظور ہے، اور میں امید رکھتا ہوں کہ ان شاء اللہ القدیر تیسری یا چوتھی ذی قعدہ/۱۳۱۰ھ تک امرتسر میں پہنچ جاؤں گا، اور تاریخ مباہلہ دہم ذی قعدہ اور یا بصورت بارش وغیرہ کسی ضروری وجہ سے گیارھویں ذی قعدہ ۱۳۱۰ھ قرار پائی ہے، جس سے کسی صورت میں تخلف لازم نہیں ہوگا اور مقام مباہلہ عیدگاہ جو قریب مسجد خان بہادر محمد شاہ مرحوم قرار پایا ہے۔............ پھر آگے چل کر کہا کہ:............ اور اگر یہ لوگ (یعنی علماء اسلام) باوجود پہنچنے ہمارے رجسٹری شدہ اشتہارات کے حاضر میدان مباہلہ نہ ہوئے تو یہی ایک پختہ دلیل اس بات پر ہوگی

(۱) انجام آتھم: ۴۰، روحانی خزائن: ۱۱/۴۰، مجموعۂ اشتہارات: ۲/۲۵۲

(۲) انجام آتھم: ٦٩، روحانی خذائن: ۱۱/٦٩، مجموعۂ اشتہارات: ۲/۲۸۷

کہ وہ درحقیقت اپنے عقیدۂ تکفیر میں اپنے تئیں کاذب اور ظالم اور ناحق پر سمجھتے ہیں۔"(۱)

ان تمام عبارات میں مرزا نے میدان مباہلہ میں نکلنے کا مطالبہ کیا ہے۔ اور نہ نکلنے پر لعنت بھیجی ہے اور اس کو فریق مخالف کے جھوٹا ہونے کی دلیل بتایا ہے۔ اگر مباہلہ کے لیے یہ ضروری نہ تھا تو مرزائے قادیان نے اتنی شدت سے اس کا مطالبہ کیوں کیا؟

بہ ہر حال قادیانیوں کا یہ کہنا کہ مباہلہ کے لیے کسی جگہ اجتماع ضروری نہیں، نہ سنت کے مطابق صحیح ہے اور نہ مرزا قادیانی کے مطابق صحیح ہے۔

اس سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ "مرزا طاہر احمد" جس طرح دیگر علماء کے اس شدید مطالبہ کے باوجود کہ "میدان مباہلہ میں نکلو" کبھی ہمت نہ کر سکا؛ اسی طرح اس بندۂ عاجز کے چیلنج پر بھی وہ کبھی میدان مباہلہ میں نکلنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔

اور میں نے پہلے ہی لکھ بھی دیا تھا کہ مرزا طاہر احمد نے جو علما و عمائدین کے نام چیلنج مباہلہ شائع کیا ہے، یہ محض نام نہاد مباہلہ ہے جو صرف اپنی جماعت (قادیانی) کو مارفیا کا انجکشن دے کر سلا دینے اور حقائق سے بے خبر رکھنے کے لیے شائع کیا گیا ہے۔ چناں چہ یہ بات صاف ظاہر ہو گئی اور قادیانیوں کا ذلت آمیز طور پر راہ فرار اختیار کرنا بھی اس سے ظاہر ہو گیا۔

میں نے اپنے گزشتہ مضمون میں چند حوالے دیے تھے کہ متعدد حضرات علما نے مرزا طاہر قادیانیوں کے چیلنج کے جواب میں اس کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے میدان میں آنے کی دعوت دی مگر آج تک وہ ہمت نہ کر سکا؛ اسی طرح مرزا طاہر احمد کے

(۱) مجموعۂ اشتہارات : ۱/۴۲۰-۴۲۴

باپ مرزا البشیر الدین محمود خلیفۂ ثانی مرزا قادیانی کو بھی متعدد لوگوں نے مباہلہ کے لیے چیلنج دیا تھا مگر بقول مرزا ''لعنت کے نیچے مرنا'' تو اس نے پسند کیا اور کسی سے مباہلہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور یہ بھی یاد رہے کہ بشیر الدین محمود کو، جن لوگوں نے مباہلہ کے لیے دعوت دی تھی، ان میں ایک کثیر تعداد خود قادیانیوں کی ہے۔ اوران لوگوں نے بشیر الدین خلیفہ قادیان کو اخلاقی جرائم کا مرتکب قرار دیا اور زانی اور اغلام باز قرار دیا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ خود اپنی بیٹیوں سے زنا کا مرتکب قرار دیا اور بشیر الدین خلیفہ قادیان کو چیلنج دیا کہ وہ اس بارے میں مباہلہ کرے مگر اتنے شدید اور غلیظ الزامات کے باوجود مرزا البشیر الدین نے کبھی ہمت نہ کی کہ مباہلہ کے لیے نکلے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے تاریخِ محمودیت کے چند پوشیدہ اوراق، اور مرزائیوں کی روحانی شکارگاہ اور جریدہ مباہلہ بابت جون ۱۹۲۹ء، ان سب کے اقتباسات اور حوالوں کے عکس کے لیے دیکھئے محمد متین خالد کی شاہکار کتاب ''ثبوت حاضر ہیں'')

الغرض یہ قادیانیوں کی پُرانی روش اور موروثی چال ہے کہ بلند بانگ دعوے کر کے عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب علماء مقابلہ پر آتے ہیں تو حیلے بہانے بتاتے ہیں۔ اور در حقیقت یہ سب بھی اسلام کی فتح اور قادیانیت کی شکست کے لیے خدائی انتظام ہے۔ اے کاش کہ قادیانیوں کو اب بھی عقل آجائے اور وہ ہدایت پر قائم ہونے کی کوشش کریں!

فقط

محمد شعیب اللہ خان

۷/صفر ۱۴۲۰ھ مطابق: ۲۳/مئی ۱۹۹۹ء

انتباہ وعبرت

راقم الحروف احقر محمد شعیب اللہ خان نے جو قادیانی امیر مرزا طاہر کا چیلنج مباہلہ کا جواب دیتے ہوئے، اس کو واضح الفاظ میں قبول کیا تھا اور لکھا تھا کہ ''مرزا طاہر احمد کے اس چیلنج کو قبول کرتا ہوں اور مرزا طاہر کو مبارزت کے لیے میدان مباہلہ میں آنے کی کھلے طور پر دعوت دیتا ہوں اور میری طرف سے پورا اختیار دیتا ہوں کہ وہ بنگلور میں کسی بھی ایسی جگہ کا انتخاب کرلے جو بالکل عام ہو جیسے کوئی میدان، عیدگاہ، پارک، چوراہا وغیرہ اور جو تاریخ اور وقت چاہے مقرر کرلے، مجھے منظور ہوگا۔

قادیانیو! آؤ اور اپنے امام کو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ایک ادنی اُمتی کے مقابلہ میں میدانِ مباہلہ میں لے آؤ۔ اور خدائی قہر وجلال کا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے اعجاز کا ایک بار پھر کھلی آنکھوں مشاہدہ کرو۔''

یہ تحریر یکم محرم الحرام ۱۴۲۰ھ کی ہے اور یہ تحریر روز نامہ سالار میں ۵/ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ کو اور روز نامہ پاسبان، میں ۳/ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ کو شائع ہوئی تھی، اور آج بتاریخ: ۱۷/ جمادی الاخری، ۱۴۲۹ھ کو اس پر نو برس چھ ماہ کا ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے؛ مگر کسی قادیانی کو تو ایک طرف خود مرزا طاہر کو اس کی ہمت نہ ہوئی کہ میرے اس جواب پر وہ میدان مباہلہ میں قدم رکھتا، حتی کہ اسی بے شرمی و ذلت کے ساتھ وہ اس دنیا سے جا چکا ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہو گیا کہ قرآن شریف نے جن کے حق میں حتمی فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ موت کی قسم کھانے کو تیار نہیں ہوں گے، یہ یہی لوگ ہیں،

اور خود مباہلہ کی دعوت دیکر مباہلے سے فرار کی ذلت والی راہ اختیار کرنے والے یہی بے شرم لوگ ہیں۔

کیا یہ قادیانیوں کے لیے ایک تازیانۂ عبرت نہیں اور حقیقت تک رسائی کے لیے ایک خدائی نشان نہیں ؛ مگر جن کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے، ان کو حقائق کھلے ہوئے ہونے کے باوجود نظر نہیں آتے اور وہ دل کے اندھے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔

قادیانیو! میں تمہیں دعوت غور وفکر دیتا ہوں اور ان واقعات سے عبرت حاصل کرنے اور صداقت کو پانے کی جستجو کا مشورہ دیتا ہوں اور اسلام کی طرف آنے اور قادیانیت کے جھوٹے مذہب کا طوق اپنی گردنوں سے اتار پھینکنے کی تلقین کرتا ہوں، تاکہ تم بھی حضرت خاتم المرسلین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم تلے آجاؤ اور ابدی سکون وراحت حاصل کرسکو۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

۱۷/ جمادی الاخری، ۱۴۲۹ھجری

کیا عورت بغیر محرم سفر کرسکتی ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا عورت بغیر محرم سفر حج کر سکتی ہے؟

حج ایک عظیم الشان عبادت ہے، محض سیر و تفریح اور کھیل تماشا نہیں ہے؛ اسی لئے حج کے متعلق شریعتِ اسلامیہ نے بڑی تفصیل و وضاحت سے کام لے کر اس کے ظاہری و باطنی اصول و آداب بیان فرمائے ہیں، انھی اصول و شرائط میں سے ایک اہم اصول و شرط یہ ہے کہ عورت سفر حج میں اپنے شوہر یا محرم کو ساتھ لے کر جائے گی، بغیر شوہر یا محرم عورت سفر حج نہیں کر سکتی۔ اور محرم سے مراد ایسا مرد ہے، جس کے ساتھ اس عورت کا نکاح نہ ہو سکتا ہو، جیسے بھائی، باپ، بیٹا وغیرہ۔

بلا محرم سفر سے متعلق احادیث نبویہ

اب اولاً بغیر محرم عورت کا سفر حج پر جانے کے بارے میں چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« لا تسافر المرأة ثلاثة أيام إلا مع ذي محرم. »

(عورت تین دن (کی مسافت) کا سفر نہ کرے؛ مگر یہ کہ اس کے

ساتھ محرم ہو)(۱)

(۲) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« لا يَحِلُّ لامرأةٍ تؤمن بالله واليومِ الآخِرِ أنْ تُسَافِر سفراً يَكوْن ثَلاثَةَ أيَّامٍ فَصَاعداً إلا وَمَعَها أبُوها أو أخُوها أو زوجُها أو ابْنُها أو ذو محرم منها »

(کسی عورت کے لیے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے، حلال نہیں کہ تین دن یا اس سے زیادہ (کی مسافت) کا سفر کرے؛ مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا باپ یا اس کا بھائی یا اس کا شوہر یا بیٹا یا اور کوئی محرم ہو)۔(۲)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ عورت تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت کا سفر بغیر محرم کے نہیں کر سکتی، یہ اس کے لئے حلال و جائز نہیں اور تین دن کی مسافت اگر ہوائی جہاز سے چند گھنٹوں میں طے ہو جائے تب بھی عورت کے لیے بلا محرم سفر کی اجازت نہیں ہے اور تین دن کی مسافت تقریباً اڑتالیس میل یا سوا ستتر کلو میٹر ہوتی ہے جیسا کہ اپنی جگہ اس کی تفصیل و تحقیق موجود ہے۔(۳)

بعض احادیث میں عورت کے لیے بلا محرم دو دن کے سفر کی ممانعت بھی آئی ہے اور بعض روایات میں ایک دن کے سفر کی ممانعت بھی آئی ہے اور بعض میں عورت کو بلا

---

(۱) البخاري: ۱/۱۴۷، مسلم: ۱/۴۳۳، ابو داؤد: ۱/۲۴۲، طحاوي: ۱/۳۰۲

(۲) ترمذی: ۱/۲۲۰، مسلم: ۱/۴۳۴، ابو داؤد: ۱/۲۴۲، طحاوي: ۱/۳۰۲

(۳) اوزان شرعیہ مؤلفہ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اور شرعی مسافت مؤلفہ مفتی مولانا مہربان علی صاحب دیکھئے

محرم سفر سے مطلقاً منع کیا گیا ہے۔ (۱)

اس قسم کی روایات کے پیش نظر بعض علمانے فرمایا ہے کہ عورت چھوٹے یا بڑے کسی سفر میں بھی بغیر محرم کے نہیں جاسکتی۔ (۲)

مگر احناف نے تین دن کے سفر والی روایات کو اصل قرار دیا ہے اور انہی پر یہ مسئلہ مبنی کیا ہے کہ عورت تین دن کی مسافت کا سفر بغیر محرم نہیں کرسکتی، یہ روایت اگر چہ مطلق سفر کے بارے میں ہے؛ مگر فقہا نے سفر حج کے لیے بھی ان کو مدار قرار دیا ہے، ویسے بعض روایات میں حج کے سفر کا بھی ذکر آیا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« لا تَحُجَّنَّ امْرأةٌ إلَّا ومعها ذُو مَحْرِمٍ . »

(کوئی عورت ہرگز حج نہ کرے؛ مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا محرم ہو۔) (۳)

اس حدیث میں صراحت کے ساتھ عورت کو حج کے سفر پر بلا محرم جانے سے منع کیا گیا ہے اور اس حدیث کی سند صحیح ہے، جیسا کہ گزرا، اس سے معلوم ہوا کہ سفر حج کا بھی وہی حکم ہے جو عام سفروں کا ہے لہٰذا عورت کو بغیر محرم حج کے لئے بھی نہیں جانا چاہئے، یہ ناجائز ہے۔

---

(۱) روایات کے لیے دیکھئے بخاری: ۱/ ۱۴۸، مسلم: ۱/ ۴۳۵ تا ۱/ ۴۳۶، ابو داؤد ۱/ ۲۴۱- ۱/ ۲۴۲، الترمذي: ۱/ ۲۲، طحاوي: ۱/ ۳۰۱- ۱/ ۳۰۳ وغیرہ

(۲) شرح مسلم للنووی: ۱/ ۴۳۲

(۳) دار قطني: ۲/ ۲۲۲، ابن حجر نے فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے، الدرایہ مع الهدايه: ۱/ ۲۱۳

اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« لا يخلون رجل بامرأة و لا تسافرن امرأة إلا ومعها محرم . »

(کوئی مرد کسی اجنبی عورت سے ہرگز ہرگز تنہائی اختیار نہ کرے اور نہ کوئی عورت بغیر محرم سفر کرے) یہ سن کر ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ یا رسول اللہ! میں نے ایک غزوہ میں جانے کے لیے اپنا نام لکھا یا ہے اور میری عورت حج پر جا رہی ہے۔آپ نے فرمایا: "اذهب وحج مع امرأتك" (واپس جا کر اپنی عورت کے ساتھ حج کر۔)(۱)

اس حدیث کے عموم میں "سفر حج" کے داخل ہونے پر امام ابو بکر الجصاص رحمہ اللہ نے اپنی کتاب " احکام القرآن" میں تین طرح سے استدلال کیا ہے: ایک یہ کہ سائل نے رسول اللہ ﷺ کے اس کہنے سے کہ "عورت بلا محرم سفر نہ کرے"، یہی سمجھا کہ اس سے سفر حج بھی مراد ہے ،اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی تائید کی ،اوران کے اس سمجھنے پر کوئی نکیر بھی نہیں کی ،اگر یہ آپ کی مراد نہ ہوتی تو آپ ان پر نکیر فرماتے ، دوسرے یہ کہ آپ نے اس حدیث میں خود ہی فرما دیا کہ: اپنی عورت کے ساتھ حج کر' اس میں اس بات کی خبر ہے کہ اس حدیث سے آپ کی مراد سفر حج بھی ہے ،اور تیسرے یہ کہ آپ نے اس شخص کو غزوہ چھوڑ کر بیوی کے ساتھ حج کرنے کو فرمایا ،اگر عورت کا بغیر محرم سفر جائز ہوتا تو آپ

---

(۱) البخاري: ۲۸۲۲،صحیح ابن حبان: ۷/۹/۲،طبرانی کبیر : ۱۱/۴۲۴،مسند ابو یعلی: ۴/۲۷۹

اس قدر بڑے اور اہم کام سے ان کو نہ روکتے۔ (۱)

محرم کے شرط ہونے پر فقہا کی تصریحات

ان احادیث کی روشنی میں امام ابو حنیفہ وامام احمد بن حنبل رحمہما اللہ نے عورت کے لئے سفر حج میں محرم کا شرط ہونا اخذ کیا ہے، اس سلسلہ میں ہم فقہا حنفیہ و حنابلہ کی تصریحات پیش کرتے ہیں:

فقہا حنفیہ میں سے امام ابو بکر جصاص حنفی رحمہ اللہ نے "احکام القرآن" میں فرمایا:

"وعندنا أن وجود المحرم للمرأة من شرائط الحج ، لما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: " لا يَحِلُّ لامرأةٍ تؤمن بالله واليومِ الآخِرِ أنْ تُسَافِر سفراً فوق ثلَاث إلَا مَعَ ذي محرم أو زوج " الخ

(یعنی ہمارے نزدیک عورت کے لیے محرم کا ہونا شرائط حج میں سے ہے؛ کیوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کسی عورت کے لیے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے، حلال نہیں کہ تین دن سے زیادہ (کی مسافت) کا سفر کرے؛ مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر یا کوئی محرم ہو۔) (۲)

اور مشہور حنفی فقیہ علامہ برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

" يعتبرفي المر أة أن يكون لها محرم تحج به أو

(۱) احکام القرآن للجصاص : ۳۰۹/۲

(۲) احکام القرآن: ۳۰۸/۲

زوج........ ونفقة المحرم عليها". (۱)

(یعنی عورت کے بارے میں اس بات کا اعتبار کیا جاتا ہے کہ اس کا کوئی محرم یا شوہر ہو جو اس کے ساتھ حج کرے........اور اس کے محرم کا خرچ بھی عورت ہی پر ہے۔)

اسی طرح درمختار، شامی، بحرالرائق، الجوہرۃ النیرۃ وغیرہ کتب فقہ میں تصریح موجود ہے کہ عورت کے حق میں یہ بھی شرط ہے کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر یا محرم بھی سفر کرے اور یہ کہ اس پر اپنے شوہر یا محرم کے سفر کا خرچہ بھی ہو۔ (۲)

اور فقہائے حنابلہ میں سے مشہور فقیہ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے "**الکافی**" میں لکھا ہے:

"في حج المرأة ثلاثة أمور ،أحدها : لا يحل لها السفر إليه بغير محرم لما روى أبو هريرة رضي الله عنه قال قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم "لا يَحِلُّ لامرأةٍ تؤمن بالله واليومِ الآخِرِ أنْ تُسَافِر مسيرة يوم إلا وَمَعَها ذو محرم "

(عورت کے حج میں تین امور ہیں: ایک یہ کہ اس کے لیے بغیر محرم کے حج کا سفر حلال نہیں؛ کیوں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی عورت کے لیے، جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے، حلال نہیں کہ ایک دن (کی مسافت)

---

(۱) الهدايه: ۱/۲۱۳-۲۱۴

(۲) دیکھو: درمختار مع شامی: ۲/۱۴۶۴، اور البحر الرائق : ۲/۳۳۸اور الجوهرة النيرة :۱/۲۱۸

کا سفر کرے؛ مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا محرم ہو۔)(۱)

ابن قدامہ رحمہ اللہ ہی نے اپنی دوسری کتاب ''المغنی'' میں بیان کیا ہے:

''جس عورت کو محرم میسر نہ آئے اس پر حج فرض نہیں ہوتا، امام احمد رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کی تصریح کی ہے، چنانچہ ابوداؤد رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا کہ جو عورت مالدار ہو اور اس کا محرم نہ ہو تو کیا اس پر حج واجب ہے؟ فرمایا کہ نہیں، ابن قدامہ رحمہ اللہ نے اسی کو امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب قرار دیا ہے۔''(۲)

علامہ ابن تیمیہ حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''أن المرأة لايجب عليها أن تسافر للحج ولايجوز لها ذلك إلا مع زوج أو ذي محرم ، لما روى ابن عمر قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم : لا تسافر المرأة ثلاثاً إلا و معها ذو محرم.

............آگے مزید احادیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:......

..................فهذه نصوص من النبي صلی اللہ علیہ وسلم في سفر المرأة بغير محرم ، و لم يخصص سفرا من سفر مع أن سفر الحج من أشهرها و أكثرها''

(عورت کے لیے سفر حج نہ واجب ہے اور نہ جائز ہے مگر یہ کہ اس کے ساتھ محرم یا شوہر ہو؛ کیونکہ ابن عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) الكافي: ۱/۳۸۴

(۲) المغنی: ۳/۹۷

سے روایت کیا کہ عورت بغیر محرم تین دن کا سفر نہ کرے ....
............آگے مزید احادیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں ....
............پس یہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی جانب سے بغیر محرم کے عورت کے سفر کرنے کے بارے میں تصریحات ہیں، آپ نے کسی سفر کی اس سے تخصیص نہیں کی جبکہ سفرِ حج زیادہ مشہور بھی ہے اور زیادہ پیش آنے والا بھی ہے۔)(۱)

پھر آگے چل کر فرمایا کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ عورت کے لیے سفر جائز نہیں مگر اس طرح کہ جس میں بلاء و مصیبت سے امن ہو، پھر بعض فقہاء نے اپنے اپنے انداز پر عورت کے لیے کسی محافظ کا ذکر کیا ہے، جیسے قابل اعتبار عورتوں یا مامون مردوں کا ہونا وغیرہ، اور اس کے بغیر اس کو سفر سے منع کیا ہے؛ لیکن اللہ و رسول نے جو شرط لگائی ہے (کہ محرم یا شوہر ساتھ ہو) وہ احق واوثق ہے۔(۲)

ان عبارات سے امام ابو حنیفہ و امام احمد رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اور ان کے متبعین کا مسلک معلوم ہو گیا کہ عورت بغیر محرم کے سفر نہیں کر سکتی، خواہ وہ عام سفر ہو یا حج کا سفر ہو، یہ اس کے لیے نا جائز ہے اور جس کو محرم میسر نہ ہو اس پر یا تو حج ہی فرض نہیں ہوتا یا فوری طور پر اس کی ادائیگی واجب نہیں ہوتی۔

مالکیہ و شوافع کا مسلک

اب رہے امام مالک و امام شافعی رَحِمَهُمَا اللّٰهُ، تو یہ حضرات بھی ان احادیث کی وجہ سے فی الجملہ اس کے قائل ہیں کہ عورت کے سفر کے لئے محرم یا شوہر کا ہونا ضروری

(۱) شرح العمدۃ: ۱۷۴/۲
(۲) شرح العمدۃ: ۱۷۶/۲

ہے،ان حضرات کا صرف اس میں اختلاف ہے کہ اگرمحرم یا شوہر نہ ہو یا ساتھ نہ جائے تو کیا معتبر لوگوں کی جماعت کے ساتھ عورت کو حج کے لیے سفر کرنا جائز ہے یا نہیں، یہ دونوں ائمہ کہتے ہیں کہ جائز ہے،اور امام ابوحنیفہ وامام احمد رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ جائز نہیں، پھر امام مالک رحمہ اللہ مردوں کی جماعت ہو یا عورتوں کی ہو یا دونوں کا مجموعہ ہو کسی میں بھی شامل ہو کر حج کرنے کی عورت کو اجازت دیتے ہیں، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ ثقہ عورتوں کی جماعت ہونا چاہئے۔

ابو القاسم العبدری مالکی رحمہ اللہ نے ابن حبیب رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

" لها أن تخرج للفرض بلا إذن الزوج وإن لم تجد محرماً ولا بد في التطوع من إذنه والمحرم ، وقال خليل في مناسكه: ليس من شروط استطاعة المرأة وجود زوج أو محرم على المشهور، بل يكتفي بالرفقة المأمونة، هذا في حج الفريضة وأما في النافلة فلا. "

(عورت کو اجازت ہے کہ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر حج کو جائے اگرچہ اس کو محرم نہ ملے؛ لیکن نفلی حج میں ضروری ہے کہ شوہر کی اجازت اور ساتھ محرم ہو اور خلیل نے کہا کہ مشہور قول پر عورت کے لیے حج کی استطاعت ہونے کی شرطوں میں سے یہ نہیں ہے کہ شوہر یا محرم ہو؛ بل کہ قابل اطمنان رفقاء ہوں تو یہ کافی ہے، یہ حج فرض میں ہے؛ لیکن نفلی حج میں ایسا نہیں۔)(۱)

(۱) التاج والاکلیل: ۲/۵۲۱

اور مالکیہ کی معروف کتاب ’’مواهب الجليل‘‘ میں ہے:

’’ ويشترط في وجوب الحج على المرأة أيضاً وجود زوج أو محرم، فإن لم يكن لها محرم ولا زوج، فيجب عليها الخروج للحج في الفرض في الرفقة المأمونة .‘‘

(اورعورت پر حج فرض ہونے کے لئے شوہر یا محرم کا ساتھ ہونا بھی شرط ہے، پس اگر اس کا کوئی محرم نہ ہو اور نہ شوہر ہو تو اس پر ضروری ہے کہ وہ حج فرض کے لیے قابل اطمنان لوگوں کے ساتھ نکلے۔)(۱)

اور’’الفواکہ الدوانی‘‘ میں ہے:

’’ وعلى كل حال لا بد في سفرها من محرم أو زوج أو رفقة مأمونة فإنها تقوم مقام المحرم او الزوج عند تعذرهما ، لكن في حج الفرض دون النفل.‘‘

(ہر صورت میں عورت کے سفر کے لیے ضروری ہے کہ محرم یا شوہر یا قابل اعتبار لوگ ہوں؛ کیوں کہ شوہر اور محرم نہ ہونے کی صورت میں یہ ان کے قائم مقام ہوتے ہیں، لیکن یہ بات حج فرض میں ہے، نہ کہ نفلی حج میں۔)(۲)

یہ تو مالکیہ کے مسلک کا حوالہ تھا، جس میں یہ بھی تصریح ہے کہ محرم یا شوہر نہ ہونے کی صورت میں رفقہ کی جماعت ان کے قائم مقام ہوتی ہے؛ لہٰذا اگر محرم یا شوہر میسر ہو تو ان کے نزدیک بھی عورت کو بلا محرم جانے کی اجازت نہ ہوگی۔

(۱) مواهب الجليل: ۵۲۱/۲

(۲) الفواكه الدوانى: ۳۶۳/۱

اب لیجئے شوافع کی کتاب ''المھذب'' میں امام شیرازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

'' وإن كانت امرأة لم يلزمها إلا أن تأمن على نفسها بزوج أو محرم أو نساء ثقات .''

(اگر حج کرنے والی عورت ہے تو اس پر حج واجب نہیں؛ مگر یہ کہ وہ اپنے نفس کی شوہر یا محرم یا معتبر عورتوں کے ذریعہ حفاظت کرے۔)(۱)

امام نووی رحمہ اللہ شافعی مہذب کی شرح میں مذکورہ قول ذکر کرکے فرماتے ہیں:

'' فأي هذه الثلاثة وُجِدَ لزمها الحج بلا خلاف، وإن لم يكن شيء من الثلاثة لم يلزمها الحج على المذهب، سواء وجدت امرأةً واحدةً أم لا .''

(ان تین امور میں سے جو بھی پایا جائے تو عورت پر بلا کسی اختلاف کے حج لازم ہو جاتا ہے، اور اگر ان میں سے کوئی بات بھی نہ ہو تو شافعی مذہب کی رو سے عورت پر حج لازم نہ ہوگا خواہ وہ ایک عورت ہی کو پائے یا نہ پائے)(۲)

اورعلامہ زین الدین ملیباری شافعی رحمہ اللہ ''فتح المعین'' میں لکھتے ہیں:

''وشرط للوجوب على المرأة مع ما ذكر أن يخرج معها محرم أو زوج أو نسوة ثقات.''

(عورت پر حج کے واجب ہونے کے لیے مذکورہ باتوں کے ساتھ

---

(۱) المهذب : ۱/۱۹۷

(۲) المجموع شرح المهذب: ۷/۵۵

یہ بھی شرط ہے کہ اس کے ساتھ اس کا محرم یا شوہر یا ثقہ عورتیں بھی جائیں۔)(۱)

امام مالک وامام شافعی رحمہما اللہ کے مسلکوں میں صرف یہ فرق ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ عورتوں کی جماعت کی قید نہیں لگاتے اور امام شافعی رحمہ اللہ عورتوں کی قید لگاتے ہیں؛ لیکن امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک میں بھی اکثر علماء کا رجحان اسی طرف ہے کہ عورتوں کی جماعت ہونا چاہئے۔

علامہ عبدری التاج والاکلیل میں فرماتے ہیں کہ صرف عورتوں پر اکتفاء کرے یا صرف مردوں کی جماعت پر یا دونوں کے مجموعہ پر، اس میں تردد ہے اور اکثر نے یہ نقل کیا ہے کہ عورتوں کا ہونا شرط ہے۔(۲)

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ایک قول امام احمد رحمہ اللہ سے بھی یہی نقل ہوا ہے کہ معتبر لوگوں کے ساتھ حج فرض کے لیے عورت جاسکتی ہے، چنانچہ اثرم نے نقل کیا ہے:

" لا يشترط المحرم في الحج الواجب، قال أحمد: لأنها تخرج مع النساء و مع كل من أمنته ."

(حج فرض میں محرم شرط نہیں، امام احمد نے کہا: کیوں کہ وہ عورتوں کے ساتھ نکلے گی یا ایسے لوگوں کے ساتھ جن پر اطمینان ہو۔)(۳)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ محرم یا شوہر نہ ہونے کی صورت میں تین ائمہ کے نزدیک

---

(۱) فتح المعین: ۳۸۳

(۲) التاج والاکلیل: ۵۲۱/۲

(۳) الفروع: ۱۷۷/۳، الانصاف للمرداوی: ۴۱۱/۳

اس کی گنجائش ہے کہ عورت اپنا حج فرض ادا کرنے کے لیے معتبر لوگوں کے ساتھ جا سکتی ہے۔

محرم یا شوہر نہ ہو تو عورت پر حج نہیں

اوپر کی تفصیل سے یہ بھی واضح ہوا کہ متعدد ائمہ کے نزدیک محرم یا شوہر میسر نہ ہو تو عورت پر حج ہی فرض نہیں ہوتا۔ فقہاء حنفیہ نے لکھا ہے کہ شرائطِ حج میں سے عورت کے حق میں دو شرطیں خاص ہیں یعنی ان دو شرطوں کا تعلق صرف عورت سے ہے، مرد سے نہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) شوہر یا محرم کا ہونا (۲) عورت کے پاس اپنے اخراجات کے علاوہ محرم کا خرچ بھی ہونا۔(۱)

معلوم ہوا کہ عورت کے ساتھ شوہر یا محرم کے ساتھ میں نہ ہونے یا اس کا خرچہ پاس میں نہ ہونے کی صورت میں عورت پر حج کی ادائیگی ضروری نہیں ہے۔

البتہ ان شرائط کے سلسلہ میں علماء کا کچھ اختلاف ہے، اس کی تفصیل و تحقیق بھی ضروری ہے؛ پہلی شرط ''یعنی سفر میں محرم کا ساتھ ہونا'' اس سلسلہ میں علما کے مابین اختلاف ہے کہ یہ شرطِ وجوب ہے یا شرطِ ادا ہے۔

صاحب ہدایہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

> ''علما نے محرم کے بارے میں اختلاف کیا ہے کہ وہ شرط وجوب ہے یا شرط ادا ہے۔''(۲)

بعض علماء اس کو شرط وجوب قرار دیتے ہیں اور بعض علماء شرط ادا قرار دیتے ہیں، شرط وجوب اور شرط ادا میں فرق یہ ہے کہ شرط وجوب وہ ہے جس پر وجوب

---

(۱) ھدایة: ۱/۲۱۳-۲۱۴

(۲) ھدایہ: ۱/۲۱۴

موقوف ہوتا ہے کہ اگر یہ شرط پائی گئی تو واجب ہوگا ورنہ نہیں اور شرط ادا یہ ہے کہ وجوب تو ہو چکا ہے؛ لیکن اس کی ادائیگی کا وجوب اس پر موقوف ہے کہ یہ شرط پائی جائے، اگر پائی گئی تو ادائیگی لازم ہوگی ورنہ نہیں۔

انتباہ: یہاں ایک اہم نکتہ یاد رکھنا چاہئے کہ شرط وجوب نہ پائی جائے تو اس شرط کی تحصیل ضروری نہیں، مثلاً کسی کے پاس روپیہ نہیں ہے تو حج کرنے کے لیے روپیہ جمع کرنا ضروری نہیں؛ لیکن شرط ادا نہ پائی جائے تو اس کی تحصیل واجب ہے، مثلاً شوہر یا محرم کا ہونا اور محرم کا خرچہ اگر شرط وجوب ہو تو شوہر بنانے کے لئے شادی کرنا یا محرم کا خرچہ جمع کرنا واجب نہ ہوگا اور اگر اس کو شرط ادا کہیں تو یہ چیزیں واجب ہوں گی۔(۱)

بہر حال اس میں اختلاف ہے کہ یہ شرط وجوب ہے یا شرط اداء؟ اور امام احمد رَحِمَہُ اللہُ کے مسلک میں بھی یہی دو قول ملتے ہیں، کہ بعض نے یہ نقل کیا ہے کہ محرم کی شرط شرط وجوب ہے اور بعض نے نقل کیا ہے کہ یہ شرط ادا ہے۔(۲)

پس بعض علما کے نزدیک محرم یا شوہر نہ ہونے کی صورت میں عورت پر حج ہی فرض نہ ہوگا؛ کیوں کہ ان کے نزدیک محرم کا ہونا شرط وجوب ہے اور دوسرے علما فرماتے ہیں کہ عورت پر اس کے بغیر بھی حج تو واجب ہو جائے گا، البتہ ادائیگی اس وقت تک لازم نہ ہوگی جب تک کہ محرم نہ ملے، اگر آخر عمر تک بھی محرم نہ ملا تو حج بدل کی وصیت کر جائے۔ یہ ان علماء کے پاس ہے جو محرم وشوہر کے ساتھ جانے کو شرطِ ادا کہتے ہیں۔

---

(۱) البحر الرائق: ۲/۳۴۰

(۲) دیکھو: الانصاف: ۳/۴۱۱، الفروع: ۳/۱۷۵

رہا یہ سوال کہ ان دوقولوں میں سے صحیح وراجح قول کون سا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں بھی اختلاف ہے، علامہ کاسانی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے ''بدائع'' میں شرط وجوب والے قول کو صحیح قرار دیا ہے، اور علامہ ابن الھمام، قاضی خان اور صاحب نہایہ رحمہم اللہ نے شرطِ اداوالے قول کو صحیح وراجح قرار دیا ہے۔(۱)

اور علماء حنابلہ کے یہاں بھی ان اقوال کی تصحیح وترجیح میں اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن اکثر اصحاب نے جس کو ترجیح دی ہے اور اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ بلامحرم بھی عورت پر حج واجب ہو جاتا ہے؛ لیکن ادائیگی کا لزوم موقوف رہتا ہے۔(۲)

پہلے قول پر تو عورت پر حج ہی فرض نہ ہوگا، اگر محرم یا شوہر ساتھ نہ ہو اور دوسرے قول پر اگرچہ حج فرض ہو جائے گا؛ مگر ادائیگی لازم نہ ہوگی؛ بل کہ آخر عمر تک محرم کا انتظار کرے، اگر نہ مل سکے تو آخر عمر میں وصیت کردے کہ میرے مال سے میرا حج بدل کرادو۔

اس تفصیل سے اتنا واضح ہو گیا کہ علمائے حنفیہ وعلمائے حنابلہ کے نزدیک ادائیگی حج عورت پر اس وقت لازم ہے جب کہ سفر میں محرم یا شوہر ساتھ ہو، ورنہ ادائیگی حج اس پر لازم نہیں۔

دوسری شرط کی تفصیل

دوسری شرط یعنی محرم کا خرچہ ونفقہ پاس ہونا، اس کے متعلق بھی فقہا میں اختلاف ہے، بعض فقہا نے محرم کا خرچہ عورت کے ذمہ کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ خرچہ عورت پر نہیں ہے، پھر ان میں سے صحیح قول کون سا ہے، اس میں بھی اختلاف

---

(۱) ذکرہ فی رد المحتار: ۲/۴۶۵،منحۃ الخالق: ۲/۳۳۹،شامی: ۲/۴۶۵

(۲) الفروع: ۳/۱۷۵

پایا جاتا ہے۔(۱)

اورحنابلہ کے یہاں بھی یہ مسئلہ زیر بحث آیا ہے اوران حضرات نے بھی محرم کا خرچہ عورت کے ذمہ مانا ہے۔(۲)

پھر بعض علمائے حنفیہ نے اس اختلاف کو دور کرنے کے لیے ان دونوں اقوال میں تطبیق دی ہے، اس طرح کہ اگر محرم نے خرچہ ونفقہ دینے کی شرط لگائی کہ میں ساتھ آؤں گا؛ مگر سارا خرچہ دینا ہوگا تو عورت پر اس کا خرچہ واجب ہے اور اگر شرط نہیں لگائی تو عورت پر محرم کا خرچہ واجب نہیں ہے۔ اس تطبیق کا ذکر علامہ ابو بکر الحداد رحمہ اللہ نے ''الجوہرة النیرة'' میں اور علامہ شامی رحمہ اللہ نے بحوالہ ''السراج الوہاج منحۃ الخالق'' میں کیا ہے۔(۳)

اس تطبیق کا حاصل یہ ہے کہ اگر عورت کے پاس اتنی گنجائش ہے کہ وہ خود حج کرسکتی ہے، دوسرے کو ساتھ لے جانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے تو اگر کوئی محرم اپنے خرچہ سے خود اس کے ساتھ حج کو جانے تیار ہوجائے، تو اس پر حج فرض ہوگا اور اگر محرم اپنے خرچہ سے آنے تیار نہ ہو تو اس عورت پر حج فرض نہ ہوگا جب تک کہ اتنی رقم جمع نہ ہوجائے کہ جس سے وہ محرم کو ساتھ لے جاسکے۔

یہ بحث محرم کے خرچہ کے بارے میں ہے اور اگر شوہر ساتھ جائے تو اس کا خرچہ کس کے ذمہ ہوگا؟ اس کے بارے میں علامہ شامی نے صرف اتنا لکھا ہے کہ

---

(۱) دیکھو: منحة الخالق مع بحر الرائق: ۲/ ۳۳۹

(۲) الروض المربع: ۱/ ۴۶۳، منار السبیل: ۱/ ۲۳۲

(۳) الجوهرة النيره: ۱/ ۲۱۸، منحة الخالق على البحر الرائق: ۱/ ۳۴۹

شوہر کا خرچہ بیوی پر نہ ہوگا۔(۱)

لیکن بعض حضرات نے اس میں یہ تفصیل لکھی ہے کہ جو خرچہ شوہر کے ذمہ کھانے پینے وغیرہ کا ہے وہ تو بدستور مرد ہی کے ذمہ ہوگا اور جو سفر کے اخراجات ہیں وہ عورت کے ذمہ رہیں گے۔(۲)

اور فقہ حنبلی کی کتاب ''کشف القناع'' میں بھی یہی بات اختیار کی ہے، اس میں ہے:

'' ونفقة المحرم إذا سافر معها عليها؛ لأنه من سبيلها ، ولو كان محرمها زوجها فيجب لها عليه بقدر نفقة الحضر، وما زاد فعليها''

(محرم کا نفقہ جب کہ وہ عورت کے ساتھ سفر کرے عورت پر ہوگا؛ کیوں کہ یہ بھی ''سبیل'' (مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلاً) میں داخل ہے اور اگر اس کا محرم اس کا شوہر ہی ہو تو عورت کے لیے بقدر اپنے گھر پر قیام کے خرچہ مرد کے ذمہ ہوگا اور جو اس سے زائد ہو وہ عورت پر ہوگا)(۳)

اس تفصیل سے دو باتیں واضح ہوگئیں: ایک تو یہ کہ اگر محرم یا شوہر نہ ہو تو عورت کے ذمہ حج کی ادائیگی لازم نہیں ؛ بل کہ وہ اس کا انتظار کرے کہ یہ میسر آ جائے ، مثلاً شادی کرے تاکہ شوہر کے ساتھ اس فریضہ کو ادا کر سکے ، اگر محرم کو ساتھ لے جانے روپیہ نہ ہو تو روپیہ کمانے کی کوشش کرے وغیرہ ، اس کے باوجود میسر نہ آئے ، تو اپنا حج

---

(۱) الرد المحتار شامی: ۲/۴۶۴

(۲) غنیہ: ۲۷

(۳) کشف القناع: ۲/۳۹۵

بدل کرا دینے کی وصیت کر دے۔

بوڑھی عورت کا حکم

یہاں ایک سوال اس سلسلے میں یہ ہے کہ بوڑھی عورت سفر حج پر جائے؛ تو اس کے لیے بھی کیا یہی حکم ہے کہ محرم یا شوہر ساتھ ہو یا اس کا کوئی اور حکم ہے؟ کیا وہ بلا محرم سفر حج پر جاسکتی ہے؟ فقہا نے عام طور پر اس سوال کا جواب بصراحت دے دیا ہے کہ بوڑھی ہو یا جوان ہر عورت کا حکم یہی ہے کہ وہ بلا محرم حج کا سفر نہیں کرسکتی، چناں چہ فقہائے کرام نے شرائط حج میں عورت کے لیے محرم کا ہونا بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عورت جوان ہو یا بوڑھی دونوں کے لیے محرم کا ہونا ضروری ہے۔ (۱)

فقہائے حنابلہ نے بھی ایسا ہی لکھا ہے، چناں چہ کشف القناع میں ہے:

" ویشترط لوجوب الحج علی المرأۃ ، شابۃً کانت أو عجوزاً قصراً ودونھا ، وجود محرم. "

(عورت پر حج کے واجب ہونے کے لیے خواہ وہ جوان ہو یا بوڑھی اور خواہ سفر مسافت قصر تک کا ہو یا نہ ہو، محرم کا ہونا شرط قرار دیا گیا ہے۔) (۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے میں جوان اور بوڑھی عورت دونوں کا حکم ایک ہے اور احادیث جن میں عورت کو بلا محرم سفر سے منع کیا گیا ہے وہ بھی مطلق ہیں، جو جوان اور بوڑھی دونوں قسم کی عورتوں کو شامل ہیں؛ لہٰذا بوڑھی عورت بھی بغیر محرم سفر نہیں کرسکتی۔

---

(۱) در مختار : ۲/۴۶۴، بحر الرائق : ۲/۳۳۹، الجوھرۃ : ۱/۲۱۷

(۲) کشف القناع: ۲/۳۹۴، نیز دیکھو: الفروع: ۳/۱۷۵

مگر بعض فقہی روایات سے اس کے خلاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہت زیادہ بوڑھی عورت جو غیر مشتہاۃ ہو اس کو بلا محرم سفر کی اجازت ہے۔ چناں چہ درمختار میں ہے:

" أما العجوز التي لا تشتهي فلا بأس بمصافحتها و مس يدها إذا أمن و متى جاز المس جاز سفره بها و يخلو إذا أمن عليه وعليها، وإلا فلا"

(لیکن وہ بوڑھی عورت جو قابل شہوت نہ ہو اس سے مصافحہ کرنے اور اس کا ہاتھ چھونے میں کوئی حرج نہیں؛ جب کہ برائی سے مامون ہو، اور جب اس کو چھونا جائز ہوا تو اس کے ساتھ سفر کرنا اور اس کے ساتھ تنہائی بھی جائز ہے؛ بہ شرطیکہ اس عورت اور مرد دونوں پر برائی کا کوئی خوف نہ ہو، ورنہ جائز نہیں۔)(۱)

اور امام احمد رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہی ہے کہ بوڑھی کا سفر میں جانا بلا محرم جائز ہے، الفروع میں نقل کیا ہے:

" لا يشترط المحرم في القواعد من النساء الآتي لا يخشى منهن ولا عليهن فتنة. "

(جو بوڑھی عورتیں کہ جن سے کوئی فتنہ کا خوف نہیں اور نہ ان پر کسی فتنہ کا خوف ہے ان کے حق میں محرم شرط نہیں۔)(۲)

یہی بات زیادہ معقول معلوم ہوتی ہے کہ جو بوڑھی عورت اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ اس سے کسی فتنہ کا خوف نہیں اور نہ اس پر کسی فتنہ کا خوف ہو وہ اس حکم سے مستثنی ہونا

---

(۱) الدر المختار: ٦/٣٦٨

(۲) الفروع: ٣/١٧٧

چاہئے؛ کیوں کہ اصل مدار اس حکم کا خوف فتنہ ہی ہے، جب فتنہ کا خوف نہ ہو تو حکم بھی مختلف ہونا چاہیے۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے بھی یہی فتوی دیا ہے کہ بوڑھی عورت کو بلا محرم سفر حج کی اجازت ہے۔ (۱)

عورتوں کی جماعت کے ساتھ سفر کا حکم

اگر عورتوں کی جماعت سفر حج پر جائے تو یہ کیسا ہے؟ فقہائے احناف نے اس کو بھی ناجائز لکھا ہے، علامہ ابن نجیم مصری رحمہ اللہ نے حدیث ''عورت سفر نہ کرے یا حج نہ کرے مگر یہ کہ محرم ساتھ ہو'' ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ اس سے مستفاد ہوا کہ قابل اعتماد عورتوں کا ساتھ ہونا کافی نہیں۔ (۲)

یعنی صرف عورتوں کی جماعت ہو یا ان کے محرم ان کے ساتھ ہوں اور کوئی عورت بغیر محرم ان کے ساتھ سفر کرے، یہ بھی درست نہیں۔ اور اس کی وجہ میں صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ بغیر محرم کے عورت پر فتنہ کا خوف ہے اور غیر ساتھ ہوں تو یہ فتنہ مزید بڑھ جاتا ہے۔ (۳)

الغرض علماء حنفیہ کے نزدیک عورت دوسری ثقہ عورتوں کے ساتھ بھی سفر حج نہیں کر سکتی ہے، جبکہ ان عورتوں کے محرم ان کے ساتھ ہوں، اور اگر ان کے محرم بھی نہ ہوں تو کسی عورت کے لیے بھی سفر کرنا حلال نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر کی احادیث سے معلوم ہوا۔ اور امام شافعی و امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک اور ایک روایت میں

(۱) امداد الفتاوی: ۲۰۱/۴

(۲) بحر الرائق: ۳۳۹/۲

(۳) ھدایہ: ۲۱۳/۱

امام احمد رَحمہُ اللہُ کے پاس اس کی گنجائش ہے کہ معتبر و قابل وثوق دیندار عورتوں کی جماعت کے ساتھ عورت اپنا حج فرض ادا کرنے جائے اور پورا لحاظ پردے کا اور دیگر احکامات شرعیہ کا رکھے۔ضرورت کے وقت اس قول کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

واللہ اعلم

فقط

محمد شعیب اللہ مفتاحی
(مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم)

جماعتِ تہجد کا شرعی حکم

التقریظ

حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ
خلیفہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امابعد:

رسالہ ''جماعت تہجد کا شرعی حکم'' مرتبہ جناب مولانا محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی، مدرسہ مسیح العلوم، بیدواڑی، بنگلور دیکھا گیا۔ ان کی تحقیق سے ہم خدام مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی متفق ہیں۔ یعنی ''تہجد کی نماز جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے''۔

ابرار الحق
یکم شعبان ۱۴۱۱ھ

تمہید وتقدیم

گذشتہ چند سالوں سے بنگلور اور اس کے اطراف میں جماعت تہجد کا رواج جڑ پکڑتا دکھائی دیا تو احقر نے گذشتہ رمضان مبارک میں اس رواج سے متعلق حضرات علما وفقہا کے فتاوی کو اور ساتھ ہی ان کے دلائل کو وضاحت سے لکھ کر شائع کیا اور اس سلسلے میں کچھ پمفلٹ بھی شائع کیے گیے ؛ مگر جن لوگوں کے دلوں میں نبوی طریقہ کے بجائے من مانی طریقہ کی محبت جاگزیں تھی اور جو حقیقی دین داری کے بجائے ظاہری دین داری کو کافی خیال کرتے تھے، وہ ان فتاوی کو ماننے اور ان پر عمل کرنے تیار نہ ہوئے ؛ بل کہ ان فتاویٰ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور عجیب بات یہ کہ جن سے زیادہ توقع تھی کہ وہ حق کے سامنے آجانے کے بعد اپنی غلطی سے رجوع کر لیں گے، انھی کی طرف سے سب سے زیادہ مخالفت ہوئی، حالاں کہ وہ فتاوی جو رسالے میں نقل کیے گئے تھے، ان اکابر کے تھے جن کو یہ مخالفین بھی اپنے اکابر تسلیم کرتے ہیں۔اس مخالفت کے چند نمومے بھی ملاحظہ فرماتے جائیں۔

(۱) ادارہ تبلیغ وتجدید سنت کے چند افراد جب میرا رسالہ لے کر تقسیم کے لیے ایک جگہ گئے تو وہاں چند لوگوں نے اس کو چھین کر پھاڑ ڈالا، اور پیروں میں ڈال کر روندا۔

(۲) ایک صاحب نے (جو ایک بڑی مرکزی مسجد میں اس جماعت تہجد کے علم بردار بل کہ بانی ہیں) جب سنا کہ احقر نے یہ رسالہ شائع کیا ہے تو انھوں نے مسجد میں

مصلیوں سے خطاب کر کے کہا کہ آپ حضرات اس پر توجہ نہ دیں، شیطان اسی طرح نماز سے روکتا ہے، گویا ان تمام اکابر پر شیطان ہونے کا فتوی لگا دیا۔ اللہ رے جہالت !!

(۳) ایک مسجد میں جہاں اس بدعت کی ہمت افزائی خوب ہو رہی ہے، ایک صاحبِ علم کا بیان مقرر ہوا۔ چند نوجوان ان سے زیرِ بحث مسئلہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ حقیقت کیا ہے۔ چناں چہ ایک صاحب نے کھڑے ہو کر مسئلہ پوچھا کہ جماعتِ تہجد کا کیا حکم ہے؟ بس اس پر ان صاحب کو زجر و توبیخ کی گئی اور ان کو مسجد سے نکل جانے کو کہا گیا۔ کیا کسی عالم سے مسئلہ پوچھنے سے محض اپنے نفس کے لیے روکنا اور پھر مسجد سے نکل جانے کا حکم دینا جائز ہو سکتا ہے۔ یہ بھی سنا کہ اس موقع پر بعض نا خدا ترس لوگوں نے اس کو شرارت قرار دیا ہے۔ تعجب ہے کہ بدعت کا کام تو شرافت ہو جائے اور مسئلہ معلوم کرنا اور حق کی وضاحت چاہنا شرارت ہو؟ فیا للعجب !!

مزید تعجب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو دین کے علمبردار سمجھتے ہیں؛ مگر یاد رکھیں کہ دینِ حق ہمیشہ غالب ہو کر رہتا ہے اور باطل ہمیشہ نیست و نابود ہوتا ہے۔

یہاں یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ ایک مسجد (لال مسجد) میں ''جماعت تہجد'' کے طریقہ کو جاری کرنے والے اس کے جواز کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ بعض حنفی لوگ رمضان کی آخری راتوں میں اہل حدیث کی مساجد میں جا کر ''تہجد با جماعت'' ادا کرتے ہیں اور ان کا بیان سن کر حنفیت سے بدظن ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ان کی حفاظت کے لیے یہ ناجائز طریقہ مصلحتاً اپنایا گیا ہے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ یہ وجہ خاص ایک مسجد میں جماعتِ تہجد جاری کرنے کی ہو سکتی ہے؛ بل کہ ہے۔ اب جو بہت ساری مساجد میں اس مسجد کی دیکھا دیکھی یہ رسم جاری ہو رہی ہے، اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ دوسرے غور کرنا چاہئے کہ کیا اس جماعت

میں شریک ہونے والے وہی حضرات ہیں جو اہل حدیث مسجد میں جایا کرتے تھے؟ اور اس طریقہ سے ہر قسم کی گمراہی ختم ہوگئی؟ ظاہر ہے کہ محض ایک بے وجہ کا خیال باندھ لیا گیا ہے کہ حنفی جو اہل حدیث کی مساجد کو جاتے تھے وہ سب یہاں آجاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جن کو وہاں جانا ہے، وہ وہیں جاتے ہیں۔ ہاں ممکن ہے کہ کچھ لوگ ادھر بھی آگئے ہوں۔ تیسرے یہ کہ جب ایک اور طرح بھی ان کو اپنی مساجد میں آنے کی طرف متوجہ کرسکتے ہیں مثلاً وعظ وتقریر کا انتظام کرسکتے ہیں تو ایک ناجائز کام کو اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ چوتھے یہ سمجھنا چاہئے کہ اگر مذکورہ بالا وجہ ہی اس طریقہ کے ایجاد کرنے کی وجہ ہے تو صاف طریقہ پر لوگوں کو بتا دینا چاہئے کہ یہ طریقہ ناجائز ہے، ہم صرف ایک مصلحت سے کررہے ہیں۔ یہ کون سی دیانت داری ہے کہ اس کو ناجائز بتانے والے کو شیطان تک کہہ دیا جائے، فتنہ پرور کا خطاب دیا جائے اور پوچھنے والوں کو یہ بتایا جائے کہ جماعت تہجد جائز ہے۔

فرض کیجئے کہ ایک شخص بھوک سے بے تاب ہوگیا؛ مگر کھانے کو کوئی چیز حلال نہ تھی، لہٰذا اس نے اور اس کے ساتھ کچھ اور لوگوں نے جو بھوک سے بے تاب نہیں تھے، کسی حرام چیز کو کھانے کا ارادہ کیا تو ایک جاننے والے نے بتایا کہ یہ حرام چیز ہے۔ اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ یہاں دیانت کا تقاضا کیا ہے۔ خوف خدا کا کیا حق ہے؟ آیا یہ کہ اس عالم کی بات مان لی جائے اور جو بے تاب نہیں ہے، ان کو روک دیا جائے یا یہ کہ ایک کے حق میں جائز ہونے سے یہ مسئلہ پیدا کرلیا جائے کہ جائز ہے اور اس عالم کو شیطان کہا جائے؟

لہٰذا جو حضرات اس بدعت کو جاری کرنے کی وجہ وہ بتا رہے ہیں جو اوپر مذکور ہوئی، ان کو یوں کہنا چاہیے کہ ہاں یہ مسئلہ جو علما کی طرف سے پیش ہوا ہے وہ بالکل صحیح

ہے اور ہم مجبوراً مصلحتاً اس ناجائز کو کررہے ہیں۔ لہٰذا اے پوچھنے والو! تم اس بدعت سے بچ کر رہو۔

یہ ہے حق وصداقت کے حاملین کا کردار و عمل، مگر اب کیا ہو رہا ہے، یہ کہ ایک مسجد میں ایک وجہ سے یہ بدعت جاری ہوئی، پھر دوسری مساجد میں شروع ہوئی، اب لوگ پہلی مسجد والوں سے پوچھتے ہیں تو یہ ''توحید وسنت ودعوت وتبلیغ'' کے دعویدار یہ نہیں کہتے ہیں کہ بھائی ہم نے تو ایک خاص وجہ سے ایک ناجائز کام کو اختیار کیا ہے تم اس کو نہ کرو۔ مجھے کوئی بتائے کہ یہ کونسی دیانت داری ہے؟

الغرض اس رسالہ کو ہم نے متعدد اہل علم اور بزرگوں کی خدمات میں پیش کیا اور سب ہی نے اس کی تصدیق فرمائی۔ حضرت مرشدی مسیح الامت مولانا شاہ مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ نے ایک ہی مجلس میں از اول تا آخر ملاحظہ فرما کر تحسین فرمائی اور حضرت اقدس مولانا ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ نے اور آپ کے مدرسہ ''اشرف المدارس ہردوئی'' کے علما نے ملاحظہ فرما کر ایک تقریظ بھی روانہ فرمائی ہے جو رسالہ کے شروع میں درج ہے۔ اب اسی کو مزید اضافوں کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو شرف قبولیت بخشے اور لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

محمد شعیب اللہ خان

۱۷/ شعبان ۱۴۱۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جماعت تہجد کا شرعی حکم

حامداً و مصلیا:

شریعت اسلامیہ کی سب سے بڑی خوبی اور کمال اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نے ہر عمل کا ایک درجہ واضح طور پر مقرر کر دیا ہے اور ہر اس شخص کو جو اسلام سے وابستہ ہو اس بات کا پابند بنایا ہے کہ وہ اعمال کے مقرر کردہ درجات وحدود کی رعایت رکھے، ان سے تجاوز نہ کرے اور تجاوز کرنے والوں کو ظالم قرار دیا ہے۔

﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُوْلٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ (البقرۃ : ۲۲۹)

اس کے ضمن میں ہر عمل کا طریقہ بھی آجاتا ہے کہ یہ عمل کیوں کر اور کس ڈھنگ اور طریقہ سے انجام دیا جائے اور مسلمانوں کو اس کا بھی مکلّف قرار دیا گیا ہے کہ وہ ہر عمل کو اس نہج اور طریقہ پر ادا کریں جو خدا اور رسول کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے، اس سے تجاوز کرنا اور اس کے خلاف کسی اور طریقہ پر عمل کو انجام دینا گمراہی وضلالت ہے۔ مثلاً شریعت اسلام نے نماز کا ایک طریقہ مقرر کیا ہے، اگر کوئی شخص اس سے ہٹ کر کسی اور طریقہ پر خدا کی عبادت و پرستش کرے گا تو اس کو گمراہ وضال قرار دیا جائے گا۔ اسی طرح نماز کی مختلف اوقات میں مختلف رکعتیں مقرر کی گئی ہیں۔ مغرب

میں تین، فجر میں دو اور ظہر میں چار، اگر کوئی شخص خدا کی محبت میں آ کر فجر میں تین اور مغرب میں چار اور ظہر میں پانچ رکعت پڑھنے لگے تو اس کی نماز مقبول تو کیا ہوگی، مردود ہوگی۔ نماز میں الحمدللہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنا سب کو معلوم ہے کہ سنت ہے۔ اور اس کو آہستہ آواز سے پڑھنا سنت ہے اور زور سے پڑھنا مکروہ اور بدعت ہوگا۔ چناں چہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے بیٹے کہتے ہیں کہ میں نے نماز میں زور سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی تو میرے والد حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے سن کر فرمایا کہ اے بیٹے! یہ بدعت ہے اور اس سے بچو۔ (۱)

غور کیجئے کہ حضرت عبداللہ بن مغفل صحابی رضی اللہ عنہ بسم اللہ زور سے پڑھنے کو بدعت قرار دے رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبادت کو اسی طریقہ پر ادا کرنا ضروری ہے جو منقول چلا آ رہا ہے، اس میں کسی معمولی چیز کا اضافہ بھی غلط اور بدعت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت سے ثابت ہے کہ انہوں نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ مسجد میں حلقہ بنا کر زور زور سے لا الہ الا اللہ وغیرہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ آپ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ تم نے بدعت جاری کر لی ہے جب کہ ابھی اللہ کے رسول کے اصحاب موجود ہیں، اس کے بعد ان لوگوں کو مسجد سے باہر کر دیا۔ (۲)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ان چیزوں میں یہ سختی وتشدد اس لیے ہے کہ یہ باتیں جو آج معمولی نظر آ رہی ہیں، تحریف وتبدیل دین کا سبب بن جاتی ہیں۔ چناں چہ یہود ونصاریٰ نے اپنے اپنے دینوں میں تحریف اسی طرح کی ہے، انہوں نے اٹھتے

---

(۱) ترمذي: ۱/۵۳

(۲) دارمی: ۱/۶۹

ہی خرافات کو دین میں داخل نہیں کر دیا؛ بل کہ خدا اور رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے قائم کردہ حدود کو آہستہ آہستہ پھلانگنا شروع کیا، غلو اور تعمق اور تشدد پسندی نے آخر یہ رنگ دکھایا کہ ان کا دین مسخ ہو کر رہ گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رَحِمَہُ اللہُ اپنی کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں یہود و نصاری کے دین میں تحریف کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کی ایک وجہ اور سبب تشدد پسندی ہے کہ سنتوں اور آداب کا ایسا التزام کرنا جیسے واجبات کا ہوتا ہے اور یہ یہود و نصاریٰ کے راہبوں کی عادت تھی۔(۱)

دین یہود و نصاریٰ ان رہبانیت پسند عباد و زہاد کی ان تحریفوں کا تختۂ مشق بن کر مسخ ہو گیا؛ لیکن محمد عربی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا لایا ہوا دینِ اسلام چوں کہ خدا وند تعالیٰ کی حفاظت میں ہے اس لیے ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ وہ سابقہ دینوں کی طرح مسخ ہو جائے۔ البتہ خود ایسا کرنے والے خدا کے یہاں دھتکار دیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ایک ایسی جماعت کھڑی کر دے گا جو دین میں تحریف کرنے اور بدعت ایجاد کرنے والوں کے خلاف کارروائی کر کے دین کے اصلی چہرے کو لوگوں کے سامنے پیش کرے گی۔

اوپر جن حقائق کو پیش کیا گیا ہے ان کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ عبادات کو ان کے شرعی طریقہ کے مطابق ادا کرنا ضروری ہے، اس کے ذرہ برابر خلاف کرنے سے بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں اس عبادت کا کوئی مقام و مرتبہ نہیں رہتا۔

مگر افسوس کہ آج بعض دین پسند لوگوں نے بھی اس راز کو نہیں سمجھا ہے جس کی وجہ سے دین کے نام پر بدعات رائج ہوتی جا رہی ہیں۔ انہیں میں سے ایک یہ ہے کہ

(۱) حجة الله البالغه: ۱/۱۲۱

بعض مساجد میں رمضان المبارک کی آخری راتوں میں جن میں لیلۃ القدر ہونے کی توقع ہوتی ہے، نماز تہجد کو باجماعت پڑھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے حالاں کہ شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

زیر نظر مضمون میں ہم نے حنفی فقہا کرام کے فتاوی اور ان کا استدلال اور اس کے ساتھ بعض دیگر ائمہ کے اقوال کو جمع کر دیا ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مساجد میں جو نماز تہجد میں جماعت کا اہتمام کیا جاتا ہے یہ غیر شرعی عمل ہے۔

تہجد کی جماعت اور حنفی نقطۂ نظر

سب سے پہلے ہم تہجد کی نماز کو باجماعت ادا کرنے کے سلسلے میں حنفی نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہیں تاکہ فقہائے احناف کا موقف واضح ہو جائے۔

ان حضرات کا موقف یہ ہے کہ جماعت فرض نمازوں کے لیے مشروع ہے۔ اور کسی خاص وجہ سے بعض اور نمازوں میں بھی مشروع ہے جیسے تراویح، عیدین، نماز کسوف وغیرہ، ان کے علاوہ اور کسی نفل یا سنت نماز کے لیے جماعت مشروع نہیں ہے؛ بل کہ ان کو تنہا پڑھنا چاہیے جس طرح فرض نماز جماعت سے پڑھنا مشروع طریقہ ہے۔ اسی طرح نفل اور سنت نمازوں کو تنہا تنہا پڑھنا اور ان میں جماعت نہ کرنا ہی مشروع طریقہ ہے اور جیسے فرض نماز کو بغیر جماعت ادا کرنا بھی غلط و نامشروع ہے۔

چناں چہ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ ''اعلاء السنن'' میں فرماتے ہیں:

''علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ سنت اور نفل میں گھر میں پڑھنے کا تھا۔ مگر کوئی عذر ہو تو مسجد میں پڑھتے جیسے آپ فرائض مسجد میں پڑھتے الا یہ کہ کوئی عذر ہو؛ لہٰذا سنت و نفل میں تنہا پڑھنا سنت موکدہ ہوگا جیسے

فرائض میں جماعت کرنا سنت موکدہ ہے۔ لہٰذا نوافل کی جماعت، سنت مؤکدہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ ہوگی۔ (۱)

البتہ فقہا احناف نے بعض قیود و شرائط کے ساتھ نفل کی جماعت کی اجازت دی ہے۔اس کی تفصیل و توضیح یہ ہے:

(۱) اگر نفل نماز با جماعت بغیر تداعی کے ہو تو جائز ہے، اور تداعی کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے اور تداعی کے معنی یہ ہیں کہ امام کے علاوہ چار آدمی مقتدی ہوں۔ (۲)

معلوم ہوا کہ امام کے علاوہ اگر چار آدمی مقتدی ہوں تو نفل نماز خواہ وہ تہجد ہو یا کوئی اور رمضان میں ہو یا رمضان سے باہر مکروہ ہے اور تین مقتدی ہوں تو بعض علما جائز اور بعض ناجائز فرماتے ہیں اور دو مقتدی ہوں تو جائز ہے۔ (۳)

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ نفل کی جماعت اتفاقاً کبھی کر لی جائے تو چار آدمیوں کے ساتھ جائز ہے اور اگر اس کا اہتمام کیا جائے اور ہمیشہ کی عادت بنالی جائے تو باتفاق یہ ناجائز اور مکروہ اور بدعت ہے۔ جیسا کہ علما کے فتاوی آگے آرہے ہیں ان سے معلوم ہوگا۔

حاصل یہ نکلا کہ نفل کی جماعت اگر اتفاقا کسی دن کر لی تو دو تین آدمیوں کے ساتھ جائز ہے۔ اور اگر اس کا اہتمام کر کے جماعت بنائی یا چار مقتدی ہو گئے تو مکروہ ہے۔ اسی طرح اعلان کے ساتھ جماعت نفل مکروہ ہے اور اعلان میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی مسجد میں جماعت نفل ہونے کی شہرت ہو جائے۔ جیسا کہ آگے حضرت مفتی عزیز الرحمان رَحِمَہُ اللّٰہُ کا فتویٰ آرہا ہے۔

---

(۱) اعلاء السنن: ۷/۸۷

(۲) درمختار مع شامی: ۲/۴۹

(۳) شامي: ۲/۴۹

خلاصہ کلام یہ نکلا کہ نفل نماز کو با جماعت ان شرطوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں کہ:

(۱) اس کا کسی طرح بھی اعلان وشہرت نہ ہو۔

(۲) اس کا اہتمام نہ کیا جائے جیسے فرائض کا اہتمام ہوتا ہے۔

(۳) اس کا کوئی معمول نہ بنایا جائے؛ بل کہ کبھی اتفاق سے کرلیا جائے۔

(۴) اور امام کے ساتھ چار مقتدی نہ ہوں؛ بل کہ زیادہ سے زیادہ دو تین ہوں۔

اگر ان شرطوں میں سے کوئی ایک بھی شرط فوت ہوگئی تو نفل نماز جماعت سے پڑھنا مکروہ ہوگا۔ یہ تمام شرائط حضرات فقہائے کرام کے کلام سے لی گئی ہیں اور ان فقہاء کا کلام آگے پیش کیا جارہا ہے۔

نوافل کی جماعت کے مکروہ ہونے کی دلیل

حضرات فقہا کرام کے اس سلسلے میں فتاوی پیش کرنے سے قبل جماعت نفل کے مکروہ ہونے کی دلیل بیان کرنا مناسب ہے۔ حضرات علما وفقہا نے اس پر متعدد احادیث سے استدلال کیا ہے، ان میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو؛ کیوں کہ سب سے افضل نماز آدمی کی وہ نماز ہے جو گھر میں ہو سوائے فرض نماز کے۔ (۱)

(۲) عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر میں نماز پڑھنے اور مسجد میں نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ تم دیکھتے ہو کہ میرا گھر مسجد سے کتنا قریب ہے، پھر بھی میں گھر میں نماز پڑھنے

(۱) نسائی: ۱/۱۸۱، ابن خزیمہ: ۲/۲۱۱، اعلاء السنن: ۷/۷۷

کو مسجد میں نماز پڑھنے سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں؛ مگر یہ کہ فرض نماز ہو۔ (۱)

(۳) حضرت صہیب بن نعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کی اپنے گھر کی نماز کی فضیلت اس نماز پر جو ایسی جگہ پڑھے، جہاں لوگ اس کو دیکھیں، ایسی ہے جیسے فرض نماز کی فضیلت نفل نماز پر۔ (۲)

محدث شہیر وفقیہ جلیل حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ پہلی دو حدیثوں کو پیش کر کے فرماتے ہیں:

> ''ان دو حدیثوں میں جیسے اس بات پر دلالت ہے کہ مسجد سے زیادہ گھر میں نفل نماز پڑھنا بہتر وافضل ہے، اسی طرح ان میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ جماعت فرض نماز کے ساتھ خاص ہے، اور نوافل میں اصل اخفا اور تنہا پڑھنا ہے۔ ورنہ ان کا گھر میں پڑھنا افضل نہ ہوتا؛ کیوں کہ جس نماز کا مبنیٰ اظہار واجتماع پر ہو اس کا مسجد میں گذارنا افضل ہے، پس ثابت ہوا کہ نوافل میں جماعت خلاف اصل ہے اور خلافِ اصل طریقہ پر ادا کرنا کراہیت سے خالی نہیں ہوتا، لہٰذا نوافل میں جماعت مکروہ ہے۔'' (۳)

دوسری دلیل

نفل کی جماعت کے مکروہ ہونے پر فقہا نے اس طرح بھی استدلال کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام سے یہ ثابت نہیں کہ انھوں نے کبھی

---

(۱) طحاوي: ۱/۱۶۷، شمائل ترمذي: ۲۱، مسند احمد: ۴/۳۴۲، ابن ماجه: ۱۳۷۸، ابن خزيمه: ۲/۲۱۰

(۲) معجم كبير: ۸/۴۶، اعلاء السنن: ۷/۸۱

(۳) اعلاء السنن: ۷/۷۸

نوافل میں جماعت کا اہتمام کیا ہو، بل کہ سنت نمازیں بھی وہ حضرات گھر جا کر تنہا تنہا پڑھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نوافل میں جماعت مشروع نہیں ہے، یہ استدلال ایسا ہی ہے جیسے علما نے عید کی نماز کے لیے اذان واقامت نہ ہونے پر استدلال کیا ہے کہ آپ نے عید کی نماز کے لیے اذان واقامت نہیں کہی؛ لہٰذا وہ غیر مشروع ہے، اس لیے نوافل میں جماعت غیر مشروع ہے۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”مؤکدہ سنتیں فرائض کے تابع ہونے کی وجہ سے اس بات کی زیادہ مستحق تھیں کہ ان میں جماعت مشروع ہوتی، پس جب سنت موکدہ میں جماعت مشروع نہیں ہوئی اور کسی بھی حدیث میں یہ وارد نہیں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت نماز میں ایک مرتبہ بھی جماعت کی ہو، تو اس کے علاوہ دوسری نمازوں میں اس کا مشروع نہ ہونا زیادہ مناسب ہے۔“(۱)

ایک شبہ کا جواب

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ حدیث میں ایک دو موقعوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نفل کو جماعت سے پڑھنا ثابت ہے، جیسا کہ بخاری وغیرہ میں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ یہ ثابت ہے اور اسی سے ہمارے علما نے کبھی کبھی جماعت نفل کی اجازت دی ہے؛ کیوں کہ آپ نے بھی اتفاقاً ایسا کیا تھا؛ نیز اس جماعت میں آپ کے پیچھے دو لڑکے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور یتیم تھے اور ایک حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ام سلیم تھیں۔(۲)

(۱) اعلاء: ۸/۷۸

(۲) بخاري: ۱/۵۵

اس سے ہمارے علما میں سے بعض نے فرمایا کہ جماعت نفل میں تین مقتدیوں تک کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ آپ کے پیچھے بھی تین ہی افراد تھے اور بعض نے کہا کہ جماعت میں عورت کا وجود و عدم برابر ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں؛ لہٰذا آپ کے پیچھے صرف دو افراد تھے اس لیے دو مقتدیوں کے ساتھ جماعت نفل جائز ہے اس سے زیادہ نہ ہوں۔ یہیں سے احناف میں یہ اختلاف ہے کہ تین مقتدیوں کے ساتھ جماعت نفل جائز ہے یا نہیں؟

الغرض یہ احادیث جن سے جماعت نفل کا ثبوت ہوتا ہے انہی سے یہ اخذ کیا گیا ہے کہ بغیر اہتمام کے کبھی کبھی اور دو تین افراد کے ساتھ جماعت نفل کی جائے تو جائز ہے ورنہ خلاف اصل ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔

دوسرا شبہ اور جواب

اور اگر یہ شبہ ہو کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم گھوڑے سے گر جانے کی وجہ سے گھر میں تھے اور بعض صحابہ آپ کی عیادت کو گئے اور آپ نماز میں مشغول تھے ان صحابہ نے بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ (۱)

اور ابن حجر رَحِمَہُ اللہُ نے اسی سلسلہ میں نقل کیا ہے کہ آپ کے پیچھے جن حضرات نے نماز پڑھی، ان میں سے حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت جابر اور انس رَضِیَ اللہُ عَنْہُم کے نام بیان کیے گئے ہیں۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے پیچھے چار افراد نے کم از کم نماز پڑھی ہے اور جن کا نام نہیں لیا گیا، ان کی تعداد معلوم نہیں تو پھر احناف نے چار افراد کے ساتھ تہجد کو

(۱) ابو دائود: ۱/۸۹

(۲) فتح الباري: ۲/۱۷۸

کیوں مکروہ قرار دیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے گر جانے اور گھر میں رہنے کے زمانے میں ایسا واقعہ صرف ایک دفعہ نہیں ؛ بل کہ دو دفعہ پیش آیا ہے، ان میں سے ایک دفعہ فرض نماز پڑھنے کا واقعہ پیش آیا ہے۔(۱)

اب یہ معلوم نہیں کہ یہ چار صحابہ آپ کے پیچھے فرض نماز میں تھے یا نفل میں اس لیے اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا؛ کیوں کہ ممکن ہے کہ فرض نماز میں آپ کے پیچھے ان چار اصحاب نے نماز پڑھی ہو۔ (واللہ اعلم)

الغرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنی بات ثابت تھی، احناف نے اسی قدر لے لیا اور جو ثابت نہ تھی اس کو اختیار نہیں کیا، بل کہ احناف ہی نے نہیں جمہور ائمہ وعلماء نے بھی ایسا ہی کیا ہے، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔

اس کے بعد ہم فقہا وعلما کے فتاویٰ واقوال بحوالہ کتب درج کرتے ہیں۔

علامہ ابراہیم حلبی کا فتوی

علامہ ابراہیم حلبی رحمہ اللہ شرح منیۃ المصلّی میں ارشاد فرماتے ہیں:

”جاننا چاہئے کہ سوائے تراویح، نماز کسوف (سورج گرہن کی نماز) اور نماز استسقا کے جماعت سے نفل پڑھنا تداعی کے ساتھ مکروہ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ رجب کی پہلی جمعہ میں صلوٰۃ رغائب اور شعبان کی پندرہویں رات کو صلوٰۃ البرأۃ اور رمضان کی ستائیسویں کو صلوۃ القدر جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے۔“(۲)

(۱) دیکھو: ابو دائود: ۱/ ۸۹

(۲) غنية السمتملي :۴۳۲

ملک العلما علامہ کاسانی کا فتوی

ملک العلما علامہ کاسانی رَحِمَہُ اللّٰہُ فرماتے ہیں:

''بلا شبہ نفل میں جماعت کرنا سنت نہیں ہے، سوائے تراویح کے اس لیے کہ جماعت شعائر اسلام میں سے ہے اور وہ خاص ہے فرائض وواجبات کے ساتھ نہ کہ نفل کے ساتھ۔''(۱)

علامہ ولوالجی کا فتوی

علامہ شبلی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے ''تبیین الحقائق'' کے حاشیہ میں درایہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

''علامہ ولوالجی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے کہا کہ سوائے رمضان کی تراویح اور نماز کسوف کے نفل نماز کی جماعت مکروہ ہے کیوں کہ صحابہ کرام نے یہ نہیں کیا۔''(۲)

علامہ ابن البزازالکردری کا فتوی

علامہ ابن البزازالکردری رَحِمَہُ اللّٰہُ ''فتاویٰ بزازیہ'' میں مسائل تراویح کے ضمن میں فرماتے ہیں۔

''تراویح جماعت سے پڑھنے کے بعد اگر تراویح کو دوبارہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے؛ بل کہ تنہا تنہا پڑھنا چاہیے اس لیے کہ تداعی کے ساتھ نفل کی جماعت مکروہ ہے نص (قرآن مجید اور

---

(۱) البدائع: ۲۹۸/۱

(۲) حاشیہ تبیین الحقائق: ۱۸۱/۱

حدیث کی دلیل) ہو اوران زائد رکعتوں کو جماعت سے پڑھنے کے بارے میں نص نہیں ہے۔"(۱)

علامہ احمد بن محمد الحموی کا فتوٰی

علامہ احمد الحموی رَحمہُ اللہُ حنفی علما میں سے ایک خصوصی وانفرادی مقام کے حامل ہیں، آپ نے شرح اشباہ میں لکھا ہے:

"صلوۃ الرغائب جو رجب کے پہلے جمعہ کی رات میں پڑھی جاتی ہے اور صلوۃ البرأۃ جو شعبان کی پندرہویں رات میں ہوتی ہے ان میں اور اس کے بعد مذکور نمازوں میں (جس کا ذکر اشباہ کی عبارت میں ہے) امام کی اقتدا کرنا مکروہ ہے، اس لیے کہ نفل نماز کو جماعت سے ادا کرنا تداعی کے ساتھ مکروہ ہے۔"(۲)

علامہ ابن نجیم مصری کا فتوی

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری رَحمہُ اللہُ علمائے احناف میں ایک بلند پایہ فقیہ وامام گزرے ہیں، علمائے میں ابوحنفیہ رَحمہُ اللہُ ثانی کے لقب سے مشہور ہیں، وہ فرماتے ہیں:

"سوائے تراویح کے کوئی نفل نماز جماعت سے نہ پڑھی جائے، اور مبارک اوقات میں مثلاً لیلۃ القدر، لیلۃ البرأت، عیدین، عرفہ، جمعہ کی راتوں میں جو نمازیں مروی ہیں یہ تنہا تنہا پڑھی جائیں گی۔"(۳)

---

(۱) بزازیه علی هامش هندیه: ۲۹/۴

(۲) غمزعیون البصائر : ۲۸/۲

(۳) البحر الرائق: ۵۲/۲

غور کیجیے کہ اس میں علامہ ابن نجیم رَحمَہُ اللہ نے رمضان کی آخری راتوں میں سے لیلۃ القدر کا ذکر بھی کیا ہے اور فتویٰ دیا ہے کہ ان راتوں کی نمازیں بھی تنہا تنہا پڑھی جائیں، جماعت سے نہ پڑھی جائیں، اگر لیلۃ القدر میں تہجد کو جماعت سے ادا کرنے کی کوئی گنجائش ہوتی تو علامہ موصوف اتنی صراحت و وضاحت سے یہ کیوں فرماتے کہ جماعت سے نہیں تنہا تنہا پڑھیں۔ معلوم ہوا کہ اس کی گنجائش نہیں ہے، بلکہ علامہ ابن نجیم رَحمَہُ اللہ نے تو ان راتوں میں مساجد میں جاگنے کے لیے جمع ہونے کو بھی مکروہ قرار دیا ہے۔

چناں چہ وہ فرماتے ہیں:

مستحبات میں سے یہ بھی ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ کی راتوں، عیدین کی راتوں اور ذی الحجہ کی دس راتوں، شعبان کی پندرھویں رات کو جاگے اور جاگنے سے مراد اس میں نماز پڑھنا ہے اور ان راتوں میں سے کسی رات کو جاگنے کے لیے، مساجد میں جمع ہونا مکروہ ہے۔"(۱)

نوافل کی جماعت تو دور رہی، علامہ ابن نجیم رَحمَہُ اللہ سرے سے مساجد میں آ کر جاگنے کے اہتمام کو بھی مکروہ قرار دیتے ہیں۔

علامہ شرنبلالی کا فتویٰ

گیارہویں صدی ہجری کے مشہور حنفی فقیہ و عالم علامہ حسن بن عمارہ شرنبلالی رَحمَہُ اللہ اپنی معروف کتاب نور الایضاح میں فرماتے ہیں:

"مستحب ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ کی راتوں کو شب بیداری کرے؛ لیکن ان راتوں میں سے کسی رات میں شب بیداری کے لیے

(۱) البحر الرائق: ۹۲/۲

مساجد میں جمع ہونا مکروہ ہے۔"(۱)

علامہ شرنبلالی رَحِمَہُ اللہُ خود نورالایضاح کی شرح مراقی الفلاح میں اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ اس لیے ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم اور آپ کے اصحاب رَضِیَ اللہُ عَنہُم نے ایسا نہیں کیا۔ لہٰذا اکثر علما نے اس کو منکر قرار دیا ہے۔(۲)

معلوم ہوا کہ رمضان کی آخری راتوں کے لیے بھی مسئلہ یہی ہے کہ مساجد میں جمع ہو کر عبادت نہ کی جائے، ورنہ یہ مکروہ و منکر ہوگا، جب جمع ہونا ہی مکروہ ہوا تو ظاہر ہے کہ جماعت بنانا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

علامہ ابن عابدین شامی کا فتوی

علما احناف میں علامہ ابن عابدین شامی رَحِمَہُ اللہُ کا جو مقام و مرتبہ ہے اس سے فقہ و فتاویٰ سے دلچسپی رکھنے والے ناواقف نہیں، آپ اپنی مایۂ ناز کتاب "ردالمحتار" میں فرماتے ہیں:

"ظاہر یہی ہے کہ نفل نماز میں جماعت غیر مستحب ہے پھر اگر کبھی کبھی اتفاقاً کرلی جائے تو مباح ہوگا۔ (مستحب نہ ہوگا) اور اگر اس پر مواظبت (یعنی عادت) کرلی تو یہ بدعت و مکروہ ہوگا؛ کیوں کہ یہ متوارث طریقہ کے خلاف ہے۔"(۳)

اس سے یہ دو باتیں ثابت ہوئیں، ایک یہ کہ نفل نماز میں جماعت مستحب و پسندیدہ کسی حال میں نہیں خواہ اتفاقاً کرلی جائے یا اہتمام سے کی جائے۔ دوسرے

(۱) نورالایضاح :۹۵

(۲) مراقي الفلاح علی هامش الطحاوي:۲۱۹

(۳) رد المختار شامي: ۲/۴۸

یہ کہ اگر اتفاقاً کرلیا تو زیادہ سے زیادہ مباح ہے اور اگر اس پر مواظبت کی جائے تو یہ بدعت ومکروہ ہے۔

آج کل جن مساجد میں تہجد کی جماعت ہوتی ہے، ان میں یہ اتفاقی بات نہیں ہے؛ بل کہ اس کا اہتمام کیا جاتا ہے اور ایک دوسرے کو بلایا جاتا ہے؛ بل کہ بعض جگہ اعلان بھی کیا جاتا ہے، پھر بہت سے لوگ اس میں شرکت کرتے ہیں، اب بتایئے کہ اس کے بدعت ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے؟

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا فتوی

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ پانی پتی ”مالابدمنہ“ میں فرماتے ہیں:

> ”نفل میں جماعت مکروہ ہے، مگر رمضان میں سنت یہ ہے کہ بیس رکعت دس سلام سے اور جماعت سے ادا کی جائے۔“(۱)

اس میں قاضی صاحب رحمہ اللہ نے رمضان میں صرف تراویح کو جماعت سے ادا کرنے کی اجازت وسنیت بتائی ہے، اس کے علاوہ نوافل کے بارے میں فرمایا کہ کہ نفل میں جماعت مکروہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ رمضان میں بھی تہجد میں جماعت مکروہ ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا فتوی

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے کسی نے سوال کیا کہ بلا اہتمام نوافل کی جماعت علاوہ تراویح کے جائز ہے یا نہیں اور اس میں آدمیوں کی تعداد شرط ہے یا نہیں؟ حضرت نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ:

---

(۱) مالابدمنہ: ۷۰

”صورت مسئلہ میں اگر مقتدی ایک یا دو ہوں تو کراہیت نہیں اور اگر چار ہوں تو مکروہ ہے اور اگر تین ہوں تو اختلاف ہے“۔(۱)

جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے کہ یہ بلا اہتمام کبھی اتفاق سے نفل میں جماعت کر لینے کا مسئلہ تھا، جس کا یہ جواب دیا گیا اور اگر اہتمام سے جماعت نفل کی جائے تو مسئلہ یہ ہے کہ ہر صورت میں یہ مکروہ ہے، چناں چہ آپ ہی نے شبینہ کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

”تراویح پڑھ کر جماعت نوافل میں (شبینہ) پڑھیں یہ بے شک مکروہ ہے، کیوں کہ فقہا نے کہا ہے کہ جماعت نفل مکروہ ہے“۔(۲)

یہ چوں کہ متعارف شبینہ کا حکم پوچھا گیا تھا جو اہتمام سے ہوتا ہے، اس لیے آپ نے بلا کسی شرط کے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔(واللہ اعلم)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ

قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رَحِمَہُ اللہُ فرماتے ہیں:

”جماعت نوافل کی سوائے ان مواقع کے کہ حدیث سے ثابت ہیں، مکروہ تحریمی ہے، فقہ میں لکھا ہے کہ اگر تداعی ہو اور تداعی سے چار آدمی مقتدی کا ہونا ہے پس جماعت صلوۃ کسوف، تراویح، استسقا کی درست اور باقی سب مکروہ ہیں“۔(۳)

ایک دوسرے فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

(۱) امداد الفتاوی: ۱/ ۳۷۷

(۲) امداد الفتاوی: ۱/ ۴۸۸

(۳) فتاوی رشیدیه: ۳۵۴

''نوافل کی جماعت تہجد ہو یا غیر تہجد سوائے تراویح وکسوف واستسقا کے اگر چار مقتدی ہوں تو حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمہ ہے، خواہ خود جمع ہوں خواہ بطلب آویں اور تین میں اختلاف ہے اور دو میں کراہت نہیں۔''(۱)

حضرت اقدس رحمہ اللہ تقریر بخاری میں ایک موقع پر فرماتے ہیں:

''ہمارے علما حنفیہ نے جماعت کو صرف ان موقعوں پر جائز قرار دیا ہے جو ثابت ہیں، جیسے کسوف اور عیدین اور جن نوافل میں جماعت ثابت نہیں، ان میں تداعی اور اجتماع جائز نہیں ہے، ہاں دو تین آدمیوں کی اجازت دی جاسکتی ہے؛ کیوں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نماز میں ثابت ہے جو آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ اور یتیم کے ساتھ پڑھی تھی اور یہ (نوافل کی جماعت کا ناجائز ہونا) اس لیے ہے کہ اس کی اجازت دینے میں بہت سے مفاسد لازم آتے ہیں۔ لہٰذا بغیر دلیل اس پر اقدام نہیں کیا جاسکتا، حالاں کہ بعض (دلیل) اس کے خلاف کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس کی وہ دلیل اللہ کے رسول علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ آدمی کی افضل نماز وہ ہے جو گھر میں ہو (سوائے فرض کے) اور یہ بات تداعی اور اجتماع کے وقت فوت ہو جاتی ہے، اگر چہ یہ جمع ہونا کسی کے گھر ہی میں کیوں نہ ہو۔''(۲)

(۱) فتاوی رشیدیہ :۳۵۵

(۲) لامع الدراری: ۱/ ۹۵

حضرت شیخ الحدیث زکریا صاحب کا ارشاد

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ لامع الدراری کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ (جماعت نفل) پر علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے تفصیل سے کلام کیا ہے اور خلاصۃ الفتاوی سے نقل کیا ہے کہ یہ (نفل کی جماعت) اگر کبھی اتفاقاً ہو تو مباح ہے مکروہ نہیں اور اگر عادت کے طور پر ہو تو بدعت مکروہہ ہے؛ کیوں کہ یہ متوارث طریقہ کے خلاف ہے۔''(۱)

حضرت جی مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ کاندھلوی کا ارشاد

رئیس التبلیغ حضرت جی مولانا یوسف صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ اپنی مایۂ ناز کتاب ''امانی الاحبار شرح معانی الآثار'' میں لکھتے ہیں:

''درمختار میں لکھا ہے کہ رمضان کی وتر میں (جماعت) مستحب ہے اور رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں کی وتر میں اور نفل نماز میں تداعی کے ساتھ جماعت مکروہ ہے۔''(۲)

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا ارشاد

محدث عصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

''ہمارے نزدیک (نفل نماز) میں جماعت نہیں ہے اور اس کے

---

(۱) حاشيه لامع الدراري: ۱/۹۵

(۲) اماني الاحبار: ۴/۱۷۷

لیے بلانا مکروہ ہے۔ فقہاء نے کہا ہے کہ نوافل میں جماعت مکروہ ہے سوائے رمضان کے اور بعض غبی لوگوں نے ان کی مراد کو نہیں سمجھا اور اس کو مطلق نفل میں، رمضان میں جماعت کے جواز پر محمول کیا، حالانکہ فقہا کی مراد اس سے صرف تراویح ہے نہ کہ دوسری نمازیں، اس کو اچھی طرح سمجھ لو؛ کیوں کہ علم بڑی تحقیق کے بعد حاصل ہوتا ہے۔"(۱)

بریلوی مسلک کے مشہور و مستند عالم مولانا امجد علی صاحب کا فتوی

بریلوی مسلک کے مشہور و مستند عالم مولانا حکیم ابوالعلاء محمد امجد علی اعظمی رضوی اپنی مشہور کتاب "بہار شریعت" میں رقمطراز ہیں:

"نوافل اور علاوہ رمضان کے وتر میں اگر تداعی کے طور پر ہو تو جماعت مکروہ ہے، تداعی کے یہ معنی ہیں کہ تین سے زیادہ مقتدی ہوں۔"(۲)

حضرت مجدد الف ثانی کا ارشاد

حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رَحِمَہُ اللّٰہُ کے زمانے میں بعض نقشبندی حضرات نے نماز تہجد کو با جماعت پڑھنے کا رواج دیا تو اس پر حضرت مجدد الف ثانی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے اپنے مکتوب (۱۳۱:) میں لکھا ہے:

"افسوس ہزار ہا افسوس کہ بعض وہ بدعتیں جو دوسرے سلاسل میں قطعاً نہیں ہیں، ہمارے طریقہ عالیہ میں پیدا ہو گئیں ہیں، نماز تہجد کو جماعت سے ادا کرتے ہیں، اطراف و اکناف سے لوگ جمع ہوتے ہیں اور بڑی جمعیت خاطر کے ساتھ نماز تہجد ادا کرتے ہیں، حالاں کہ یہ

(۱) فیض الباري: ۴۳۲/۲-۲/۴۳۳

(۲) بہار شریعت حصہ سوم: ۹۷

عمل مکروہِ تحریمی ہے۔‘‘

بعض فقہا نے جن کے نزدیک تداعی (ایک دوسرے کو بلانا) کراہت کی شرط ہے، انہوں نے نفل کی جماعت کو مسجد کے ایک کونے میں جائز قرار دیا ہے اور تین آدمیوں سے زیادہ کی جماعت کو بالاتفاق مکروہ کہا ہے۔ (۱)

اس مکتوب میں حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ نے بھی جماعت تہجد کو صاف طور پر بدعت لکھا ہے اور اس کے رواج پر افسوس کا اظہار کیا ہے، معلوم نہیں آج کے رواجی لوگ مجدد صاحب پر کیا فتوی لگائیں گے؟

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا فتوی

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مفتیٔ اعظم پاکستان رحمہ اللہ نے اپنے ایک مطبوعہ فتوے ’’جماعت تہجد در رمضان‘‘ میں فرمایا ہے:

’’میرے نزدیک مسئلہ زیر بحث میں فتوی یہی ہے کہ علاوہ تراویح کے رمضان میں کسی دوسری نفل کی جماعت (۲) درست نہیں۔ جمہور فقہا ومحدثین اسی پر ہیں اور اسی پر اکابر علمائے دیوبند کا عمل رہا ہے، سیدی وسندی حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ جن کا معمول پورے رمضان کی شب بیداری اور نفلوں میں سماعت قرآن کا تھا، جب لوگوں نے اس کی جماعت میں شرکت کی خواہش ظاہر کی تو اس کی اجازت نہیں دی، گھر کا دروازہ بند کر کے اندر حافظ کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کی اقتداء میں

(۱) مکتوبات مترجم: ۲۴۱ دفتر اول

(۲) انوار الباری جس سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے اس میں یہاں غلطی سے نماز لکھا گیا ہے۔ سیاق سباق کو دیکھ کر ہم نے اس کی تصحیح کر دی ہے۔ ۱۲۔ محمد شعیب اللہ

قرآن مجید سنتے تھے، پھر جب لوگوں کا اصرار بڑھا تو معمول یہ بنالیا کہ فرض نماز مسجد میں با جماعت پڑھ کر کچھ دیر آرام کرنے کے بعد تراویح میں پوری رات قرآن مجید سنتے تھے، جماعت مکان پر ہوتی تھی، جس میں چالیس پچاس آدمی شریک ہوتے تھے۔ یہ احقر بھی حضرت کی اسارت مالٹا سے پہلے دو سال اس جماعت میں شریک رہا ہے، جو تراویح کی جماعت تھی، نفل تہجد کی جماعت کو حضرت نے کبھی گوارا نہیں فرمایا۔''(۱)

ایک وضاحت

اوپر کی پیش کردہ حضرت مفتی صاحب کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے جماعت سے نفل نہیں پڑھی ہے؛ بل کہ جو پڑھی ہے وہ تراویح کی نماز ہے اور باوجود اصرار کے بھی حضرت نے اس کو گوارا نہیں فرمایا، اس سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہوگئی، جو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ جماعت سے تہجد پڑھتے تھے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ جو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے پاس رہے ہیں وہ خود فرماتے ہیں کہ یہ تراویح کی جماعت تھی، نفل تہجد کی جماعت کو گوارا نہیں فرمایا۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑی کیا شہادت ہوسکتی ہے؟

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ کا فتوی

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں کئی فتوے تحریر فرمائے ہیں، ان میں سے یہاں صرف ایک نقل کرتا ہوں۔ ایک جگہ آپ تحریر کرتے ہیں:

(۱) بحوالہ انوار الباری شرح بخاری: ۲/ ۸۷

''ماہ رمضان میں تداعی کے ساتھ جماعت وتر اور تراویح جائز ہے اور مشروع ومسنون ہے اور باقی نوافل سوائے تراویح کے رمضان شریف میں بھی تداعی کے ساتھ مکروہ ہیں، اور معنی تداعی کے صاحب درمختار نے یہاں بیان فرمائے ہیں کہ چار مقتدی ہوں۔(جماعت نفل) اتفاقاً کبھی ہو تو کراہت تنزیہی ہے۔اور اگر مواظبت (پابندی) اس پر کی جائے تو کراہت تحریمی ہے، تداعی کے ساتھ ہو یا بلا تداعی ......آگے چل کر فرماتے ہیں ......اگر شہرت ہو جانے پر جماعت زیادہ ہونے لگے تو تداعی ثابت ہوگئی اور لازم آگئی، امام کو چاہئے کہ منع کردے۔''(۱)

اس فتوی سے چند باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ جماعت نفل کا مکروہ ہونا جس طرح اور دنوں میں ہے اسی طرح رمضان میں بھی ہے، دوسرے یہ کہ جماعت نفل میں اگر چار مقتدی ہو جائیں تو یہ مکروہ ہے، تیسرے یہ کہ جماعتِ نفل اتفاقاً اگر کبھی کرلی گئی تو تب بھی مکروہ تنزیہی ہے، اگر چار مقتدی ہو جائیں یا اس کی عادت بنالی یا پابندی سے جماعت کی جانے لگی تو مقتدی کم ہوں یا زیادہ ہر حال میں مکروہ تحریمی ہے، چوتھے یہ کہ لوگوں میں شہرت کا ہو جانا کہ فلاں جگہ تہجد کی جماعت ہوتی ہے، یہ بھی تداعی کے حکم میں ہے، لہٰذا اس سے بھی جماعت نفل مکروہ ہو جاتی ہے، امام کو منع کردینا چاہئے۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا فتوی

حضرت شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(۱) فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۲۲۲/۴-۲۲۴/۴

''نوافل میں تنہا تنہا پڑھنا ہی سنت مؤکدہ ہے، جیسے فرائض میں جماعت سنت مؤکدہ ہے، پس نوافل میں جماعت کرنا سنت مؤکدہ اور صحابہ وخلفاراشدین کے عمل کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ ہوگا۔''(۱)

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ کا فتوی

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ رمضان المبارک میں بعد تراویح صلوۃ نافلہ پڑھنا درست ہے یا نہیں۔ ہمارے محلّہ کی مسجد میں بڑے اہتمام سے پڑھی جاتی ہے۔ آپ نے اس کا جواب تحریر فرمایا ہے:

''یہ جماعت علی سبیل التداعی ہے جو کہ مکروہ ہے۔''(۲)

پھر ایک سوال اور کیا گیا ہے کہ تہجد کی نماز با جماعت ادا کرنا کیسا ہے؟ اس کا جواب آپ نے دیا کہ یہ بھی علی سبیل التداعی مکروہ ہے۔(۳)

علامہ عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کا فتوی

حضرت امام ربانی علامہ عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ ''علم الفقہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''مکروہ تحریمی ہے نماز کسوف میں اور تمام نوافل میں بشرطیکہ اس اہتمام سے ادا کی جائیں جس اہتمام سے فرائض کی جماعت ہوتی ہے، یعنی اذان واقامت کے ساتھ یا اور کسی طریقہ سے لوگوں کو جمع کرکے، ہاں اگر بے اذان واقامت اور بے بلائے ہوئے دو تین آدمی جمع

(۱) اعلاء السنن: ۷/۱۸

(۲) فتاوی محمودیہ: ۲/۱۶۰

(۳) فتاوی محمودیہ: ۲/۱۶۰

ہو کر کسی نفل میں جماعت کرلیں تو دو شرطوں سے جائز ہے ایک یہ کہ اذان واقامت نہ ہو اور کسی بھی طریقے پر لوگوں کو جمع نہ کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ صرف دو یا تین آدمی ہوں ورنہ مکروہ تحریمی ہے۔"(۱)

امام مالک وامام شافعی ودیگر ائمہ کرام کے فتاوے

اوپر علما احناف کا نقطۂ نظر اوران کے فتاوی نقل کیے گئے تھے۔اب ہم دیگر علما وائمہ کا مسلک وفتویٰ بھی مختصر طور پر پیش کرتے ہیں۔امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک ان کے شاگرد امام ابن وہب رحمہ اللہ نے یہ نقل کیا ہے کہ "اگر چند افراد نفل کی جماعت کرلیں تو کوئی حرج نہیں،لیکن اگر اس کی شہرت ہوگئی یا اس کے لیے لوگ جمع ہونے لگے تو اجازت نہیں۔(۲)

ملا علی القاری رحمہ اللہ کی شرح الشمائل سے اعلاء السنن میں نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"ابن حجر ہیثمی شافعی رحمہما اللہ اور شافعی مذہب کے دیگر علما نے تصریح کی ہے کہ نفل میں جماعت کرنا مشروع نہیں ہے۔"(۳)

نیز ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فروع میں تصریح کردی گئی ہے کہ جب چار مقتدی ہوں تو نفل کی جماعت تمام فقہا کے نزدیک مکروہ ہے۔"(۴)

(۱) علم الفقه: ۹۷/۲
(۲) فتح الباري: ۶۲/۳
(۳) اعلاء السنن: ۸۳/۷
(۴) اعلاء السنن: ۸۳/۷

اس سے ثابت ہوا کہ تداعی و اہتمام کے ساتھ جماعتِ نفل کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، تمام علما و ائمہ اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں، اس سے پتہ چلا کہ بعض جاہل لوگوں میں جو یہ مشہور ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نفل کی جماعت جائز ہے، یہ غلط ہے؛ بل کہ تمام فقہا کے نزدیک جماعتِ نفل کا اہتمام ناجائز ہے اور مکروہ ہے۔

خاتمہ اور دعا

فقہا کرام کی ان تصریحات سے مسئلہ بالکل صاف ہو گیا نفل نماز خواہ تہجد ہو یا کوئی اور با جماعت ادا کرنا جب کہ چار یا اس سے زیادہ مقتدی ہوں یا اس کا اہتمام کیا جائے یا اس کی شہرت ہو جائے بدعت اور مکروہ ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جن مساجد میں جماعت نفل ہوتی ہے وہاں اس کا اہتمام ہوتا ہے، حفاظ کو تیار کر کے بلایا جاتا ہے، پھر مقتدی بھی ایک دوسرے کو بلاتے ہیں، اس کی شہرت ہوتی ہے لوگ اس کے لئے خاص طور پر جمع ہوتے ہیں، غور کیجئے کہ ان فقہا کے کلام سے کیا اس کا بدعت و مکروہ ہونا ثابت نہیں ہوتا، اگر ثابت ہوتا ہے تو اس سے بچنا کیا ضروری نہیں ہے، اللہ سے دعا ہے کہ وہ دین کا صحیح فہم اور اس کی صحیح اتباع عطا فرمائے اور مسلمانوں کو ہر بدعت و گمراہی سے بچائے۔ آمین

فقط

محمد شعیب اللہ خان عفی عنہ

صدقۂ فطر

احکام ومسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدقۂ فطر — احکام ومسائل

اسلام میں مختلف قسم کے صدقات کا حکم دیا گیا ہے اور ان میں سے ایک صدقۂ فطر بھی ہے جس کا عید الفطر کے مبارک ومسعود موقعہ پر دینا مشروع ہے۔اس مختصر تحریر میں اسی تعلیم وحکم کے مختلف پہلو اور اس کے احکام ومسائل پر روشنی ڈالی جائے گی۔

صدقۂ فطر اور قرآن کریم

صدقۂ فطر اسلام کا ایک ایسا حکم ہے، جس سے شاید ہی کوئی ناواقف ہو، اس کی مشروعیت قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔قرآن کریم میں فرمایا گیا:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ﴾ (الأعلیٰ)

(وہ کامیاب ہوگیا جس نے زکوۃ دی۔)

اس آیت کی تفسیر میں متعدد اقوال مذکور ومنقول ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہاں زکوۃ سے صدقۂ فطر مراد ہے۔امام بزار رحمہ اللہ نے بہ طریق عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کی ہے کہ آپ نماز عید سے قبل صدقۂ فطر کا حکم دیتے تھے اور دلیل میں اسی آیت کی تلاوت فرماتے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ عید میں جانے سے پہلے صدقۂ فطر دیتے تھے اور

اسی آیت کو دلیل میں پیش فرماتے۔(۱)

حضرت علی، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے، اورتابعین میں سے ابن سیرین، ابوالعالیہ، قتادہ اور حضرت عطا رضی اللہ عنہم کی یہی رائے ہے۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں (ایک قول کے مطابق) ”تزکی“ کا مطلب ہے صدقۂ فطر ادا کرنا، معلوم ہوا کہ صدقۂ فطر کی مشروعیت قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔

صدقۂ فطر احادیث میں

اوراحادیث تو اس سلسلے میں بہت سی آئی ہیں، بطور نمونہ چند درج کرتا ہوں:

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

« فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم زَكَاةَ الفِطْرِ صَاعاً مِن تَمَرٍ أو صَاعاً مِن شَعِيرٍ عَلَى العَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالأُنْثٰى وَالصَّغِيرِ وَالْكَبِير مِنَ الْمُسْلِمِينَ. »

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں سے ہر غلام وآزاد، مرد وعورت، بچے اور بوڑھے پر ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور، صدقۂ فطر میں دینا فرض قرار دیا ہے۔)(۳)

(۱) الاکلیل فی استنباط التنزیل :۲۲۱

(۲) روح المعاني: ۳/۱۲۶، قرطبي: ۲۰/۲۱

(۳) بخاري: ۱/۲۰۴، رقم: ۱۴۳۲، مسلم: ۱/۳۱۷، رقم: ۹۸۴، و۹۸۶، ابو داؤد: ۱۶۱۱، نسائی: ۲۵۰۴، صحیح ابن خزیمہ: ۴/۸۷ وغیرہ

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے:

«أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَمَرَ بِإِخْرَاجِ زَكَاةِ الفِطْرِ أَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلاَةِ.»

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عید کی نماز کو نکلنے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے)(۱)

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی بصرہ کے امارت کے دور میں، ایک بار رمضان کے اخیر ایام میں فرمایا کہ اپنے روزوں کی زکوۃ نکالو، یہ سن کر لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے (کہ یہ روزوں کی زکوۃ کیا ہوتی ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہاں اہل مدینہ میں سے جو لوگ ہیں وہ کھڑے ہوں اور اپنے بھائیوں کو تعلیم دیں، یہ لوگ نہیں جانتے کہ یہ زکوۃ (صدقۂ فطر) اللہ کے رسول علیہ السلام نے ہر مرد وعورت اور آزاد وغلام پر ایک صاع جو یا کھجور یا آدھا صاع گیہوں فرض قرار دیا ہے۔(۲)

(۴) حضرت ثعلبہ بن صعیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے ہوئے کھڑے ہوئے اور صدقۂ فطر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو ہر ایک فرد کی جانب سے دینے کا حکم فرمایا، اس کے راوی علی نے اس میں یہ بھی کہا کہ ایک صاع گیہوں دو فرد کی جانب سے بڑے وبچے، آزاد وغلام کی جانب سے دینے کا حکم فرمایا۔(۳)

---

(۱) بخاري: ۱/۲۰۴، رقم: ۱۴۳۸، مسلم: ۱/۳۱۸، رقم: ۹۸۶، ابوداؤد: ۱۶۱۰، نسائي: ۲۵۲۱، احمد: ۲/۱۵۴

(۲) نسائي: ۱/۳۴۷، رقم: ۲۵۰۸، ابوداؤد: ۱/۲۲۹، رقم: ۱۶۲۲

(۳) ابو داؤد: ۱۶۲۰

(۵) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

« فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم صَدَقَةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ شَعِيْر ، أَوْ صَاعاً مِنْ تَمَرٍ أَوْ صَاعاً مِنْ أَقِطٍ. »

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر میں ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع پنیر مشروع کیا ہے۔)(۱)

ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر کو ہر مسلمان پر لازم وضروری قرار دیا ہے۔

صدقۂ فطر کا فقہی حکم

صدقۂ فطر کا فقہی حکم کیا ہے، اس کے بارے میں کتابوں میں وضاحت ہے کہ جمہور علما نے صدقۂ فطر کو لازم وضروری قرار دیا ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ نے امام ابن المنذر رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ انھوں نے کہا:

”أجمع كل من نحفظ عنه من أهل العلم على أن صدقة الفطر فرض، وقال اسحاق: هو كالإجماع من أهل العلم، وزعم ابن عبد البر: أن بعض المتأخرين من أصحاب مالك و داوٗد يقولون هي سنة مؤكدة ، وسائر العلماء على أنها واجبة.“

(اہل علم جن سے ہم نے علم کو محفوظ کیا ہے ان سب کا اجماع ہے کہ صدقۂ فطر فرض ہے اور امام اسحاق رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ گویا اہل علم کا

(۱) نسائي: ۲۵۱۱

اجماع ہے، اور ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے گمان کیا ہے کہ امام مالک اور امام داؤد رحمہما اللہ کے اصحاب میں سے بعض متأخرین کہتے ہیں کہ یہ سنت مؤکدہ ہے اور دیگر تمام علماء اس بات پر قائم ہیں کہ یہ واجب ہے۔)(۱)

اور مشہور شافعی امام علامہ نووی رحمہ اللہ نے شرح مہذب میں کہا کہ:

" وزكاة الفطرواجبة عندنا و عند جماهير العلماء، وحكى صاحب البيان وغيره عن ابن اللبان من أصحابنا أنها سنة وليست بواجبة ،وقال ابوحنيفة: هي واجبة وليست بفريضة".

(صدقۂ فطر ہمارے نزدیک اور جمہور علما کے نزدیک واجب ہے، اور صاحب بیان وغیرہ نے ہمارے اصحاب میں سے ابن اللبان سے نقل کیا ہے کہ صدقہ فطر سنت مؤکدہ ہے، واجب نہیں ہے اور ابوحنیفہ نے کہا کہ یہ واجب ہے اور فرض نہیں ہے۔)(۲)

اور علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"وذكر أبو التمام قال: قال مالك: زكاة الفطر واجبة، وبه قال أهل العلم كلهم إلا بعض أهل العراق ، فإنه قال: سنة مؤكدة ، قال أبوعمر: اختلف المتأخرون من أصحاب مالك في هذه المسئلة ، فقال بعضهم: هي

---

(۱) المغني: ۲/۳۵۱

(۲) المجموع شرح المهذب: ۶/۸۵

سنة مؤكدة ، وقال بعضهم: هي فرض واجب، وممن ذهب إلى مذاهبهم أصبغ بن الفرج ، وكذلك اختلف أصحاب داوٗد بن علي فيها أيضاً على قولين: أحدهما أنها فرض واجب والآخر أنها سنة مؤكدة ، وسائر العلماء على أنها واجبة‘‘

(ابو التمام نے کہا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ صدقۂ فطر واجب ہے اور یہی تمام اہل علم کا قول ہے، سوائے بعض اہل عراق کے کہ انھوں نے کہا کہ یہ سنت مؤکدہ ہے، ابوعمر رحمہ اللہ کہتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے اصحاب میں سے متأخرین نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے، بعض نے کہا کہ یہ سنت مؤکدہ ہے اور بعض نے کہا کہ فرض واجب ہے اور ان مذاہب کی طرف جو لوگ گئے ہیں ان میں سے اصبغ بن الفرج رحمہ اللہ بھی ہیں، اسی طرح اس میں داؤد بن علی رحمہ اللہ کے اصحاب نے بھی دو قولوں پر اختلاف کیا ہے: ایک یہ کہ یہ فرض واجب ہے اور دوسرا یہ کہ سنت مؤکدہ ہے، لیکن دیگر تمام علما اس بات پر ہیں کہ یہ واجب ہے۔)(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جمہور علما کے نزدیک جن میں ائمہ اربعہ بھی ہیں، صدقۂ فطر لازم وضروری ہے۔ البتہ اس میں بحث کی گئی ہے کہ اس کا فقہی حکم کیا ہے؟ ائمہ ثلاثہ (امام شافعی، امام مالک، امام احمد رحمہم اللہ) اور جمہور علما نے اس کو فرض قرار دیا ہے۔ نیز امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عطا، حضرت ابن سیرین اور حضرت

(۱) تمهيد ابن عبد البر: ۳۲۳/۱۴

ابوالعالیہ سے بھی اس کی فرضیت نقل کی ہے، اور فتح الباری میں ابن حجر رَحِمَہُ اللہُ نے لکھا ہے کہ ابن منیر وغیرہ نے اس کی فرضیت پر اجماع نقل کیا ہے۔(۱)

امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ کے نزدیک صدقۂ فطر واجب ہے، جیسا کہ فقہ حنفی کی کتب میں مصرح ہے؛ مگر ان دونوں اقوال میں حقیقت میں کوئی تعارض نہیں ہے؛ کیوں کہ عام طور پر واجب پر فرض کا اطلاق کردیا جاتا ہے اور احناف اس سلسلے میں احتیاط برتتے ہیں؛ کیوں کہ فرض وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اور جو دلیل ظنی سے ثابت ہو وہ واجب کہلاتا ہے، جب کہ وجوب کے آثار پائے جائیں۔ اور صدقۂ فطر کا ثبوت یا تو آیت سے ہے جو ثبوتاً تو قطعی ہے؛ مگر دلالۃً ظنی ہے، یا حدیث سے ہے جو دلالۃً تو قطعی ہے؛ مگر ثبوتاً ظنی ہے۔ لہٰذا ایسی دلیل سے واجب ثابت ہوتا ہے۔

چناں چہ علامہ ابن نجیم رَحِمَہُ اللہُ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

”صدقۂ فطر واجب ہے، اور اس سے مراد وہ وجوب ہے جو ہماری اصطلاح میں رائج ہے، اگر چہ کہ حدیث میں: ”**فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ** صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ **زَكَاةَ الفِطْرِ**“ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں؛ کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے وجوبی حکم دیا، اور جو حکم دلیل ظنی سے ثابت ہو وہ صرف وجوب کا فائدہ دیتا ہے۔“(۲)

اور امام نووی رَحِمَہُ اللہُ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

”وقال أبو حنيفة: هي واجبةٌ و ليستْ بفريضةٍ بناءً على أصله أَنّ الواجبَ ما ثَبَتَ بِدليل ظنّي ، والفرض ما ثَبَتَ

---

(۱) فتح الباري: ۳/۳٦۷

(۲) البحر الرائق: ۲/۲۷۰

بدليل مَقْطُوع، ومذهبنا أنه لا فرق و تُسَمّٰى واجبةً وفرضاً.‘‘

(اورامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ صدقہ فطر واجب ہے، فرض نہیں، ان کے اس اصول کی بنا پر کہ واجب وہ ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو اور فرض وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو؛ مگر ہمارے یعنی شوافع کے نزدیک دونوں میں کوئی فرق نہیں اور اس کو واجب وفرض دونوں نام رکھے جاتے ہیں۔)(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ صرف لفظی اختلاف ہے، حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں، سب کے نزدیک صدقۂ فطر لازم وضروری ہے خواہ اس کا نام آپ واجب رکھئے یا فرض کے نام سے یاد کیجئے۔

کیا صدقہ فطر کا حکم منسوخ ہے؟

بعض علما کا یہ خیال ہے کہ صدقۂ فطر کا وجوب منسوخ ہوگیا۔ ابراہیم بن علیہ اور ابوبکر بن کیسان رحمہ اللہ کا یہی قول ہے، ان حضرات نے قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں زکوۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے صدقۂ فطر کا حکم دیا تھا، جب زکوۃ کا حکم نازل ہوگیا تو ہمیں نہ اس کا حکم دیا اور نہ ہم کو اس سے منع کیا اور ہم اس کو ادا کرتے رہے۔(۲)

مگر اس استدلال کو ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ کہہ کر رد کردیا ہے کہ اولاً تو اس

(۱) المجموع: ۸۵/۶

(۲) نسائي: ۳۴۷/۱، رقم: ۲۵۹۷

حدیث کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔ثانیاً اگر حدیث صحیح بھی ہوتو اس سے صرف یہ معلوم ہوا کہ حکم زکوۃ کے نزول کے بعد صدقۂ فطر کا دوبارہ حکم نہیں دیا اور ہوسکتا ہے کہ پہلے جو حکم دے دیا تھا اسی پر اکتفا فرمایا ہو؛ کیوں کہ ایک فرض کا حکم نازل ہونے سے، دوسرا فرض ساقط نہیں ہو جاتا۔(۱)

لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں کہ صدقۂ فطر کا حکم منسوخ ہوگیا؛ لہٰذا چاہیں تو دیں، چاہیں تو نہ دیں۔نہیں ؛ بل کہ یہ واجب ہے ضرور ادا کرنا چاہیے۔

صدقہ فطر کی وجہ تسمیہ:

صدقۂ فطر کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ اس میں دو قول ہیں : ایک یہ ہے کہ یہ صدقہ چوں کہ رمضان کے اختتام پر عید الفطر کے دن مشروع ہے، اس لیے اس کو صدقۂ فطر کہا جاتا ہے ۔فطر کے معنی افطار کرنے کے ہیں اور رمضان کے ختم پر روزوں کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، اس لئے رمضان کی عید کو عید الفطر اور اس صدقہ کو صدقۂ فطر کہا جاتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ فطر کے معنی ’’خلقت و بناوٹ‘‘ کے ہیں جیسا کہ اللہ تعالے نے فرمایا:

﴿ فِطْرَ ةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ﴾

(اللہ کی بناوٹ جس پر کہ اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔)

پس اسی سے صدقۂ فطر کو صدقۂ فطر کہتے ہیں ؛ کیوں کہ یہ صدقہ دراصل اپنی ذات و نفس کا صدقہ ہے جسے اللہ نے پیدا کیا ہے، جس طرح زکاۃ مال کا صدقہ ہے، یہ جان کا صدقہ ہے جس سے آپ کا تزکیہ کیا جاتا ہے۔(۲)

---

(۱) فتح الباري: ۳/ ۳٦۸

(۲) المغنی لابن قدامہ:۲/ ۳۵۱،مغنی المحتاج: ۱/ ۴۰۱

صدقۂ فطر کی حکمت

صدقۂ فطر کس وجہ سے مشروع ہوا؟ اس کے بارے میں حدیث میں وضاحت فرمائی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

« فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم زَكَاةَ الفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ. في رواية البيهقي: طهرة للصيام...... مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ. »

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ دار کو فضول ولغو باتوں اور فحش کاموں کے اثرات سے پاک کرنے اور محتاجوں کے کھانے کا بندوبست کرنے کے لیے صدقۂ فطر فرض فرمایا ہے۔)(۱)

اور دار قطنی نے اس کو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« زَكَاةُ الفِطْرِ طُهْرَةٌ لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَ طُعْمَةٌ لِلْمَسَاكِيْنِ. »

(صدقۂ فطر روزہ دار کے لیے فضول ولغو باتوں اور فحش کاموں کے اثرات سے پاکی ہے اور محتاجوں کے کھانے کا ایک ذریعہ ہے۔)(۲)

اس حدیث میں صدقۂ فطر کی مشروعیت کی دو حکمتیں بتائی گئی ہیں: ایک یہ کہ روزوں کو فضول ولغو باتوں اور فحش کاموں کے اثرات سے پاک کرنا۔ یہ اس لیے کہ عام طور پر ہم جو روزے رکھتے ہیں اس میں زبان سے لغو وفضول اور خلاف شرع

---

(۱) ابو داؤد: ۱/ ۲۲۷، رقم: ۱۶۰۹، ابن ماجہ: ۱۸۲۷، شعب الایمان: ۴/ ۱۶۲، دار قطنی: ۲/ ۱۳۸

(۲) دار قطني: ۲/ ۱۳۸

باتیں صادر ہو جاتی ہیں، جس سے روزہ غلط طور پر متأثر ہوتا ہے اور اس کی برکات ختم ہوجاتی ہیں، اسی طرح دیگر اعضاء و جوارح سے گناہ و خطاء کا صدور ہوتا رہتا ہے جس کی بنا پر روزہ خراب ہو جاتا ہے؛ لہٰذا صدقۂ فطر واجب کیا گیا کہ صدقۂ فطر ان گناہوں کے اثرات کو دھو کر روزوں کو پاک وصاف بنا دیتا ہے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ غریب و مسکین لوگوں کے کھانے کا بندوبست کیا جائے عید کا دن اہل اسلام کی خوشی کا دن ہے، اس عظیم خوشی کے دن اپنے رشتہ داروں، دوست واحباب اور پڑوسیوں میں جو لوگ محتاج و بے کس ہوں ان کو بھی اپنی خوشی میں شامل کرنا بل کہ ان کو بھی خوشی منانے کا موقعہ فراہم کرنا ضروری بھی ہے اور فطرت انسانی کا تقاضا بھی، لہٰذا حکم دیا گیا کہ عید سے پہلے صدقۂ فطر مساکین کو دیدیا جائے تاکہ وہ بھی عید کے دن کچھ خوشی کا سامان کر سکیں اور سب کے ساتھ عید منائیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی تعلیمات کس قدر حکیمانہ ہوتی ہیں اور اس کے ایک ایک حکم میں کئی کئی حکمتیں و مصلحتیں پوشیدہ ہوتی ہیں، دیکھئے صدقۂ فطر سے ایک طرف روزوں میں ہونے والی لغویات و فضولیات اور غلط حرکات کا تدارک کیا جا رہا ہے تو دوسری طرف محتاجوں اور بے کسوں کی عید کا سامان بھی کیا جا رہا ہے، تاکہ وہ بھی اپنے اہل وعیال کے ساتھ شریک عید وخوشی ہو جائیں۔

صدقۂ فطر اور صحابہ کے معمولات

صدقۂ فطر کے سلسلہ میں صحابہ کا معمول بھی احادیث میں منقول ہے:

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صدقۂ فطر کھانے (یعنی گیہوں) میں سے ایک صاع، جو میں سے ایک صاع، کھجور میں سے ایک صاع، پنیر میں سے ایک صاع اور خشک انگور (کشمش)

میں سے ایک صاع دیتے تھے۔ (۱)

(۲) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صرف کھجور، جو اور پنیر میں سے ایک ایک صاع، صدقہ فطر میں نکالتے تھے۔ (۲)

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں لوگ صدقۂ فطر میں جو، یا کھجور یا خشک انگور میں سے ایک صاع نکالتے تھے۔ (۳)

(۴) حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم اللہ کے نبی علیہ السلام کے دور میں صدقۂ فطر میں دو مُد گیہوں دیا کرتے تھے۔ (۴)

(۵) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنے گھر والوں میں سے آزاد وغلام سب کی طرف سے دو مد گیہوں یا ایک صاع کھجور اس مد سے نکالتی تھیں جس سے لوگ معاملہ کرتے تھے۔ (۵)

(۶) حضرت عبداللہ بن عمر صدقۂ فطر اپنے گھر کے لوگوں میں سے چھوٹے اور بڑے، آزاد اور غلام سب کی طرف سے دیتے تھے۔ (۶)

---

(۱) بخاري: ۱/۲۰۴، رقم: ۱۴۳۵، مسلم: ۱/۳۱۸، رقم: ۹۷۵، نسائی: ۱/۳۴۷، رقم: ۲۵۱۸، ابو دائود: ۱/۲۲۸، رقم: ۱۶۱۸، طحاوی: ۱/۲۶۸، ترمذی: ۱/۱۴۶، رقم: ۶۷۳

(۲) مسند حمیدي: ۲/۳۲۷، طحاوی: ۱/۲۶۸ وغیرہ

(۳) نسائي: ۱/۳۴۸، رقم: ۲۵۱۶، ابو دائود: ۱/۲۲۷، رقم: ۱۶۱۴

(۴) طحاوي: ۱/۲۶۹

(۵) طحاوي: ۱/۲۶۹

(۶) مسندحمیدي: ۲/۴۶۸

(۷) حضرت سالم بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے مُکاتَب غلاموں کی طرف سے بھی صدقۂ فطر نکالتے تھے۔(۱)

فائدہ: مکاتب وہ غلام ہے جس کو آقا نے ایک مقررہ رقم ادا کرنے پر آزاد کرنے کہہ دیا ہو، مثلاً اگر ایک ہزار روپئے دے دے تو آزاد وغیرہ۔

(۸) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صدقۂ فطر میں کھجور دیا کرتے تھے، ایک دفعہ مدینہ والوں کو اس کی سخت حاجت پڑ گئی تو اس سال جو دیئے۔(۲)

(۹) حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عیدالفطر سے ایک یا دو دن پہلے ہی صدقۂ فطر دے دیا کرتے تھے۔(۳)

(۱۰) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عید سے دو یا تین دن پہلے صدقۂ فطر ان لوگوں کے پاس جمع فرمادیتے جو صدقۂ فطر جمع کرتے تھے۔(۴)

ان روایات سے صدقۂ فطر کے بارے میں حضرات صحابہ کے معمولات کا علم ہوتا ہے، جن کا خلاصہ درج ذیل نمبرات میں ملے گا:

(۱) عام طور پر صدقۂ فطر ان چیزوں سے دیا جاتا تھا: کھجور، جو، پنیر، خشک انگور یعنی کشمش اور ان میں سے بھی بعض صحابہ جیسے عبداللہ بن عمر عام طور پر کھجور دیا کرتے تھے۔

(۲) اور یہ چیزیں ایک صاع دی جاتی تھیں۔ (صاع کی مقدار آگے آرہی ہے)

---

(۱) جامع المسانید: ۱/ ۴۶۸

(۲) بخاري: ۱/ ۲۰۵، رقم: ۱۴۴۰، مؤطامالك: ۱۲۴، ابو دائود: ۱/ ۲۲۸، رقم: ۱۶۱۵، احمد: ۲/ ۵

(۳) بخاري: ۱/ ۲۰۵، رقم: ۱۴۴۰

(۴) موطامالك: ۱۲۴

(۳) گیہوں میں سے دومُد دیا کرتے تھے۔ (دومُد آدھا صاع ہوتے ہیں)

(۴) اپنی طرف سے اوراپنے گھر کے دیگر آزادوغلام، بڑے چھوٹے افراد کی طرف سے بھی نکالتے تھے یعنی جن کا نفقہ اپنے ذمہ ہوتا، ان کا صدقہ فطرادا کرتے اور جن کا نفقہ ذمہ نہ ہوتا ان کو ترغیب دے کران کی طرف سے نکالتے تھے۔

(۵) عید سے ایک دودن پہلے ہی نکال دیتے اورامیر المومنین کی طرف سے مقررہ افراد کے پاس جمع کردیتے تھے۔

صدقۂ فطر کے وجوب واداکرنے کا وقت

صدقۂ فطرکب واجب ہوتا ہے اوراس کو کب تک ادا کیا جائے؟ جہاں تک پہلے مسئلہ کا تعلق ہے تو فقہا نے لکھا ہے کہ صدقۂ فطرعیدالفطر کی صبح صادق پر واجب ہوتا ہے؛ لہٰذا جو شخص اس وقت موجود ہے اس پر واجب ہوجائے گا۔لہٰذا جس کی موت عید کے دن صبح صادق سے پہلے ہوگئی اس پر یہ صدقہ واجب نہیں اورجس کی موت صبح صادق کے بعد ہوئی اس پرواجب ہوگا،اسی طرح جو بچہ اس وقت سے پہلے پیدا ہوااس کا صدقہ فطر باپ دے گااور جو بچہ اس وقت کے بعد پیدا ہوااس کا صدقۂ فطرواجب نہیں، نیز جو شخص صبح صادق سے پہلے ایمان لایااس پر یہ واجب ہوجائے گااور جواس وقت کے بعد ایمان لایااس پرواجب نہ ہوگا،اسی طرح جوفقیر آدمی صبح صادق سے پہلے مال دار ہوگیااس پر یہ واجب ہےاور جواس وقت کے بعد مالدار ہوااس پر واجب نہیں۔ (۱)

اوررہا دوسرا مسئلہ کہ کب ادا کیا جائے؟ تو معلوم ہونا چاہئے کہ اس کا وقت تو وہ ہے جس کا ذکر حدیث میں گزرا ہے:

(۱) المبسوط: ۳/۱۰۸، الدر المختار مع الشامی: ۲/۳۶۷،تحفة الفقهاء: ۱/۳۳۹

« وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدّٰی قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ إِلَی الصَّلَاۃِ. »

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو لوگوں کے عید کے لیے نکلنے سے پہلے ادا کیا جائے۔)

لہٰذا صدقہ فطر عید کی نماز کو جانے سے پہلے ادا کر دینا چاہیے۔

نیز ایک حدیث میں بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم زَکَاۃَ الفِطْرِ طُهْرَۃً لِلصَّائِمِ ...... في روایة البیهقي: طهرة للصیام ...... مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَ طُعْمَةً لِلْمَسَاکِیْنِ، وَ مَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاۃِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مَقْبُوْلَةٌ، وَ مَنْ أَدّاهَا بَعْدَ الصَّلَاۃِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ. »

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ دار کو فضول ولغو باتوں اور فحش کاموں کے اثرات سے پاک کرنے اور محتاجوں کے کھانے کا بندوبست کرنے کے لیے صدقۂ فطر فرض فرمایا ہے اور جس نے عیدگاہ جانے سے پہلے اس کو ادا کیا وہ اس کے لیے مقبول صدقہ ہے اور جس نے نماز کے بعد میں ادا کیا تو وہ عام صدقات میں سے ایک صدقہ ہے۔)(۱)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ عیدگاہ جانے سے پہلے ادا کر دینا چاہئے اور بہتر یہ ہے کہ دو چار دن قبل عیدی ادا کر دیا جائے۔ جیسا کہ اوپر حضرات صحابہ کا معمول بیان

(۱) ابو دائود: ۱/ ۲۲۷، رقم: ۱۶۰۹، ابن ماجه: ۱۸۲۷، شعب الایمان: ۴/ ۱۶۲

کر چکا ہوں۔ اور اگر شروع رمضان میں ادا کر دے؛ بل کہ رمضان آنے سے پہلے بھی ادا کر دے تو جائز ہے۔

علامہ حصکفی رَحِمَہُ اللہُ نے لکھا ہے:

بعض کے نزدیک رمضان داخل ہونے کے بعد کبھی بھی صدقہ فطر دیا جا سکتا ہے، رمضان کے آنے سے پہلے نہیں؛ لیکن عام متون میں یہی لکھا ہے کہ رمضان سے پہلے بھی دیا جا سکتا ہے، اور یہی مذہب ہے۔ (۱)

لیکن علامہ ابن نجیم رَحِمَہُ اللہُ نے فتاوی ظہیریہ وفتاوی قاضی خان کے حوالے سے فتوی اس پر نقل کیا ہے کہ رمضان کے داخل ہونے کے بعد کسی وقت دیا جا سکتا ہے، رمضان سے پہلے نہیں۔ (۲)

اگر کسی نے عید سے پہلے صدقہ ادا نہ کیا تو وہ اس سے ساقط نہ ہوگا؛ بل کہ بعد میں کبھی نہ کبھی اس کو ادا کرنا چاہیے، اگر چہ کہ ایک لمبی مدت کیوں نہ گزر گئی ہو، اس لیے جلد سے جلد ادا کر دے۔ (۳)

صدقۂ فطر کن لوگوں پر واجب ہے؟

صدقۂ فطر کن کن لوگوں پر واجب ہے؟ اس بارے میں بعض امور میں فقہا کا اختلاف ہے اور اس سلسلے میں وہ حدیث اصل ہے جو اوپر گزر چکی ہے، جس میں ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صدقۂ فطر ہر آزاد وغلام، مرد وعورت، چھوٹے اور بڑے پر جو مسلمانوں میں سے ہو، ایک صاع جو یا کھجور فرض کیا ہے۔ (۴)

---

(۱) الدر المختار مع الشامی: ۲/ ۳۶۷، البحر الرائق: ۲/ ۲۷۵

(۲) البحر الرائق: ۲/ ۲۷۵

(۳) هدايه: ۱/ ۱۱۷، المبسوط: ۳/ ۱۱۰

(۴) بخاري: ۱/ ۲۰۴، مسلم: ۱/ ۳۱۷

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقۂ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اور خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، بچہ ہو یا بڑا؛ مگر بعض اور دلائل کی وجہ سے فقہا ان میں سے بعض میں کچھ تفصیل کرتے ہیں۔ اور اسی سے فقہا میں اختلاف ہوا ہے۔

صدقۂ فطر مال دار مسلمان پر واجب ہے

ایک تو اس میں کہ صدقۂ فطر صرف مالدار مسلمان پر واجب ہے یا محتاج پر بھی واجب ہے؟ امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ ائمہ ہر اس مسلمان پر اس کو واجب قرار دیتے ہیں جس کے پاس اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے عید کے دن کے کھانے پینے کا سامان موجود ہو اور احناف یہ کہتے ہیں کہ جو صاحب نصاب ہو اور وہ نصاب بھی اس کی ضروریات سے زائد ہو اس پر یہ صدقہ واجب ہے۔

تحفة الملوك میں ہے:

" صدقة الفطر تجب على كل حر مسلم مالك نصاباً فاضلاً عن حاجته الأصلية وإن كا ن غير نام."

(صدقۂ فطر ہر اس آزاد مسلمان پر واجب ہے جو اپنی حاجت اصلیہ سے زائد نصاب کا مالک ہو، اگر چہ کہ وہ نصاب نامی نہ ہو۔)(۱)

اور امام قدوری اور امام مرغینانی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ:

"صدقة الفطر واجبة على الحر المسلم إذا كان مالكاً لمقدار النصاب فاضلاً عن مسكنه وثيابه و أثاثه و فرسه و سلاحه و عبيده للخدمة ."

(صدقہ فطر اس آزاد مسلمان پر واجب ہے جو مقدار نصاب کا مالک

---

(۱) **تحفة الملوك** :۱/۱۳۱

ہو، جب کہ وہ نصاب اس کے مسکن، کپڑوں، گھریلو سامان، سواری کے گھوڑے اور ہتھیار اور خدمت کے غلاموں سے زائد از ضرورت ہو۔)(۱)

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

« خير الصدقة ما كان عن ظهر غني. »

(بہترین صدقہ وہ ہے جو (ضروریات سے) فاضل وزائد مال سے دیا جائے۔)(۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کے پاس اتنا مال ہے کہ اس سے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات پورا کرنے کے بعد بھی وہ بچا رہتا ہے تو اس پر تو ضروری ہے کہ صدقہ دے اور جس کے پاس بچا نہ رہے، وہ خود محتاج ہو تو اس کو صدقہ دینا افضل بھی نہیں، چہ جائے کہ واجب ہو۔

الغرض جو مسلمان غنی و مال دار ہو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے، اب رہا یہ کہ غنی کس کو کہیں گے؟ تو امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللهُ کے نزدیک غنی وہ ہے جو صاحب نصاب ہو، یعنی جس کے پاس اتنا مال ہو جس پر زکاۃ فرض ہو جاتی ہے، اسی لیے احادیث میں مذکور ہے کہ پانچ اوقیہ سے کم میں زکوۃ نہیں۔

"ليس فيما دون خمس أواق صدقة." (۳)

---

(۱) بداية المبتدي: ۳۸

(۲) بخاري: ۱/۱۹۲، رقم: ۱۳۶۰، ومسلم: ۱/۳۳۲، رقم: ۱۰۳۴، والنسائی: ۱/۳۵۱، رقم: ۲۵۴۳، احمد: ۳/۴۳۴، صحيح ابن خزيمه: ۴/۹۷، والحميدى فى مسنده: ۲/۵۳۶

(۳) بخاري: ۱/۱۹۴، رقم: ۱۳۴۰، مسلم: ۹۷۹، نسائی: ۱/۳۴۲، رقم: ۲۴۷۶، ابو دائود: ۱/۲۱۷، رقم: ۱۵۵۸، مؤطا مالك: ۱۰۵

اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے تو پانچ اوقیہ دوسو درہم ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زکوۃ کا نصاب دوسو درہم ہے، اس سے کم میں زکوۃ نہیں، جب زکوۃ کے بارے میں غنی کی یہ حد ہے تو امام ابوحنیفہ صدقۂ فطر میں بھی غنی کی یہی حد قرار دیتے ہیں۔

غرض جو صاحبِ نصاب ہو (یعنی جس کے پاس ضروریات سے زائد ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولے چاندی ہو اور آج کے حساب کے مطابق جو ۶۱۲ رگرام چاندی یا ۸۷ رگرام سونا رکھتا ہو) اس پر صدقۂ فطر واجب ہے اور دیگر ائمہ کرام کے نزدیک صدقۂ فطر اس پر بھی واجب ہے جس کے پاس اپنا اور اپنے اہل وعیال کا ایک دن کا کھانا اور عید کی ضروریات موجود ہوں۔

چناں چہ فقہ شافعی کی کتاب "حلية العلماء" میں ہے:

"زكاة الفطر واجبةٌ على كل حرّ مسلم يملك ما يخرجه من صدقة الفطر فاضلاً عن كفايته و كفاية من تلزمه كفايته في ليلة الفطر و يومه."

(صدقۂ فطر ہر اس آزاد مسلمان پر واجب ہے، جو صدقۂ فطر نکالنے کے لئے اتنے مال کا مالک ہو جو عید الفطر کی رات اور دن کے لئے اپنی اور اپنے ماتحتوں کی کفایت سے زائد ہو۔) (۱)

اس لیے اللہ تعالی نے جن لوگوں کو بالکل ہی محتاج نہیں بنادیا ہے، بل کہ نصاب کے مالک نہ ہونے کے باوجود، اچھا کھاتے پیتے ہیں وہ بھی صدقۂ فطر ادا کردیں تو بہتر ہے۔

(۱) حلية العلماء: ۳/۱۰۱

نصاب کے بارے میں ایک وضاحت

اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ زکاۃ کے نصاب کا مالک ہونا صدقۂ فطر کے وجوب کے لیے بھی شرط ہے؛ مگر یہاں اس کے متعلق ایک وضاحت ضروری ہے، وہ یہ کہ زکوۃ کے لیے نصاب پر ایک سال گزرنا بھی شرط ہے؛ لیکن صدقۂ فطر کے لیے نصاب پر ایک سال گزرنا شرط نہیں، بل کہ اگر عید کے دن صبح صادق سے پہلے وہ نصاب کا مالک ہوا تو اس پر بھی صدقۂ فطر لازم و واجب ہے، دوسرے یہ کہ زکوۃ کے نصاب میں یہ شرط بھی ہے کہ وہ نامی یعنی بڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہو، جیسے سونا چاندی یا مال تجارت؛ مگر صدقۂ فطر والے نصاب میں یہ شرط بھی نہیں ہے؛ لہٰذا وہ نصاب بڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو، ہر صورت میں اس پر صدقۂ فطر واجب ہو جائے گا۔(۱)

نابالغ پر صدقہ کا مسئلہ

مذکورہ حدیث میں بچے پر بھی صدقۂ فطر کو ضروری بتایا ہے، علما نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ نابالغ بچے کا ذاتی مال ہو تو اس میں سے اس کا صدقۂ فطر ادا کیا جائے اور اگر اس کا مال نہ ہو تو باپ، اس کا صدقۂ فطر اپنے مال سے ادا کر دے۔

علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ نے مراقی الفلاح میں لکھا ہے:

" فیخرجها عن نفسه و أولاده الصغار الفقراء وإن كانوا اغنياء يخرجها من مالهم".

(پس باپ اپنی جانب سے اور اپنی فقیر نابالغ اولاد کی جانب سے صدقۂ فطر نکالے اور اگر اولاد خود مال دار ہو تو ان ہی کے مال سے نکالے۔)(۲)

---

(۱) الدر المختار مع الشامی: ۲/۲۶۰، هدایه: ۱/۱۱۵، طحطاوی علی المراقی: ۴۷۵
(۲) مراقی الفلاح: ۲۶۹

علامہ کاسانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

” وأما البلوغ والعقل فليسا من شرائط الوجوب في قول أبي حنيفة و أبي يوسف حتى تجب صدقة الفطر على الصبي والمجنون إذا كان لهما مال ويخرجها الولي من مالهما“.

(بالغ ہونا اور عقل مند ہونا امام ابو حنیفہ وامام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک شرائط وجوب میں سے نہیں ہیں؛ لہٰذا صدقۂ فطر بچے اور مجنون کے اوپر بھی واجب ہوگا اگر ان کے پاس مال ہو اور اس کو ان کا ولی ان کے مال سے نکالے گا۔)(۱)

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

”حدیث (مذکور) سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ (صدقۂ فطر) بچے پر بھی واجب ہے؛ لیکن اس سے بچہ کے ذمہ دار کو خطاب کیا گیا ہے؛ لہٰذا یہ بچے کے مال میں واجب ہوگا؛ ورنہ اس پر واجب ہوگا جس کے ذمہ اس بچہ کا خرچ ہے، یہی جمہور علما کا قول ہے۔“(۲)

ہاں بالغ اولاد کا صدقۂ فطر باپ کے ذمہ نہیں، وہ خود مال دار ہے تو اس کا ادا کرنا خود ان کے اوپر واجب ہے اور اگر مال دار نہیں ہیں تو کسی پر بھی ان کا صدقہ واجب نہیں۔(۳)

---

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۱۹۸

(۲) فتح الباري: ۳/۳۶۹

(۳) مراقی الفلاح: ۲۶۹،وطحطاوي على المراقی:۲/۴۷۵

تاہم اگر باپ ان کی طرف سے ان کی اجازت کے بغیر ادا کردے تو قیاس کی رو سے تو ادا نہ ہوگا لیکن استحسانا یہ بھی درست ہے اور اس کی جانب سے یہ ادا ہو جائے گا۔(۱)

عورت کا صدقۂ فطر

اس حدیث میں عورت پر بھی صدقۂ فطر کو واجب قرار دیا ہے۔لہٰذا عورت اپنے مال سے اپنا صدقۂ فطر ادا کرے گی، عورت کا صدقۂ فطر شوہر کے ذمہ نہیں ہے، یہی امام ابوحنیفہ وامام ثوری وامام ابن المنذر رحمہم اللہ کا مسلک ہے۔اور امام شافعی وامام مالک وامام احمد رحمہم اللہ وغیرہ حضرات کے نزدیک عورت کا صدقہ فطر اس کے شوہر کے ذمہ ہے، جس طرح اس کا نفقہ شوہر پر ہے۔(۲)

امام سرخسی رحمۃ اللہ کی ’’المبسوط‘‘ میں ہے:

’’ولا يؤدي الزوج زكاة الفطر عن زوجته‘‘.

(شوہر اپنی بیوی کی جانب سے صدقۂ فطر ادا نہیں کرے گا۔)(۳)

اگر کوئی شوہر بیوی کی اجازت کے ساتھ اس کا صدقۂ فطر دیدے تو جائز ہے اور اگر اس کی اجازت کے بغیر اس کا صدقۂ فطر ادا کردے تو بعض علما نے کہا کہ یہ ادا نہ ہوگا لیکن امام ابویوسف رحمۃ اللہ کی روایت میں استحسانا یہ جائز ودرست ہو جائے گا۔

علامہ سرخسی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے:

’’فإن أدّى الزوج عن زوجته بأمرها جاز ، و إن أدّى

(۱) طحاوي: ۲/۴۷۵

(۲) فتح الباري: ۳/۳۶۹

(۳) المبسوط: ۳/۱۰۵

عنها بغير أمرها لم يجز في القياس ، كما لو أدّى عن أجنبي ، و يجوز استحساناً. في رواية عن أبي يوسف رحمہ اللہ ؛ لأن العادة أن الزوج هو الذي يؤدي فكان الأمر منها ثابتاً باعتبار العادة".

(پس اگر شوہر اپنی زوجہ کی طرف سے اس کے حکم سے دے دے تو جائز ہے اور اگر اس کے حکم کے بغیر دے دے تو قیاس میں یہ جائز نہیں ہے جیسے اگر کسی اجنبی کی جانب سے دے تو جائز نہیں اور استحسانا ابو یوسف رحمہ اللہ کی روایت میں یہ جائز ہے ؛ کیوں کہ عادت یہی ہے کہ شوہر ہی صدقہ ادا کرتا ہے پس زوجہ کی جانب سے حکم باعتبار عادت کے ثابت ہے۔)(۱)

ایک مشہور غلط فہمی کا ازالہ

اکثر عوام میں مشہور ہے کہ صدقہ فطر اس پر واجب ہے جس نے روزہ رکھا ہو اور جس نے روزہ نہیں رکھا اس پر صدقۂ فطر نہیں ہے۔ یہ بے اصل اور غلط ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ صدقۂ فطر بھی مستقل ایک عمل وعبادت ہے، خواہ روزہ رکھا ہو یا نہ رکھا ہو، ہر صورت میں صدقہ فطر دینا چاہیے جب کہ مال دار ہو۔

بدائع الصنائع میں ہے:

وكذلك وجود الصوم في شهر رمضان ليس بشرط لوجوب الفطرة حتى أن من أفطر لكبر أو مرض أو سفر يلزمه صدقة الفطر لأن الأمر بأدائها مطلق عن هذا الشرط".

(۱) المبسوط: ۳/۱۰۵

(اور اسی طرح رمضان میں روزے کا پایا جانا صدقۂ فطر کے واجب ہونے کے لیے لازم نہیں ہے؛ لہٰذا جو شخص بڑھاپے یا بیماری یا سفر کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا اس پر بھی صدقۂ فطر دینا لازم ہے؛ کیوں کہ صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم اس شرط سے مطلق ہے۔)(۱)

اسی طرح درمختار وشامی میں بھی ہے کہ اگر کسی نے روزہ نہیں رکھا تو اس پر بھی صدقۂ فطر واجب ہے، شامی نے تصریح کی ہے کہ خواہ کسی عذر کی وجہ سے نہ رکھا ہو یا بلا عذر جان بوجھ کر روزہ چھوڑا ہو ہر صورت میں صدقۂ فطر واجب ہے۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے روزہ نہیں رکھا خواہ بڑھاپے کی وجہ سے یا بیماری یا سفر کی وجہ سے یا ویسے ہی غفلت و سستی کی وجہ سے تو اس سے صدقہ فطر ساقط نہیں ہوتا، اس کو خوب ذہن نشین کر لینا چاہئے۔

صدقۂ فطر کی مقدار

صدقۂ فطر میں اگر کھجور، جو، کشمش، اور پنیر دینا ہو تو ایک صاع دینا چاہئے جیسا کہ اوپر احادیث کے حوالہ سے گزرا ہے اور اگر گیہوں دینا ہو تو احناف کے نزدیک آدھا صاع کافی ہے، اور امام احمد و امام شافعی و امام مالک رحمہم اللہ وغیرہ کے نزدیک گیہوں میں بھی ایک صاع ہی دینا چاہئے۔ (صاع کی تحقیق آگے آرہی ہے)

علامہ ابن قدامہ رَحِمَہُ اللہُ ”المغني“ میں لکھتے ہیں:

”أن الواجب في صدقة الفطر صاع عن كل إنسان لا يجزئ أقل من ذلك من جميع أجناس المخرج ، و به

---

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۷۰

(۲) الدر المختار مع الشامي: ۲/۳۶۱

قال مالك و الشافعي و إسحاق ، و روي ذلك عن أبي سعيد الخدري والحسن وأبي العالية ، وروي عن عثمان بن عفان وابن الزبير ومعاوية: أنه يجزئ نصف صاع من البر خاصةً ، وهو مذهب سعيد بن المسيب وعطاء وطاؤس و مجاهد و عمر بن عبد العزيز و عروة بن الزبير وأبي سلمة بن عبد الرحمن وسعيد بن جبير وأصحاب الرأي''.

(صدقۂ فطر میں واجب ہر انسان کی طرف سے ایک صاع ہے، تمام قسم کی اجناس میں سے اس سے کم جائز نہ ہوگا، یہی امام مالک، امام شافعی وامام اسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے اور یہی بات حضرت ابوسعید خدری، حضرت حسن اور حضرت ابو العالیہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور حضرت عثمان، حضرت عروہ بن الزبیر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ خاص طور پر گیہوں میں آدھا صاع کافی ہے اور یہی سعید بن المسیب، عطاء، طاؤس، مجاھد، عمر بن عبدالعزیز، عروہ بن الزبیر، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن، سعید بن جبیر رحمہم اللہ اور اصحاب الرای کا مذہب ہے۔)(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ گیہوں کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس کا ایک صاع دینا صدقۂ فطر میں ضروری ہے جیسا کہ دیگر اشیاء میں دیا جاتا ہے یا اس میں نصف صاع کافی ہے؟

---

(۱) المغنی: ۳۵۲/۲

گیہوں میں آدھا صاع کافی ہونے کے بارے میں متعدد صحابہ سے روایات آئی ہیں۔ چناں چہ اوپر صحابہ کے معمولات میں بھی حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی جاچکی ہے جس میں ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ہم اللہ کے نبی علیہ السلام کے دور میں صدقۂ فطر میں دو مُد گیہوں دیا کرتے تھے۔(۱)

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم (صحابہ) حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ایک صاع غلہ یا ایک صاع جو یا ایک صاع کشمش دیتے تھے۔ جب گیہوں آئی (یعنی اس کا رواج ہوا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ان دنوں) حج یا عمرہ کے لیے تشریف لائے تو فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ اس (گیہوں) کا ایک مُد (دیگر چیزوں کے) دو مُد کے برابر ہے۔(۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو صدقۂ فطر میں دینے کا حکم فرمایا، پھر لوگوں نے دو مُد گیہوں کو اس کے برابر قرار دیا۔(۳)

اور ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے یہ وارد ہوا ہے کہ لوگ جو اور کھجور اور سُلت (بغیر چھلکے کا جو) صدقہ فطر میں نکالتے تھے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں گیہوں کی زیادتی ہوئی تو آپ نے گیہوں کا آدھا صاع مقرر کیا۔(۴)

مگر اس میں محدثین نے اس کے راوی عبدالعزیز بن رواد رضی اللہ عنہ پر وہم کا حکم لگایا

---

(۱) طحاوي: ۱/۲۶۹

(۲) بخاري: ۱/۲۰۴،رقم:۱۴۳۷امسلم: ۱/۳۱۸،رقم: ۹۸۵، ابوداؤد: ۱/۲۲۸،رقم: ۱۶۱۶،نسائی:۱/۳۴۸،رقم: ۲۵۱۳،ترمذي: ۱/۱۴۶،رقم:۶۷۳،طحاوي: ۱/۲۶۸

(۳) بخاري:۱/۲۰۴،رقم: ۱۴۳۶،مسلم:۱/۳۱۷،رقم:۹۸۴، ابو دائود:۱/۲۲۷،احمد: ۲/۵

(۴) ابو داوٗد: ۱۶۱۴،دارقطنی:۲/۱۴۵

ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا:

حكم مسلم في كاتب التمييز على عبد العزيز بن رواد فيه بالوهم و أوضح الرد عليه." (۱)

ایک صاع چار مُد کا ہوتا ہے، لہٰذا دو مُد نصف (آدھا) صاع ہوں گے، تو معلوم ہوا کہ گیہوں میں سے آدھا صاع دینا کافی ہے۔

گیہوں میں آدھا صاع کس نے مقرر کیا؟

رہا یہ کہ گیہوں میں دو مد مقرر کرنے کی رائے کس کی تھی؟ اس میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے تھی اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں اس کو صحابہ کی رائے کہا گیا ہے جب کہ انھی کی ایک دوسری روایت میں اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب کیا ہے، مگر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا؛ کیوں کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ "ہم اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں صدقۂ فطر میں دو مُد گیہوں دیا کرتے تھے" بتا رہے ہیں کہ یہ حکم خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا؛ کیونکہ محدثین کے یہاں اس قسم کے الفاظ کو مرفوع حدیث کا درجہ دیا جاتا ہے۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں ہے:

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جو یا کھجور وغیرہ کا ایک صاع دیتے تھے۔"

اس پر لکھتے ہیں:

---

(۱) فتح الباري: ۳۷۲/۳

”قوله: كنا نعطيها في عهد النبي صلى الله عليه وسلم “ هذا حكمه الرفع لإضافته إلى زمنه صلى الله عليه وسلم ففيه إشعار باطلاعه صلى الله عليه وسلم على ذلك و تقريره له“.

(حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیتے تھے، اس کا حکم حدیث مرفوع کا حکم ہے؛ کیونکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی جانب نسبت ہے، لہٰذا اس میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع تھی اور آپ نے اس کی تقریر کی۔)(۱)

الغرض جس طرح حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے اسی طرح حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا یہ جملہ بھی مرفوع کے حکم میں ہے اور اس کی تائید بعض اور روایات سے بھی ہوتی ہے کہ یہ خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا۔

چناں چہ حضرت ثعلبہ بن عبد اللہ بن ابی صعیر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد حضرت عبد اللہ بن صعیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

” قام رسول الله صلى الله عليه وسلم خطيباً، فأمر بصدقة الفطر صاع تمر أو شعير عن كل رأس أو صاع بر أو قمح بين اثنين عن الصغير والكبير والحر والعبد.“

(حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور آپ نے ہر فرد کی جانب سے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو دینے کا یا دو افراد کی جانب سے ایک صاع گیہوں دینے کا حکم دیا بچے

(۱) فتح الباري: ۳/۳۷۳

و بڑے اور آزاد و غلام سب کی طرف سے۔)(۱)

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اسی حدیث کو ان الفاظ سے ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے اور اس میں ثعلبہ بن صعیر رضی اللہ عنہ آیا ہے، وہ کہتے ہیں:

”قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم : صاع من بر أو قمح علی کل اثنین صغیر أو کبیر، حر أو عبد ، ذکر أو أنثی“.

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر دو چھوٹے یا بڑے، آزاد یا غلام، عورت یا مرد کی جانب سے ایک صاع گیہوں ہے۔)(۲)

اس کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے دو طرق سے روایت کیا ہے اور دونوں طریقوں کا مدار امام زہری رحمہ اللہ پر ہے، اور امام زہری رحمہ اللہ کا مقام تو سب کو معلوم ہے۔ مگر امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اپنی ”**کتاب العلل**“ میں اس حدیث کو سند و متن کے لحاظ سے مضطرب قرار دیا ہے۔(۳)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مرد و عورت اور آزاد و غلام پر ایک صاع جو یا کھجور یا آدھا صاع گیہوں فرض قرار دیا ہے۔(۴)

یہ حدیث بھی سند کے لحاظ سے ضعیف ہے؛ کیوں کہ اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ ہیں اور ان کی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہے۔

---

(۱) ابو داؤد: ۱۶۲۰

(۲) ابو داؤد: ۱۶۱۹

(۳) دیکھو: کتاب العلل: ۷/۴۰

(۴) نسائی: ۱/۳۴۷، رقم: ۲۵۰۸، ابو دائود: ۱/۲۲۹، رقم: ۱۶۲۲

اور ترمذی و دارقطنی نے حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ کی گلیوں میں منادی بھیجا کہ یہ اعلان کردے کہ:

" ألا إن صدقة الفطر واجبة على كل مسلم ذكر أو أنثى ، عبد أو حر ، صغير أو كبير مدان من قمح أو سواه صاع من طعام"

(خبردار کہ بے شک صدقۂ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے، مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، چھوٹا ہو یا بڑا، گیہوں میں سے دو مد یا اس کے سوا دوسرے کھانوں سے ایک صاع۔)(۱)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے۔ اور حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے مرسلا مروی ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر گیہوں میں سے دو مُد فرض فرمایا ہے۔(۲)

یہ حدیث مرسل کہلاتی ہے؛ کیوں کہ حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ تابعی ہیں، انہوں نے صحابی کا واسطہ ذکر نہیں کیا؛ مگر جمہور محدثین وفقہا کے نزدیک مرسل حدیث بھی قابل قبول ولائق احتجاج ہوتی ہے۔ اور خصوصاً اس وقت جب کہ دیگر احادیث وآثار صحابہ وتعامل علماء سے وہ مؤید ہو اور یہاں ایسا ہی ہے کہ دیگر احادیث وآثار صحابہ سے اس کی تائید ہورہی ہے، پھر خصوصیت کے ساتھ حضرت سعید رحمہ اللہ کی مرسل روایات حجت ہیں۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں فرمایا کہ ابن معین رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ تمام مرسل روایات میں سب

---

(۱) ترمذي: ۶۷۴، دارقطني :۲/۱۴۱

(۲) طحاوي: ۱/۲۷۰

سے صحیح سعید بن مسیّب کی مراسیل ہیں اور فرمایا کہ ائمہ متقدمین نے ان کی مراسیل کو دیکھا تو ان کو صحیح سندوں سے پایا۔(۱)

الغرض یہ احادیث اگرچہ کہ منفرداً قابل احتجاج نہیں ؛ لیکن ان سب کا مجموعہ قوی ہے؛ لہٰذا ان سب کو ملا کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ گیہوں میں نصف صاع دینے کا حکم اللہ کے رسول ہی کی جانب سے ہے اور ان ہی احادیث کی بنیاد پر علمائے حنفیہ نے گیہوں میں سے صرف دو مُد یعنی آدھا صاع کو کافی قرار دیا ہے۔

صاحب حیثیت لوگ توجہ فرمائیں

اگر کسی کو اللہ نے وسعت دی ہو تو بہتر ہے کہ گیہوں کا بھی ایک صاع ہی دے دے، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں پر وسعت دیکھی تو ان سے فرمایا تھا:

”أما إذا وسع اللّٰہ فأوسعوا، أعطوا صاعاً من بر أو غیرہ.“

(جب اللہ نے وسعت دی ہے تو تم بھی وسعت کرو؛ لہٰذا گیہوں اور دوسری چیزوں سے ایک صاع ہی دو۔)(۲)

لہٰذا صاحب حیثیت لوگوں کو اللہ کی راہ میں خوب خرچ کرتے ہوئے یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ اس میں ایک طرف اگر دینے والے کی صلاح وفلاح میں اضافہ، اور آخرت کے لحاظ سے بلندی ہے تو دوسری طرف لینے والے فقراء کا بھی دنیوی اعتبار سے زیادہ فائدہ اور ان کے مسائل کا حل ہے۔

اسی کے ساتھ ایک اور گزارش بھی پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ

---

(۱) معرفۃ علوم الحدیث: ۳۳

(۲) نسائی: ۲۵۱۵

آج کل کے لحاظ سے گیہوں کی قیمت بلحاظ کھجور کے بہت کم ہے، اور جیسا کہ آپ نے پڑھا ہے احادیث میں کھجور دینے کا بھی ذکر ہے، اس لئے اگر اہل ثروت حضرات عید کی خوشی کے موقعہ پر ذراسی ہمت کر کے فقراء ومساکین کو ایک صاع کھجور یعنی ساڑھے تین کلو کھجور یا اس کی قیمت دیدیا کریں تو یہ بہت خوب ہوگا، اس سے ایک تو یہ فائدہ ہوگا کہ ایک سنت جاری ہوگی کہ کھجور دینا سنت رسول وسنت صحابہ ہے، دوسرے یہ فائدہ کہ فقراء کا زیادہ بھلا ہوگا۔

صاع کی مقدار کی تحقیق

اب یہ تحقیق کرنا چاہئے کہ صاع کی مقدار کیا ہے؟ اس مسئلہ پر سب سے زیادہ محقق ومفصل رسالہ حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے ''اوزان شرعیہ'' کے نام سے لکھا ہے جو آپ کے مجموعۂ رسائل ''جواهر الفقه'' میں شامل ہے اور اس کی بڑے بڑے اکابر علماء نے تقریظ کی اور تعریف فرمائی ہے۔

اس رسالہ میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے بڑی لمبی بحث فرمائی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

> ''صاع کی مقدار مثقال کے حساب سے تین سیر چھ چھٹانک ہے، اور آدھے صاع کی مقدار ڈیڑھ سیر تین چھٹانک ہے اور درہم کے حساب سے صاع کی مقدار تین سیر چھ چھٹانک تین تولہ اور نصف صاع کی مقدار ڈیڑھ سیر تین چھٹانک ڈیڑھ تولہ ہے اور بہ حساب مُد صاع کی مقدار ساڑھے تین سیر چھ ماشہ اور نصف صاع کی مقدار پونے دو سیر تین ماشہ ہوتی ہے۔''

ان تینوں مقداروں میں تھوڑا فرق ہے، مگر چوں کہ آخری مقدار میں آدھا

سیر زیادہ بتایا گیا ہے، اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ صدقۂ فطر میں اسی کے لحاظ سے نکالا جائے، یعنی گیہوں دینا ہو تو پونے دو سیر تین ماشہ کے حساب سے دینا چاہئے، اسی میں احتیاط ہے اور جو، کھجور وغیرہ دینا ہو تو اس کا دگنا یعنی ساڑھے تین سیر چھ ماشہ دینا چاہئے۔

صدقۂ فطر کی مقدار گرام کے حساب سے

یہ جو عرض کیا گیا سیر کے حساب سے ہے جو پرانا حساب ہے اور آج کل چوں کہ پرانے پیمانوں اور اوزان کا رواج ختم ہو گیا اور اسی لیے ان کا سمجھنا بھی مشکل ہونے لگا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ صدقہ فطر کی مقدار گرام کے حساب سے بھی بیان کردی جائے۔

یہ بات معلوم و مسلم ہے کہ ایک سیر ۹۳۳ گرام ۱۲۰ ملی گرام کے برابر ہوتا ہے اور ایک ماشہ ۹۷۲ ملی گرام کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے پونے دو سیر تین ماشہ کو گراموں میں تبدیل کرنے سے گیہوں کے حساب سے ایک صدقہ فطر کی صحیح مقدار ”ایک کلو ۶۳۵ گرام ۸۷۲ ملی گرام ہوتی ہے“ اور مزید احتیاط کے لیے بہتر ہے کہ ایک کلو ۷۵۰ گرام دیدیا جائے یعنی پونے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت دیدی جائے۔

اگر کوئی اس سے زیادہ دیدے تو جائز ہے، بلکہ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا بہتر و مستحب ہے، البتہ واجب وہی مقدار ہے جس کا ابھی ذکر کیا گیا۔

یہ مقدار تو گیہوں کی بیان کی گئی ہے اور اگر جَو یا کھجور دینا ہو تو اس کا دُگنا (ڈبل) دینا چاہئے، یعنی ساڑھے تین کلو دینا چاہئے اور ان مذکورہ چیزوں کے علاوہ کوئی اور چیز مثلاً چاول دینا ہو تو یا تو پونے دو کلو گیہوں یا ساڑھے تین کلو جو کی قیمت کے برابر چاول وغیرہ دینا چاہئے۔ (۱)

---

(۱) امدادالفتاوی

صدقہ فطر کا مصرف

صدقۂ فطر کا مصرف کیا ہے؟ صدقۂ فطر ان لوگوں کو دینا چاہیے جن کو زکوۃ دی جاتی ہے۔ چناں چہ فقہائے کرام نے لکھا ہے:

"صدقة الفطر كالزكاة في المصارف." (۱)

لہٰذا فقیر، مسکین، وغیرہ جو مصارف زکاۃ ہیں انہی کو صدقۂ فطر بھی دینا چاہیے۔ البتہ زکوۃ عاملِ زکوۃ کو دینا جائز ہے مگر صدقۂ فطر اس کو دینا جائز نہیں۔ (۲)

اور ذمی کافر کو صدقۂ فطر دینے کے بارے میں اختلاف ہے: بعض علماء نے اجازت دی ہے اور یہی امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمہما اللہ کا قول ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کو زکاۃ وصدقات واجبہ کا دینا جائز نہیں، اور صاحب درمختار نے لکھا ہے کہ فتوی اس پر ہے کہ نہ دینا چاہئے۔ مگر علامہ شامی رحمہ اللہ نے ان سے اس میں اختلاف کیا ہے اور کہا کہ یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی ایک روایت ہے اور ان کا مشہور قول امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمہما اللہ کے موافق ہے، نیز کہا کہ ہدایہ وغیرہ کا کلام یہ بتاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمہما اللہ کا قول راجح ہے اور متون بھی اسی پر ہیں۔ (۳)

لیکن یاد رہے کہ یہ اختلاف اس کافر کے متعلق ہے جو اسلامی حکومت کے سایہ میں جزیہ دے کر زندگی گزارتا ہے جس کو اصطلاح میں "ذمی" کہتے ہیں اور جو ذمی نہ ہو بلکہ دارالحرب کا کافر ہو اس کو دینا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ (۴)

---

(۱) الدر المختار مع الشامی: ۲/۳۶۹، البحر الرائق: ۲/۲۷۵

(۲) شامی: ۲/۳۶۹

(۳) درمختار مع شامی: ۲/۳۵۲

(۴) درمختار مع شامی: ۲/۳۵۳

لہٰذا ہندوستان میں رہنے والے کافروں کو نہ دینا چاہئے، ایک تو اس لیے کہ مسئلہ میں اختلاف ہے، دوسرے اس لیے کہ ہندوستان کے کافر ذمی نہیں ہیں۔

اسی طرح سید کو بھی صدقۂ فطر نہ دینا چاہئے؛ کیونکہ یہ صدقات واجبہ زکاۃ کی طرح مال کا میل ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والوں کے لئے جائز نہیں رکھا گیا، البتہ یہ چوں کہ آل رسول ہیں، ان کی مدد ونصرت دوسرے نفلی صدقات بلکہ تحائف وہدایا کے ذریعہ کرنا بہت بڑے ثواب کی بات ہے۔

چند مسائل

(۱) صدقۂ فطر کئی آدمیوں کا ایک فقیر کو دینا بلا کراہت جائز ہے، اور اگر ایک شخص کا صدقۂ فطر کئی فقیروں کو تقسیم کر کے دیا جائے تو اس میں اختلاف ہے اور فتوی اس پر ہے کہ جائز ہے۔ (۱)

(۲) صدقۂ فطر میں قیمت کا دینا سب سے بہتر ہے، علما نے اسی پر فتوی دیا ہے، یہ عام حالات میں ہے؛ لیکن اگر اناج کی قلت وقحط کا دور ہو تو گیہوں وغیرہ اناج دینا افضل ہے۔ (۲)

(۳) افضل یہ ہے کہ ان سات قسم کے لوگوں میں صدقہ کو تقسیم کرے:

ایک اپنے محتاج بھائی اور بہن، دوسرے بھائی اور بہنوں کی اولاد، تیسرے اپنے محتاج چچا و تایا، چوتھے اپنے محتاج ماموں اور خالہ اور ان کی اولاد، پانچویں پڑوسی، چھٹے اہل محلّہ، ساتویں اہل شہر۔ شیخ ابوحفص کبیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس شخص کا صدقہ قبول نہیں ہوتا جس کے اہل قرابت محتاج ہوں جب تک کہ وہ انہی اہل قرابت

---

(۱) الدر المختار مع الشامي: ۲/۳۶۷، البحر الرائق: ۲/۲۷۵

(۲) البحر الرائق: ۲/۲۷۴، الدر المختار مع الشامي: ۲/۳۶۶

سے ابتداء نہ کرے اور ان کی حاجت کو پورا نہ کرے۔ (۱)

صدقۂ فطر کی قیمت بازار کے حساب سے لگائی جائے

یہاں پر ایک اہم مسئلہ ذکر کرنا ہے، وہ یہ کہ بڑے شہروں اور قصبات میں لوگوں کی سہولت کے لیے کنٹرول ریٹ پر اناج غلہ دیا جاتا ہے اور اس رعایت کا مستحق وہ ہوتا ہے جس نے راشن کارڈ بنالیا ہو۔ عام بازاری قیمت کے لحاظ سے راشن کارڈ پر دیا جانے والا اناج بہت سستا ہوتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ جو لوگ کنٹرول ریٹ پر گیہوں کھاتے ہیں وہ صدقہ فطر اگر قیمت کے لحاظ سے دینا چاہیں تو کیا اسی کنٹرول ریٹ کے حساب سے کافی ہوگا؟ اس مسئلہ پر میں نے اپنی کتاب ''رمضان اور جدید مسائل'' کے نئے ایڈیشن میں کلام کیا ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کنٹرول ریٹ پر گیہوں خرید کر گیہوں ہی پونے دوکلو دیدے تو درست ہے؛ لیکن اگر صدقہ فطر قیمت سے دینا ہو تو عام بازاری قیمت کا اعتبار ہوگا، کنٹرول ریٹ کا اعتبار نہیں ؛ کیوں کہ فقیر آدمی اگر اس رقم سے پونے دوکلو گیہوں بازار سے خریدنا چاہے تو نہیں خرید سکتا، بلکہ پونے دوکلو سے کم گیہوں آئیں گے، اور ہر آدمی کے پاس راشن کارڈ ہونا ضروری نہیں اس لیے عام بازار کی قیمت دینا چاہیے، تاکہ اگر وہ فقیر آدمی بازار سے پونے دوکلو گیہوں خریدنا چاہے تو اس رقم سے خرید سکے۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

---

(۱) البحر الرائق: ۲/۲۷۵

نمازِ استسقاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نمازِ استسقاء

یعنی اللہ سے بارش چاہتے ہوئے نماز پڑھنا

تمہید:

انسان کے گناہوں کی نحوست، دنیا میں فساد وخرابی کا باعث وذریعہ بن جاتی ہے اور کبھی سیلاب وطوفان کے تھپیڑے اس کی تباہی ورسوائی کا سامان لیکر آتے ہیں اور کبھی بارش کی قلت اور اناج دانے کی کمی ان پر عذاب بن کر آتی ہے۔

قرآن مجید نے اسی حقیقت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ وَ يَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ ﴾ (الروم: ۴۱)

(خشکی اور سمندر میں لوگوں کے کرتوت کی وجہ سے فساد ظاہر ہوگیا، اور اللہ بہت سے گناہوں کو معاف کردیتا ہے)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

« خَمْسٌ إِذَا ابْتُلِيتُمْ بِهِنَّ، وَأَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ تُدْرِكُوهُنَّ،

لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِيْ قَوْمٍ قَطُّ حَتّٰى يُعْلِنُوْا بِهَا إِلَّا فَشَا فِيْهِمُ الطَّاعُوْنُ، وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِيْ أَسْلَافِهِمُ الَّذِيْنَ مَضَوْا، وَلَمْ يَنْقُصُوْا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ إِلَّا أُخِذُوْا بِالسِّنِيْنَ وَشِدَّةِ الْمَئُوْنَةِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ، وَلَمْ يَمْنَعُوْا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ إِلَّا مُنِعُوْا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ ، وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوْا، وَلَمْ يَنْقُضُوا عَهْدَ اللّٰهِ وَ عَهْدَ رَسُوْلِهٖ إِلَّا سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ غَيْرِهِمْ، فَأَخَذُوْا بَعْضَ مَا فِيْ أَيْدِيْهِمْ، وَمَا لَمْ تَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَ يَتَخَيَّرُوْا مِمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ. »

(پانچ باتیں ہیں جب تم ان میں مبتلا ہو جاؤ (تو یہ عذابات پیش آئیں گے)، اور میں اللہ کی اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ تم ان کو پاؤ، جب کسی قوم میں بے حیائی علی الاعلان ہونے لگے تو ان میں طاعون اور ایسی ایسی بیماریاں پھیل جائیں گی جو ان کے اسلاف میں نہیں تھیں، اور جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرے گی تو اس کو قحط سالی وتنگی اور بادشاہ کے ظلم میں گرفتار کیا جائے گا، اور جب کوئی قوم زکاۃ کو روکے گی تو اس سے بارش روک دی جائے گی، اور اگر جانور نہ ہوتے تو اس پر کبھی بارش نہ ہوتی، اور جب اللہ ورسول کے عہد کو توڑے گی تو اس پر غیر قوم میں سے کوئی دشمن مسلط کیا جائے گا جو اس سے ان کے مال چھین لے گا، اور جب ان کے حکام اللہ کی کتاب سے فیصلہ نہیں کریں گے اور اللہ کے نازل کردہ احکام میں سے اپنی مرضی کے مطابق لے

لیں گے تو اللہ تعالے ان کے آپس میں لڑائی ڈال دیں گے۔)(۱)

اور اس فساد سے جانوروں اور دیگر مخلوقات کو بھی تنگی و پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، حتی کہ جانور انسانوں پر لعنت کرنے لگتے ہیں۔

چنانچہ قرآن میں جو ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

﴿ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴾ (البقرۃ :۱۵۹)

(ان پر لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں)

اس کی تفسیر میں ابن ماجہ وغیرہ نے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ اس سے مراد، دواب الارض (یعنی زمین کے جانور) ہیں۔(۲)

اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب زمین پر قحط ہوتا ہے تو بہائم جانور کہتے ہیں کہ ''یہ بنی آدم کے گناہگاروں کی وجہ سے ہے، اللہ ان پر لعنت کرے''، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ بہائم کہتے ہیں:

'' نُمْنَعُ القَطرَ بِذُنُوبِهِم. ''

(بنی آدم کے گناہوں کی وجہ سے ہم سے بارش روک لی گئی۔)(۳)

اور حضرت عکرمہ تلمیذ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

'' يلعنهم كل شيء حتى الخنافس والعقارب ، يقولون: مُنِعْنَا القَطرَ بِذُنُوبِ بَنِي آدَم. ''

(ان کافر و گنہگار انسانوں پر ہر چیز لعنت کرتی ہے حتی کہ گبریلا اور

(۱) ابن ماجه: ۴۰۱۹

(۲) ابن ماجه :۴۰۲۰

(۳) تفسير طبری: ۵۶/۲، تفسير ابن كثير : ۲۷۲/۱، معالم التنزيل: ۱۷۵/۱

بچھو بھی، وہ کہتے ہیں کہ بنی آدم کے گناہوں کی وجہ سے ہم سے بارش روک لی گئی ہے۔)(۱)

غرض یہ کہ بنی آدم کے برے اعمال اور خبائث نتیجہ بن جاتے ہیں بارش اور اناج کی کمی وقلت کا، اور بنی آدم کے ساتھ بہائم وجانور بھی پریشان ہوتے ہیں، اور بہائم بنی آدم پر لعنت کرتے ہیں۔

آج بارش کی کمی وقلت کی شکایت ہر آدمی کی زبان پر ہے اور مزید کمی کی صورت پر پیش آنے والے مصائب وآفات کا اندازہ کرنے والے خطرناک قسم کی پیش گوئیاں بھی کر رہے ہیں، مگر اس صورت حال کا علاج کیا ہے؟ وہ صرف قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

نمازِ استسقاء کیا ہے

جب بارش کی قلت سے انسان وجانور سب پریشان ہو جائیں اور کوئی سبیل نہ رہے تو اسلام نے نماز استسقاء کی تعلیم دی ہے، نماز استسقاء کیا ہے؟ اللہ کے سامنے اپنے گناہوں سے توبہ، اللہ کی طرف توجہ اور انابت، اس سے اپنے ہر مسئلہ میں استعانت ومدد چاہنے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا۔

علماء نے لکھا ہے کہ جب انسان پر بلاء اور مصیبت نازل ہوتی ہے تو بعض مصائب کا ازالہ کسی تدبیر اور وسیلہ سے ہو جاتا ہے، مثلاً بخار ہوا اور علاج سے دور ہو گیا؛ اور بعض کا ازالہ کسی ظاہری تدبیر سے نہیں ہوتا اور نہ یہ کسی کے بس میں ہوتا ہے، مثلاً طوفان وسیلاب آجائے تو اس کو ہم کسی ظاہری تدبیر سے روک نہیں سکتے، اس صورت میں سوائے دعاء واستغفار اور رجوع الی اللہ کے کوئی صورت اور تدبیر نہیں۔

---

(۱) تفسیر طبری: ۵۶/۲

اور مصائب میں سے بڑی مصیبت اور بلاؤں میں سے بڑی بلاء وہ قحط ہے جو بارش کی کمی یا انقطاع کے سبب پیش آتا ہے،؛ کیوں کہ پانی اور کھانا ہر ذی روح کی زندگی کا سب سے بڑا ذریعہ و وسیلہ ہے، یہ نہ ہو تو سب کی زندگی تباہی کے غار میں جا پڑے گی۔''

اور یہ ظاہر ہے کہ پانی نہ برسے اور غلہ نہ اُگے تو کس سائنسدان کے بس میں ہے کہ وہ اپنی لیاقت سے پانی برسا دے؟ کس ڈاکٹر کے بس میں ہے کہ وہ اس کا علاج کر دے؟ اور کس عقلمند اور تجربہ کار کے اختیار میں ہے کہ وہ اس کی تدبیر کرے؟ ظاہر ہے کہ یہاں آکر تمام سائنسدان، ڈاکٹر، انجینئر، گراجویٹ، عقلمند، سیاست دان، علماء، حفاظ، سب کے سب فیل ہو جاتے ہیں، اور کوئی ظاہری تدبیر کام نہیں دیتی، اس صورت حال میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باطنی تدبیر یعنی نماز و ذکر، دعاء و گریہ، استغفار و توبہ اور انابت و توجہ الی اللہ کا سبق دیا کہ یہی اس کی تدبیر ہو سکتی ہے کہ جو بارش کا پیدا کرنے اور برسانے والا ہے اس سے درخواست کی جائے اور اس کے سامنے گڑگڑایا جائے۔

نمازِ استسقاء سے پہلے

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا قحط سالی اور بارش کی کمی دراصل ہمارے گناہوں کی وجہ سے اللہ کی طرف سے عذاب یا تنبیہ ہوتی ہے، لہٰذا اگر استسقاء (پانی چاہنے) کیلئے اللہ کے سامنے حاضری دینا ہو تو چند باتوں کا اہتمام پسندیدہ ہے:

(۱) علماء نے لکھا ہے کہ علماء اور وہ حضرات جن کی بات عوام پر اثر انداز ہوتی ہے، وہ لوگوں کو اس طرف متوجہ کریں کہ اپنے گناہوں سے توبہ کریں، ظلم زبردستی

سے باز آجائیں، خدا کی ناراضی کے کاموں کو یک لخت ترک کردیں اور دل میں احساس ندامت پیدا کریں، اور دل کی گہرائیوں سے خدا کی طرف متوجہ ہوجائیں؛ اس لئے کہ اس کے علاوہ خدا کے فضل وکرم کو متوجہ کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔

حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا تھا:

﴿ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ، اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴾ (نوح: ۱۰-۱۲)

(تم استغفار کرو اپنے رب کے سامنے کہ وہ بہت بخشنے والا ہے، تم پر خوب بارش برسائیگا اور مال اور اولاد سے تمہاری مدد کریگا، اور تمہارے لئے باغات بنائیگا اور نہریں بنائیگا۔)

معلوم ہوا کہ استغفار اور توبہ کے نتیجہ میں اللہ کی طرف سے بارش ہوتی ہے، باغات پھلتے ہیں، نہریں جاری ہوتی ہیں اور اولاد اور اموال میں اضافہ ہوتا ہے۔

ایک جگہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:

﴿ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ﴾ (الأعراف: ۹۶)

(اگر یہ شہر والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر زمین وآسمان سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔)

غرض یہ کہ ایمان وعمل، تقویٰ وطہارت، توبہ وانابت کی تعلیم دی جائے اور لوگوں کے قلوب میں اس کو بٹھایا جائے کہ ہم کو اللہ کی طرف متوجہ ہونا ہے، بغیر اس کے ہمارا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔

(۲) علماء نے لکھا ہے کہ نمازِ استسقاء سے پہلے روزہ رکھنا چاہئے کہ روزہ دعاء کی قبولیت میں بہت بڑا دخل رکھتا ہے، لہٰذا تین دن روزے رکھے جائیں اور چوتھے دن بھی روزہ کی حالت میں نمازِ استسقاء پڑھی جائے اور دعاء کی جائے۔(۱)

(۳) اسی طرح نماز استسقاء کے لئے جانے سے پہلے صدقہ کرنا بہتر وافضل ہے کہ صدقہ سے بلائیں ٹل جاتی ہیں۔

علامہ ابن الہمام اور علامہ شامی رحمہما اللہ وغیرہ نے لکھا ہے:

”ویستحب للامام أن یامرهم ...... یقدمون الصدقة فی کل یوم قبل خروجهم.“

(امام کے لئے مستحب ہے کہ لوگوں کو حکم دے کہ وہ استسقاء کو نکلنے سے پہلے صدقہ دیا کریں۔)(۲)

(۴) نمازِ استسقاء کے لئے معمولی کپڑے پہن کر عاجزی وتضرع کے ساتھ جانا چاہئے، حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

«خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم متبذلاً متواضعاً متضرعاً وفی روایة: متخشعاً حتی أتی المصلی الخ. »

(اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ استسقاء کے لئے معمولی حالت میں، تواضع کے ساتھ، گڑگڑاتے ہوئے عیدگاہ تشریف لے گئے۔)(۳)

---

(۱) عنایة شرح هدایه: ۱/۴۴۱

(۲) شامی: ۳/۷۲، فتح القدیر: ۲/۹۱

(۳) ابوداؤد: ۱۱۶۵، ترمذی: ۵۵۸، نسائی: ۱۵۲۱، ابن ماجه: ۲۶۶اوغیره

نمازِ استسقاء کب اور کہاں؟

نمازِ استسقاء دن ورات کے کسی بھی وقت میں پڑھنے کی اجازت ہے، البتہ اوقات مکروہہ (یعنی وہ تین اوقات جن میں نماز مکروہ ہے: طلوع آفتاب، غروب آفتاب، اور زوال کے وقت) میں یہ نماز بھی مکروہ ہے، علماء حنفیہ نے اوقات مکروہہ کے علاوہ کوئی خاص وقت اس نماز کے لیے بیان نہیں کیا ہے، لہٰذا ان اوقات کے علاوہ کسی بھی وقت پڑھ سکتے ہیں، اور حنفیہ کے علاوہ دیگر ائمہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ کسی بھی وقت پڑھ سکتے ہیں، البتہ مالکیہ کے یہاں اس کا وقت چاشت سے لیکر زوال تک مقرر ہے، اس سے پہلے یا بعد پڑھنا صحیح نہیں۔ (۱)

اسی طرح یہ نماز کسی بھی جگہ پڑھنا جائز ہے، مسجد میں یا مسجد سے باہر کسی میدان میں، عیدگاہ وغیرہ میں، البتہ معمولی درجہ کی پریشانی میں بہتر ہے کہ مساجد ہی میں دعاء واستغفار کا اہتمام کیا جائے جیسا کہ بعض اوقات اللہ کے نبی ﷺ نے نماز جمعہ میں خطبہ کے دوران ہی دعاء استسقاءِ فرمائی۔ (۲)

ہاں جب حالت شدید ہوجائے اور بارانِ رحمت نہ ہونے کی وجہ سے انسان اور جانور مضطرب اور بے قرار ہوجائیں، تالاب اور ندیاں خشک ہوجائیں تو پھر عیدگاہ میں نکل کر نماز ادا کی جائے۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"معمولی حالات میں نمازوں کے بعد اور خطبۂ جمعہ میں دعاء کرنے پر اکتفاء کیا جائے اور جب بارش کی اشد ضرورت ہو، کنویں،

---

(۱) الموسوعة الفقهيه: ۳/ ۳۰۸

(۲) بخاري: ۱/ ۱۳۸، رقم: ۹۶۷، مسلم: ۱/ ۲۹۳، رقم: ۸۹۷

تالاب خشک ہو جائیں، ندیاں اور نالے سوکھنے لگیں، جانوروں کے لئے گھانس چارے کی تنگی ہو، کھیتی خراب ہو رہی ہو اور لوگوں میں پریشانی اور اضطراب پھیل جائے اور بارش کی صحیح طلب ہو، تب ہی جنگل میں نکلا جائے تا کہ توبہ سچی ہو، دعاء دل سے نکلے، آنکھوں سے آنسو ٹپکیں، اور رو رو کر دعاء مانگی جائے، تا کہ دریائے رحمت جوش زن ہو، اور با مراد واپس ہوں، معمولی ضرورت جس میں یہ باتیں نہ ہوں گی، بہت ممکن ہے نامراد واپس ہوں جس سے نمازِ استسقاء کی قدر و منزلت دلوں سے نکل جائے یا کم ہو جائے اور غیروں کو ہنسنے کا موقعہ ملے۔"(۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عیدگاہ میں استسقاء

ہاں جب حالت شدیدہ پیش آئے تو جس طرح اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدگاہ میں نماز استسقاء پڑھی اسی طرح عیدگاہ یا کسی میدان وغیرہ میں نکل کر نماز استسقاء پڑھیں۔

چناں چہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن زید المازنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

«خرج رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم إلى المصلّٰى يستسقي واستقبل القبلة ، فصلّٰى ركعتين وقلّبَ ردائه.»

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ کی جانب پانی طلب کرتے ہوئے نکلے، قبلہ کا رخ کیا، پھر دو رکعتیں پڑھیں اور اپنی چادر کو الٹایا۔)(۲)

---

(۱) فتاوي رحيميه: ۳/ ۸۸

(۲) بخاري: ۱/۱۴۰، رقم: ۹۸۱، مسلم: ۱/۲۹۳، رقم: ۸۹۴

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ لوگوں نے اللہ کے نبی کے پاس بارش کے قحط کی شکایت کی، آپ نے حکم دیا تو منبر عیدگاہ میں رکھا گیا، آپ نے لوگوں سے ایک دن کا وعدہ لیا کہ وہ اس میں عیدگاہ آئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سورج کی ٹکیہ ظاہر ہوگئی (یعنی سورج اچھی طرح نکل آیا) تو نکلے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ کی حمد اور بڑائی بیان کی، پھر فرمایا کہ تم نے اپنے شہروں میں قحط کی اور بارش کے زمانے میں بارش کے رک جانے کی شکایت کی ہے، اللہ نے تم کو حکم دیا ہے کہ تم اس کو پکارو اور اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہاری دعاء قبول کریگا اور فرمایا:

" اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ، الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ، اَللّٰهُمَّ أَنْتَ اللّٰهُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ ، اَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَّبَلَاغاً إِلٰى حِيْنٍ"

(تمام تعریف اللہ کیے لیے ہے جو تمام عالموں کا رب ہے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، یوم جزا کا مالک ہے، کوئی معبود نہیں مگر اللہ، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اے اللہ! تو ہی اللہ ہے، کوئی معبود نہیں مگر تو ہی جو غنی ہے، اور ہم فقیر ومحتاج ہیں، ہم پر بارش نازل فرما اور جو تو نازل کرے اس کو ایک زمانہ تک ہمارے لیے قوت کا اور خیر تک پہونچنے کا سبب بنادے۔)

اس کے بعد آپ نے ہاتھ اٹھائے اور اٹھاتے رہے حتی کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی ظاہر ہوگئی، پھر لوگوں کی طرف آپ نے پشت کی اور اپنی چادر کو پلٹ دیا اس

حال میں کہ آپ ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے، پھر لوگوں کی طرف چہرہ کیا اور منبر سے اُتر کر دو رکعت نماز پڑھی، پھر اللہ نے بادل ظاہر کیا، اور وہ گرجا اور چمکا، پھر اللہ کے حکم سے بارش ہوئی، پس آپ مسجد تک نہیں لوٹے تھے کہ پانی کا سیلاب سا ہو گیا جب آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ سائے کی طرف جلدی کر رہے ہیں تو آپ ہنسے حتی کہ آپ کی ڈاڑھیں نظر آنے لگیں، پھر فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں۔ (۱)

نمازِ استسقاء کا طریقہ اور مسائل

(۱) امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ کے نزدیک استسقاء میں صرف دعا و استغفار ہے اور نماز پڑھنا ہو تو بغیر جماعت تنہا پڑھی جاسکتی ہے۔ (۲)

اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اور دیگر ائمہ کے نزدیک استسقاء میں دو رکعت نماز بھی مشروع ہے اور وہ جماعت سے پڑھی جاتی ہے اور اس میں قرأت جہری ہوتی ہے، اکثر علماء حنفیہ اسی پر عمل کرتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ حضرت عباد بن تمیم رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا عبد اللہ بن زید المازنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کے لئے (عیدگاہ کی طرف) نکلے، قبلہ رخ ہو کر دعا کی اور اپنی چادر پلٹی، پھر دو رکعت نماز پڑھائی اور ان رکعتوں میں زور سے قرأت کی۔ (۳)

---

(۱) ابوداؤد: ۱۱۷۳، مستدرك: ۱/۴۷۶، سنن بيهقى: ۳/۳۴۹

(۲) البحر الرائق: ۲/۲۹۳

(۳) بخاري: ۹۷۸، ابوداؤد: ۱۱۶۱، ترمذي: ۵۵۶، صحيح ابن حبان: ۷/۱۱۶، مسند ابوداؤد طيالسى: ۱/۱۴۸

پھر نماز استسقاء کے بارے میں بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ عیدین کی طرح زائد تکبیرات سے پڑھی جائے گی؛ کیوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ علیہ السلام نے دو رکعتیں پڑھیں جیسے کہ آپ عید کی نماز پڑھتے تھے۔ (۱)

مگر اکثر علما کے نزدیک یہ عام نفل نماز کی طرح دو رکعتیں ہیں اور اکثر روایات میں مطلق دو رکعات کا ذکر ہے؛ لہٰذا وہ عام نفل نماز کی طرح پڑھی جائیں گی اور ان رکعات میں سے پہلی میں ''**سبح اسم ربك الاعلی**'' اور دوسری میں ''**هل أتاك حديث الغاشية**'' پڑھنا بھی بعض روایات میں آیا ہے۔ (۲)

(۲) بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ استسقاء میں خطبہ بھی پڑھنا چاہئے جیسا کہ اوپر ابوداؤد کی مفصل حدیث میں ہے اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے خطبہ نہیں پڑھا، مثلاً ابو داؤد ونسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انھوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے (اس جمعہ کے) خطبہ کی طرح خطبہ نہیں دیا، بس دو رکعت پڑھیں۔ (۳)

اسی لئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ استسقاء میں خطبہ کے قائل نہیں ہیں؛ لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ خطبہ کے قائل ہیں، امام محمد رحمہ اللہ دو خطبے حسب عید کے قائل ہیں اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ ایک خطبہ کے قائل ہیں۔

چناں چہ فقہاء نے لکھا ہے:

''**ثم هی كخطبة العيد عند محمد وعند أبی يوسف**

---

(۱) ابو داؤد: ۱۱۶۵، ترمذی: ۵۵۸، نسائی: ۱۵۲۱، ابن ماجہ: ۱۲۶۶ وغیرہ

(۲) حاکم: ۱/۳۲۶، دار قطني: ۲/۶۶

(۳) ابو دائود: ۱۱۶۵، نسائي: ۱۵۰۷

خطبة واحدة". (۱)

لہٰذا خطبہ دینے اور نہ دینے میں اختیار ہے اور چاہے ایک خطبہ دے یا دو خطبہ دے۔ (واللہ اعلم)

(۳) استسقاء میں اصل دعاء ہی ہے اور قبلہ رو ہو کر دعاء کرنا چاہئے اور اس میں ہاتھ بھی الٹے ہونا چاہئے، یعنی ہتھیلیاں زمین کی طرف اور ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف۔

چناں چہ حدیث میں ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح دعاء کی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

« ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یستسقی ھکذا ، ومدّ یدیه وجعل بطونهما ممّا یلی الأرض حتی رأیت بیاضه »

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح استسقاء فرماتے تھے، یہ کہکر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں کو پھیلایا اور ان کی ہتھیلیوں کو زمین کی جانب کر دیا یہاں تک کہ میں نے آپ کی سفیدی دیکھی۔) (۲)

اور علماء نے لکھا ہے کہ قحط اور مصیبت دور کرنے کی دعاء اسی طرح ہوتی ہے۔ (۳)

(۴) اور استسقاء کے سلسلے میں مختلف دعائیں احادیث میں آئیں ہیں، اگر عربی میں یاد نہ ہوں تو اردو میں بھی دعاء کی جاسکتی ہے، ایک دعاء تو اوپر ابو داؤد کی حدیث میں مفصّل گزر چکی اور بعض یہ ہیں:

---

(۱) ھدایة: ۱/۱۷۶، فتح القدیر: ۲/۹۳، شامی: ۲/۱۸۴

(۲) احمد: ۱۲،۹۶، مسلم: ۱۴۹۲، ابو داؤد: ۹۹۰

(۳) بذل المجهود: ۲/۲۱۷

(۱) اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثاً مُغِيْثاً مَرِيْئاً مَرِيْعاً نَافِعاً غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلاً غَيْرَ اٰجِلٍ.

(۲) اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهَائِمَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ.

(۵) دعاء کے بعد اپنی چادر کو اُلٹ کر اوڑھ لینا چاہئے اور متعدد احادیث میں اس کا ذکر گزر چکا ہے کہ آپ نے اپنی چادر پلٹ کر اوڑھ لی اور چادر پلٹنے میں گویا اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے ہماری پریشانی کی حالت کو بدل دیا اور اب راحت و عافیت میسر آئے گی۔ گویا یہ بطور نیک فالی کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔(۱)

اور اس کی تصریح بعض روایات میں آئی ہے، حضرت جابر نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استسقاء کیا اور اپنی چادر کو الٹایا تا کہ قحط تبدیل ہو جائے۔(۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر الٹی، تا کہ قحط خوشحالی سے بدل جائے۔(۳)

حضرت وکیع رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنی جانب کو بائیں پر اور بائیں کو داہنے پر اس لئے کیا کہ قحط سالی خوشحالی میں بدل جائے۔(۴)

چادر کے الٹنے طریقہ کے بارے میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

---

(۱) هدايه مع فتح القدير: ۹۶/۲

(۲) سنن بيهقى: ۳۵۱/۳

(۳) فتح القدير: ۹۶/۲

(۴) سنن بيهقى: ۳۵۱/۳

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ استسقاء بلا اذان و اقامت پڑھائی پھر خطبہ دیا اور اللہ سے دعاء کی اور ہاتھ اٹھاتے ہوئے اپنا چہرہ قبلہ کی جانب کیا۔"

"ثم قلب رداء ہ فجعل الأیمن علی الأیسر والأیسر علی الأیمن".

(پھر اپنی چادر کو اس طرح الٹایا کہ داہنی جانب کو بائیں پر اور بائیں کو دائیں پر ڈال لیا۔)(۱)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت ہے چناں چہ مروی ہے کہ طلحہ بن یحییٰ رضی اللہ عنہ کو مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس یہ معلوم کرنے بھیجا کہ استسقاء کی سنت کیا ہے؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"سنة الاستسقاء سنة الصلاة في العیدین إلا أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلّب رداء ہ ، فجعل یمینه علی یسارہ، و یسارہ علی یمینه الخ."

(استسقاء کی سنت وہی عیدین میں نماز کی سنت ہے؛ مگر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کو الٹایا تھا، پس داہنی جانب کو بائیں پر اور بائیں جانب کو دائیں پر ڈال لیا تھا۔)(۲)

ان روایات میں چادر الٹنے کا طریقہ یہ آیا ہے کہ دائیں جانب کو بائیں پر اور بائیں جانب کو دائیں پر کر لیا جائے اور ایک روایت حضرت عبداللہ بن زید المازنی رضی اللہ عنہ کی

---

(۱) ابن ماجه: ۱۲۶۷، مسند احمد: ۲/۳۲۶، صحیح ابن خزیمه: ۲/۳۳۸

(۲) مستدرك: ۱/۴۷۳، دار قطنی: ٦٦

ہے جس میں وہ کہتے ہیں:

« أن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم استسقى وقلّب رداء ہ، فجعل أعلاہ أسفله. »

(نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے استسقاء کیا اور اپنی چادر کو الٹا، پس اوپر کے حصے کو نیچے کر دیا۔)(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے چادر کے اوپر والے حصے کو نیچے کر دیا تھا اور اس سے یہ لازم آیا کہ نیچے والا حصہ اوپر ہو جائے؛ لہٰذا ایک طریقہ یہ بھی ہے۔

ان مختلف روایات کی وجہ سے فقہاء کرام نے اس طرح تطبیق کی صورت دی ہے کہ اگر چادر مربع ہو تو اوپر کے حصہ کو نیچے اور نیچے کے حصہ کو اوپر کر دے اور جبے کی طرح گول ہو تو داہنی جانب کو بائیں پر کر دے اور بائیں کو داہنے پر کر دے اور اگر قباء ہو تو اندر والے حصہ کو باہر اور باہر والے حصہ کو اندر کی طرف کر لے۔

شامی اور بحرالرائق میں ہے:

"فان كان مربعاً جعل أعلاه أسفله وأسفله أعلاه، وإن كان مدوراً جعل الأيمن على الأيسر والأيسر على الأيمن، وإن كان قباءً جعل البطانة خارجاً والظهارة داخلًا." (۲)

مگر یہ چادر کو الٹا کرنا صرف امام کے لئے ہے نہ کہ مقتدیوں کے لئے۔(۳)

(۶) استسقاء کیلئے عیدگاہ جانے میں بہتر ہے کہ پیدل جائے اور دُھلے ہوئے

---

(۱) معجم صغير طبراني: ۲/۲۹۳

(۲) شامي: ۲/۱۸۴، بحر الرائق: ۲/۱۶۸

(۳) هدايه: ۱/۱۷۷

معمولی کپڑے بلکہ پیوند لگے کپڑے پہنکر، نہایت تواضع وانکساری اورخشوع وخضوع کے ساتھ استغفار پڑھتے ہوئے جائے۔

درمختاروشامی وغیرہ میں ہے:

”مشاةً فى ثيابٍ غسيلةٍ أو مرقّعةٍ مُتذلّلين مُتواضِعين خاشعين ويستغفرون للمسلمين“

(پیدل چلتے ہوئے معمولی دھلے ہوئے کپڑوں یا پیوند لگے کپڑوں میں، عاجزی وانکساری کے ساتھ ،خشوع کی کیفیت لے کر اور مسلمانوں کے لئے استغفار پڑھتے ہوئے جائے۔)(۱)

(۷)اورنمازِ استسقاء کیلئے زیادہ سے زیادہ تین دن جانا چاہئے،اس سے زیادہ کا ثبوت نہیں۔(۲)

(۸) عیدگاہ میں بچے ، جوان ، بوڑھے ، سب جمع ہوں بلکہ اپنے اپنے پالتو جانوربھی ساتھ لے جائیں اوردودھ پیتے بچوں کوبھی لے جائیں اوران کواپنی ماؤں سے الگ رکھیں۔

درمختارمیں ہے:

”ويستسقون بالضعفة والشيوخ والعجائز والصبيان ويبعدون الأطفال عن أمهاتهم، ويستحب إخراج الدواب“.

(ضعیف اور بوڑھے اور بوڑھیوں اور بچوں کے ساتھ استسقاء یعنی اللہ سے پانی طلب کریں،اوربچوں کوان کی ماؤں سے دوررکھیں اور

---

(۱) در مختار مع شامي: ۲/۱۸۵،بحر الرائق: ۳/۲۹۴

(۲) در مختار: ۲/۱۸۵،بحر الرائق: ۳/۲۹۴وغيره

مستحب ہے کہ جانوروں کو بھی لے جائیں۔)(۱)

یہ اس لیے کہ بچے، بوڑھے ضعیف وکمزور اور دودھ پیتے بچے سب ہونگے تو ان کی وجہ سے اللہ کے دریائے رحمت کو جوش آئیگا اور اللہ ہمارے اوپر رحم وکرم کر کے بارش نازل فرمادیں گے اور بچوں کے رونے سے اللہ کے دریائے رحمت کو جوش آجائے اور بچوں کو ماؤں سے الگ رکھنے کی بھی یہی حکمت ہے کہ بچوں کے رونے سے اللہ کے دریائے رحمت کو جوش آجائے، اور جانوروں کولانے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ جانور بھی اللہ سے دعائیں کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام استسقاء کے لئے نکلے (بعض روایات میں حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کا نام نہیں ہے، ایک نبی کہا گیا ہے) اچانک آپ نے دیکھا کہ ایک چونٹی اپنے پیروں کے بل اٹھ کر دعاء کر رہی ہے، اے اللہ! ہم تیری مخلوق میں سے کھانے اور پینے سے مستغنی نہیں ہیں، اگر تو نے ہم کو سیراب نہ کیا تو ہم ہلاک ہو جائیں، حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام نے یہ سنا تو لوگوں سے فرمایا کہ اب چلو تمہاری دعائیں چیونٹی کی وجہ سے قبول ہو گئیں۔ (۲)

فقط

محمد شعیب اللہ خان

---

(۱) درمختار مع شامی: ۲/۱۸۴-۱۸۵

(۲) العظمة: ۵/۱۷۵۲، ابن ابی شیبه: ۷/۱۷، عبدالرزاق: ۵/۱۷، الزهدلابن ابی عاصم: ۱/۸۷

طاعون کی بیماری

حدیث کی روشنی میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

طاعون کی بیماری — حدیث کی روشنی میں

گجرات کے بعض علاقوں میں آج کل طاعون کی بیماری پھیلی ہوئی ہے جس کا ذکر اخبارات و دیگر ذرائع ابلاغ سے سننے کو مل رہا ہے اور بعض لوگ اس سلسلے میں یہ پوچھتے ہیں کہ اسلام میں اس کے بارے میں کیا وارد ہوا ہے؟ احقر کو اسی پر خیال ہوا کہ احادیث و اسلامی روایات میں طاعون کے بارے میں جو آیا ہے اس کو جمع کر دوں؛ لہٰذا اس مختصر تحریر میں اسی کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

طاعون کیا ہے؟

اس سے قبل کہ طاعون کے بارے میں احادیث پیش کی جائیں مناسب ہے کہ اس بیماری کا مختصر تعارف اور اس کے اسباب پر روشنی ڈال دی جائے۔

طاعون ایک وبائی بیماری ہے جو عام طور پر موت پر جا کر منتج ہوتی ہے۔ اہل لغت کے نزدیک طاعون کا معنی وبا ہے اور اطبا کہتے ہیں کہ طاعون ایک ردی قسم کا قاتل و مہلک ورم ہے جس سے شدید تپش پیدا ہوتی ہے اور وہ انتہائی الم ناک ہوتا ہے اور وہ اپنے حدود سے تجاوز کرتا رہتا ہے اور عموماً اس سے متأثرہ حصہ سیاہ یا ہرا ہو جاتا ہے اور یہ ورم عموماً تین جگہ پیدا ہوتا ہے: ایک بغل میں، دوسرے کان کے پیچھے،

تیسرے نرم گوشت میں۔(۱)

طاعون کے ظاہری وباطنی اسباب

طاعون کے اسباب اطبا وڈاکٹر جو بیان کرتے ہیں وہ اپنی جگہ صحیح ہیں، مثلاً وہ کہتے ہیں کہ اس کا سبب گندہ متعفن خون ہے جوسمیت کی وجہ سے عضوکو فاسد کردیتا اوراس کے اطراف واکناف کے حصوں کومتغیر کردیتا ہے۔(۲)

لیکن یہ ظاہری اسباب ہیں،ان کے علاوہ کچھ باطنی اسباب بھی ہوتے ہیں جو ان ظاہری اسباب کے بھی اسباب ہوتے ہیں۔ چناں چہ طاعون کے بارے میں احادیث میں ہے کہ اس بیماری کے کچھ باطنی اسباب بھی ہیں،اوراس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ جس طرح ظاہری اسباب سے چیزوں کا وجودوظہور ہوتا ہے اسی طرح کچھ باطنی اسباب بھی ان کے ہوتے ہیں۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا:

> ”اس کے اسباب کے بارے میں حدیث میں وارد ہوا ہے کہ یہ بنی اسرائیل پر بھیجے گئے عذاب کا باقی ماندہ حصہ ہے اور یہ بھی وارد ہوا ہے کہ یہ جنات کا حملہ ہے اور یہ بھی وارد ہوا ہے کہ یہ ایک نبی کی بددعا کا نتیجہ ہے اوران اسباب وعلل کا رداطبا کے پاس کچھ نہیں ہے جس طرح ان کے پاس اس بارے میں دلالت کرنے والی بھی کوئی چیز نہیں ہے، اوران امور کی خبرتو اللہ کے پیغمبر دیا کرتے ہیں۔“(۳)

(۱) دیکھو:زاد المعاد لابن القیم: ۴/۳۴،فتح الباری: ۱۰/۱۸۰،عمدة القاری: ۱۴/۷۰۵

(۲) زاد المعاد: ۴/۳۴

(۳) زاد المعاد: ۴/۳۴،فتح الباری: ۱۰/۱۸۰،عمدة القاری: ۱۴/۷۰۶

الغرض ڈاکٹر لوگ طاعون کے جو اسباب بیان کرتے ہیں وہ اس کے ظاہری اسباب ہیں اور اللہ کے پیغمبر اس کے وہ اسباب بیان کرتے ہیں جو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں اور وہ انہیں اللہ کی جانب سے بتائے جاتے ہیں۔

ہم اس تحریر میں احادیث و اسلامی روایات کے حوالے سے اس کے باطنی اسباب پر بھی روشنی ڈالیں گے، تاکہ ہمیں یہ معلوم ہو کہ بیماریاں دراصل کچھ باطنی اسباب کی وجہ سے رونما ہوتی ہیں، جن کی طرف عام طور پر لوگ توجہ نہیں کرتے۔ اب لیجیے اس سلسلہ میں احادیث و اسلامی روایات ملاحظہ کیجیے۔

طاعون، عذاب خداوندی

طاعون کے انہی باطنی اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ خدا تعالی کی نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالی نے اس کو عذاب بنا کر نازل کیا تھا، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

« الطاعون رجز أوعذاب عُذِّبَ به بعضُ الأُمم، ثم بقي منه بقيةٌ، فيذهب المرّةَ ، ويأتي الأُخْرىٰ، فمَنْ سَمِعَ به بأرض فلا يقدمنَّ عليه، ومن كان بأرض وَقَعَ بها فلا يخرج فراراً منه. »

(طاعون ایک عذاب ہے، جس کے ذریعہ سے بعض امتوں کو عذاب دیا گیا، پھر اس میں سے کچھ باقی رہ گیا، وہ کبھی چلا جاتا ہے اور کبھی آجاتا ہے، پس جو شخص کسی علاقے میں اس کا ہونا سنے تو اس کو وہاں ہرگز نہیں جانا چاہئے اور جو وہاں موجود ہو اس کو وہاں سے بھاگنا نہ چاہئے۔)(۱)

(۱) بخاري :٣٤٧٣،مسلم:٢٢١٨،مالك :١٥٨٨

بخاری ، مسلم، نسائی نے دوسرے طریق سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے:

« الطاعون رجس أرسل على طائفةٍ من بني إسرائيل أو على من كان قبلكم. »

(طاعون ایک عذاب ہے جو بنی اسرائیل کی ایک جماعت پر بھیجا گیا یا تم سے پہلے کے لوگوں پر بھیجا گیا تھا۔)(۱)

پہلی حدیث میں بغیر شک کے بعض امتوں کا ذکر کیا گیا ہے اوراس دوسری روایت میں ''بنی اسرائیل یا تم سے پہلے کے لوگ'' کہہ کر شک کا اظہار راوی کی طرف سے کیا گیا ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ طاعون دراصل ایک عذاب خداوندی ہے، جو پچھلی بعض امتوں پر اللہ کی طرف سے بھیجا گیا تھا، پھر اس کے بعد اس کو اٹھالیا گیا، اب جب خدا چاہتا ہے اس کو بھیجا جاتا ہے اور پھر اٹھالیا جاتا ہے۔

طاعون جنات کا حملہ

طاعون کے باطنی اسباب میں سے ایک سبب جنات کا حملہ بھی بیان کیا گیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« فناءُ أُمّتِي بالطعن والطاعون، قالت: فقلتُ: يا رسولَ الله! هذا الطعن قد عرفناه ، فما الطاعون؟ قال: غُدّةٌ كغُدّة الإبل، المقيمُ فيها كالشهيد، والفارُّ منها

(۱) بخاري :۳۲۱۴، مسلم:۴۱۰۸،سنن كبرى نسائي:۳۶۲/۴

كالفارِّ من الزحف -وفي رواية إسحاق- قال: غُدّة تأخذهم في مرافقهم، الميتُ فيه شهيدٌ، والقائم المحتسبُ فيه كالمرابط في سبيل اللّٰه، والفارُّ منه كالفارِّ من الزحف. »

(میری امت کا فنا طعن (زخم) یا طاعون سے ہوگا، میں نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! یہ طعن (زخم) تو ہم جانتے ہیں، یہ طاعون کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ اونٹ کی گلٹی کی طرح ایک گلٹی ہے۔اس میں قائم رہنے والا شہید کی طرح ہے اوراس سے بھاگنے والا میدان جہاد سے بھاگنے والے کی طرح ہے اوراسحاق کی روایت میں اس طرح ہے کہ ''یہ ایک گلٹی ہے جولوگوں کی کہنیوں میں نکلتی ہے،اس میں مرنے والا شہید ہے۔اوراس میں ثواب کی خاطر قائم رہنے والا اللہ کے راستے میں نگرانی کا کام کرنے والا ہے اوراس سے بھاگنے والا میدان جہاد سے بھاگنے والا ہے۔)(۱)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مرفوعاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

« فناءُ أُمّتِي بالطعن والطاعون ، قال: فقلنا: يا رسولَ اللّٰه صلى الله عليه وسلم ! هذا الطعن فقد عرفناه ، فما الطاعون؟ قال: طعن أعدائكم من الجِنِّ و في كلٍّ شهادةٌ. »

(میری امت کی فنا طعن (زخم) یا طاعون سے ہوگی، پوچھا گیا یا

(۱) مسند احمد: ۲۵۵/۶،مسند اسحاق بن راھویه:۷۶۱/۳

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ! یہ طعن (زخم) تو ہم جانتے ہیں، یہ طاعون کیا ہے؟ فرمایا کہ تمہارے دشمن جنات کا حملہ ہے۔ اور ان دونوں (طعن وطاعون) میں شہادت کا مرتبہ ہے۔)(۱)

ایک روایت میں ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ:

« وَخْزُ أَعْدَائِكُمْ مِنَ الْجِنِّ. »

(یہ تمہارے دشمن جنات کا حملہ ہے۔)(۲)

فائدہ

اس حدیث کے راوی زیاد بن علاقہ رَحِمَہُ اللّٰہُ کہتے ہیں کہ مجھے راوی کی بات پر اطمینان نہیں ہوا تو میں نے جنوں کے سردار سے پوچھا جوان کے ساتھ تھا، تو اس نے کہا: ''صدق''، یعنی اس نے سچ کہا۔

حافظ ابن حجر رَحِمَہُ اللّٰہُ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔اور فرمایا کہ ابن خزیمہ اور حاکم رحمہما اللّٰہ نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔اور فرمایا کہ ابن خزیمہ وحاکم رحمہما اللّٰہ نے ایک دوسرے طریق سے اس کو روایت کیا ہے، اس میں ہے کہ ابوموسی اشعری رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے کہا کہ میں نے طاعون کے بارے میں اللہ کے رسول سے سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ وہ تمہارے دشمن جنات کی طرف سے زخم ہے اور وہ تمہارے حق میں شہادت ہے۔ابن حجر رَحِمَہُ اللّٰہُ نے اس روایت کو بھی بعد بحث قابل اعتبار قرار دیا ہے۔(۳)

---

(۱) مسند احمد:۴/۴۱۷،مسند ابو داؤد طیالسی: ۱/۷۲،معجم اوسط طبرانی: ۲/۱۰۵

(۲) احمد: ۴/۳۹۵،معجم اوسط:۳/۳۶۷،معجم صغیر: ۱/۹۵

(۳) فتح الباري: ۱۰/۱۸۲

اس سے معلوم ہوا کہ جنات شرارت کی وجہ سے انسانوں پر حملہ کرتے ہیں، جس کا اثر ان صورتوں سے ہوتا ہے جن کو اطبا حضرات اسبابِ طاعون کہتے ہیں، ورنہ اصل سبب جنات کا حملہ ہے۔ اللہ کی طرف سے ایسا انتظام ہوتا ہے کہ عذاب نازل کرنے کے لیے جب طاعون بھیجنا چاہتے ہیں تو جنات سے حملہ کروا دیتے ہیں۔

ایک شبہ کا جواب

ان احادیث میں طاعون کا سبب جنات کا حملہ بتایا گیا ہے، اس پر بعض لوگ اس شبہ کا اظہار کرتے ہیں کہ اطبا اور ڈاکٹروں نے طاعون کے جو اسباب بیان کیے ہیں ان میں اس کا ذکر نہیں ملتا اور وہ لوگ اس کے دوسرے اسباب بیان کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو اس میں کوئی اشکال نہیں کہ ایک چیز کے متعدد اسباب ہوں، بہت سی اشیا ہیں جن کے دو دو چار چار اسباب ہوتے ہیں؛ لہٰذا اگر اطبا نے اس بیماری کے کچھ اسباب کا کھوج لگایا ہو اور نبی علیہ السلام نے اس کا دوسرا سبب بیان کیا ہو تو اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں۔

علامہ کلاباذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ احتمال ہے کہ طاعون دو قسم کا ہو: ایک قسم وہ جو خون وصفرا کی خرابی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور دوسری وہ جو جنات کے حملہ سے ہوتی ہے۔ (۱)

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اطباء تو اپنے وضع کردہ قواعد واصول کے مطابق کلام کرتے ہیں اور یہ سب امور ظاہری وحسی ہوتے ہیں جہاں تک کہ ان کی نظر پہنچتی ہے اور انبیا وہ بات بتاتے ہیں جو ان اطبا کے ادراک ورسائی سے ماورا ہوتے ہیں اور یہاں طاعون کا جو سبب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے

---

(۱) فتح الباري: ۱۰/۱۸۱

کہ وہ جنات کے حملہ سے ہوتا ہے، یہ ظاہر ہے کہ اطبا کے ادراک واحساس سے ماوراء بات ہے؛ لہٰذا اگر اطباء کو یہ معلوم نہ ہوا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ (۱)

علامہ ابن حجر نے اور علامہ عینی رحمہما اللہ نے لکھا ہے کہ طاعون کا جنات کے حملہ سے ہونے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہ بیماری اکثر بیشتر معتدل موسم میں اور ہواء اور پانی کے لحاظ سے عمدہ شہروں میں واقع ہوتی ہے۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نبی کی بات سچی ہے اور اس میں کسی قسم کے شبہ کی کوئی گنجائش نہیں اور دلائل وقرائن اس کی صحت پر دلالت کرتے ہیں۔

فرعونیوں پر طاعون کا عذاب

حضرت موسی علیہ السلام کے زمانہ میں قبطی نسل پر اللہ کا عذاب طاعون کی شکل میں آیا تھا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ ہر شخص ایک مینڈھا ذبح کرے، پھر اپنے ہاتھوں کو اس کے خون سے رنگ لے، پھر اس رنگین ہاتھ کو اپنے دروازہ پر مارے۔ چناں چہ بنی اسرائیل نے ایسے ہی کیا، قبطی لوگوں نے (جو فرعون کے خاندان والے ہیں) حضرت موسی علیہ السلام سے اور بنی اسرائیل سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ اللہ تم پر عذاب بھیجے گا اور ہم اس علامت کی وجہ سے نجات پائیں گے۔ جب صبح ہوئی تو اس طاعون کے عذاب سے قوم فرعون کے ستر ہزار افراد لقمۂ اجل ہو چکے تھے۔ اس پر فرعون نے حضرت موسی علیہ السلام سے کہا کہ آپ اپنے رب سے دعاء کر دیجئے، اگر وہ اس عذاب سے ہم کو نجات دے دے گا تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔ الخ (۳)

(۱) مستفاد از عمدة القاری: ۱۴/۷۰۶، فتح الباری: ۱۰/۱۸۱
(۲) عمدة القاري: ۱۴/۷۰۶، فتح الباري: ۱۰/۱۸۱
(۳) طبری بحواله فتح الباري: ۱۰/۱۸۳

بنی اسرائیل پر طاعون کا عذاب

بنی اسرائیل پر خدا کی طرف سے اس عذاب کا آنا احادیث میں بیان کیا گیا ہے جیسا کہ اوپر وہ احادیث نقل کی گئی ہیں۔ان پر کب اور کس طرح یہ عذاب آیا؟ اس کی تفصیل طبری رَحمہُ اللہُ نے سیار رَحمہُ اللہُ کی زبانی یوں نقل کی ہے کہ:

''ایک جگہ بلعام نامی ایک شخص رہتا تھا، جو مستجاب الدعا تھا۔ حضرت موسی عَلَیہِ السَّلام بنی اسرائیل کے ساتھ اس علاقہ میں جانے کے لئے نکلے، جس میں بلعام رہتا تھا (وہاں جانے کا مقصد وہاں کی کافر قوم سے جہاد کرنا تھا) بلعام کی قوم اس کے پاس آئی اور کہا کہ موسی اور بنی اسرائیل پر بد دعا کردو۔ اس نے کہا کہ میں اللہ سے مشورہ کروں گا۔بعد مشورہ اس کو منع کر دیا گیا کہ موسی عَلَیہِ السَّلام پر بد دعاء نہ کرو۔اس کے بعد اس کی قوم تحائف وہدایا لے کر اس کے پاس آئی، اس نے پھر وہی کہا کہ میں اللہ سے معلوم کروں گا، اب اللہ کی طرف سے اس کو کچھ جواب نہ ملا۔قوم نے کہا کہ اگر یہ کام برا ہوتا تو اس سے آپ کو منع کیا جاتا،اس پر وہ بد دعا کرنے تیار ہو گیا اور بد دعا کی،اس کی زبان سے ایسے الفاظ نکلے جس سے خود اس کی قوم پر بد دعا ہو گئی۔اس پر اس کی قوم نے اس پر ملامت کی، اس نے کہا کہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ بنی اسرائیل کی ہلاکت کس چیز میں ہے؟ اس نے کہا کہ تم اپنی عورتوں اور لڑکیوں کو بنی اسرائیل میں بھیجو تا کہ بنی اسرائیل ان سے ملوث ہو جائیں اور زنا کر کے ہلاک ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اس کے نتیجہ میں بنی اسرائیل ان عورتوں سے ملوث ہو گئے،اس پر بنی

اسرائیل پر طاعون کا عذاب آیا اور ایک دن میں ستر ہزار بنی اسرائیل ہلاک ہوئے۔“(۱)

اس روایت کے بارے ابن حجر رَحمہُ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ یہ مرسل جید ہے۔(۲)

حضرت داؤد کی قوم پر طاعون

بنی اسرائیل پر حضرت موسی عَلَيْهِ السَّلَام کے زمانہ میں جس طرح یہ عذاب آیا، حضرت داؤد عَلَيْهِ السَّلَام کے زمانہ میں بھی بنی اسرائیل پر طاعون کا عذاب آیا تھا۔ ابن اسحاق نے اسکی تفصیل ذکر کی ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت داؤد عَلَيْهِ السَّلَام پر وحی نازل فرمائی کہ بنی اسرائیل کے گناہ بڑھتے جارہے ہیں۔لہٰذا اب انہیں تین باتوں کا اختیار دیا جاتا ہے، یا تو انہیں قحط میں مبتلا کروں گا، یا دو ماہ تک دشمنوں کو ان پر مسلط کروں گا، یا تین دن تک طاعون میں مبتلا کروں گا، حضرت داؤد عَلَيْهِ السَّلَام نے انہیں اسکی خبر دی، انہوں نے کہا کہ آپ ہی ان میں سے کسی بات کا ہمارے لیے انتخاب کر لیجیے، حضرت داؤد عَلَيْهِ السَّلَام نے طاعون کو پسند کیا، چنانچہ اس میں مبتلا ہوکر سورج کے زوال تک ستر ہزار اور ایک روایت میں ہے کہ ایک لاکھ آدمی ہلاک ہوئے ،حضرت داؤد عَلَيْهِ السَّلَام نے تضرع کیا اور دعا کی تو اللہ نے اس بیماری کو اٹھالیا۔(۳)

---

(۱) تاریخ الطبری: ۱/ ۲۵۸-۲۵۹،البدایہ و النھایہ:۱/۳۲۲

(۲) فتح الباري: ۱۰/۱۸۳

(۳) فتح الباري: ۱۰/۱۸۳

طاعون فحش کاری کی سزا

بنی اسرائیل پر طاعون آنے کا واقعہ جو اوپر ذکر کیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ ان پر یہ عذاب زنا وفحش کاری کے نتیجہ میں آیا تھا اور دیگر احادیث سے بھی صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ فحش وزنا کے عام ہونے پر اللہ تعالی طاعون بھیجتا ہے۔

(۱) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« لَمْ تَظْهَرِ الفَاحِشَةُ فِيْ قَومٍ حَتّٰى يُعْلِنُوْا بِهَا إلّا فَشَا فِيْهِم الطَّاعُوْنُ والأوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِي أسْلافِهِم الّذِيْنَ مَضَوْا. »

(جس قوم میں فحش کاری عام ہو جائے حتی کہ وہ اس کو علی الاعلان کرے، اس قوم میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھیلتی ہیں جو ان کے آبا واجداد میں نہیں گذریں۔)(۱)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے ایک لمبی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے:

« ولا فشا الزنى في قوم قطُّ إلّا كَثُرَ فيهم الْمَوْتُ. »

(کسی قوم میں زنا نہیں پھیلتا مگر ان میں موت کی کثرت ہو جاتی ہے۔)(۲)

---

(۱) ابن ماجه:۴۰۰۹،مستدرك حاكم: ۵۱۸۳/۴،المعجم الاوسط: ۶۳/۵،شعب الايمان: ۱۹۲/۳

(۲) موطامالك :۹۸۱،شعب الايمان: ۱۹۶/۳

(۳) ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

« لا تَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ مَالَمْ يَفْشُ فِيْهِمْ وَلَدُ الزِّنَا فَإِذَا فَشَا فِيْهِمْ وَلَدُ الزِّنَا فَيُوشِكُ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ. »

(میری امت بخیر ہوگی جب تک کہ ان میں حرامی بچے زیادہ نہ ہوجائیں اور جب حرامی بچے زیادہ ہوجائیں اللہ ان پر عام عذاب بھیجے گا۔)(۱)

اور طبرانی رحمہ اللہ نے معجم کبیر میں اسی حدیث کے یہ الفاظ روایت کیے ہیں:

« لَا تَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ مُتَمَاسِكٍ أَمْرُهَا مَا لَمْ يَظْهَرْ فِيْهِمْ وَلَدُ الزِّنَا ، فَإِذَا ظَهَرُوْا خَشِيْتُ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِعِقَابٍ. »

(میری امت بخیر ہوگی، اپنے امور پر قابو رکھنے والی ہوگی جب تک کہ ان میں حرامی بچوں کا ظہور نہ ہوجائے اور جب حرامی بچوں کا ان میں ظہور ہوجائے تو مجھے خوف ہے کہ اللہ ان پر عام عذاب بھیجے گا)(۲)

ان میں جن روایات میں موت کا ذکر ہے اس سے جمہور علما نے طاعون ہی مراد لیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زنا کاری وفحش کاری کی سزا میں بھی طاعون آتا ہے۔

---

(۱) مسند احمد: ۶/۳۳۳

(۲) معجم کبیر: ۲۴/۲۳

طاعون کافر کے لئے زحمت، مؤمن کے لئے رحمت

احادیث پاک بتاتی ہیں کہ طاعون کافر کے حق میں لعنت وزحمت ہے اور مؤمن کے لئے رحمت وشہادت۔

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« إنه عذاب يبعثه اللّٰه على من يشاء ، وإن اللّٰه جعله رحمةً للمؤمنين ، ليس من عبدٍ يقع الطاعون ، فيمكث في بلده صابراً مُحْتَسِباً يعلم أنه لايصيبه إلّا ما كتب اللّٰه له إلا كان له مثل أجر شهيد. »

(یہ اللہ کا عذاب ہے، جو اللہ تعالی اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے بھیجتا ہے اور اللہ نے اس کو مؤمنوں کے لیے رحمت بنایا ہے۔ پس جس بندہ پر طاعون پڑے اور وہ اپنے اسی شہر میں صبر کرتا ہوا رہے اس علم ویقین کے ساتھ کہ اسے وہی (بیماری ومصیبت) پہنچتی ہے جو اللہ نے اس کے حق میں لکھا ہے تو ایسے شخص کو شہید کے اجر کے مثل اجر دیا جائے گا۔)(۱)

(۲) ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ابوعسیب رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ آئے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« أتاني جبريل بالحمى والطاعون ، فأمسكت الحمى

---

(۱) بخاري :۵۴۰۲،مسلم:۲۳۲۲

بالمدينة وأرسلت الطاعون إلى الشام ، فالطاعون شهادةٌ لأمتي ورحمةٌ لهم، ورجسٌ على الكافرين. »

(حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس بخار اور طاعون کو لیکر آئے، میں نے بخار کو مدینہ میں روک لیا اور طاعون کو ملک شام بھیج دیا، پس طاعون میری امت کے لیے شہادت ورحمت ہے اور کافروں کے اوپر عذاب ہے۔)(۱)

اس سے یہ شبہ ختم ہو جاتا ہے کہ جب طاعون کو عذاب بتایا گیا تو نیکوں پر یہ کیوں آتا ہے؟ معلوم ہوا کہ یہ کفار اور گنہ گاروں کے لئے عذاب ہے اور مؤمنوں کے لئے رحمت ہے۔

طاعون مؤمن کے لئے شہادت

جیسا کہ اوپر کی احادیث سے بھی معلوم ہوا کہ طاعون مؤمن کے لیے رحمت وشہادت ہے، اسی طرح اس کے بارے میں اور بھی حدیثیں ہیں۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الطاعون شهادة لكل مسلم"

(طاعون ہر مسلم کے لئے شہادت ہے۔)(۲)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری حدیث میں مروی ہے کہ آپ

(۱) مسند احمد :۸۱/۵،معجم کبیر طبرانی:۳۹۱/۲۲،مسند الحارث: ۳۵۸/۱، الآحاد والمثانی:۳۴۲/۱

(۲) بخاري :۲۶۷۵،مسلم:۱۹۱۶

صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

« الشهداء خمسة: المطعون، والمبطون، والغرق، وصاحب الهدم، والشهيد في سبيل اللّٰه. »

(شہداء پانچ ہیں: ایک طاعون میں مبتلا ہونے والا، دوسرا پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہونے والا، تیسرا غرق ہونے والا، چوتھا عمارت وغیرہ گر پڑنے سے مرنے والا اور پانچواں اللہ کے راستے میں شہادت پانے والا)(۱)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صحابہ سے پوچھا کہ تم شہید کس کو شمار کرتے ہو؟ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جو اللہ کے راستے میں قتل کر دیا جائے، فرمایا کہ پھر تو میری امت کے شہید کم ہوں گے، صحابہ نے عرض کیا کہ پھر وہ شہید کون لوگ ہیں، یارسول اللہ! آپ نے فرمایا:

« من قتل في سبيل اللّٰه فهو شهيد ، ومن مات في سبيل اللّٰه فهو شهيد ، ومن مات في الطاعون فهو شهيد ، ومن مات في البطن فهو شهيد . » (۲)

(جو اللہ کے راستے میں قتل کیا جائے وہ شہید اور جو اللہ کے راستے میں مر جائے اور جو طاعون میں مرے وہ شہید اور جو پیٹ کی بیماری میں مرے وہ شہید۔)

مگر اوپر ہم نے بخاری و احمد کے حوالہ سے بروایتِ عائشہ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا جو حدیث نقل

(۱) بخاري: ۲۶۷۴، مسلم: ۱۹۱۴

(۲) مسلم: ۱۹۱۵

کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ درجۂ شہادت اس وقت ملتا ہے جب کہ بندہ صبر کے ساتھ اپنی ہی بستی میں رہے اور یہ یقین رکھے کہ مصیبت و بیماری وہی پہنچتی ہے جو اللہ نے میرے حق میں مقدر کیا ہے۔

فائدہ اولی

یہاں ایک سوال ہے، وہ یہ کہ طاعون کا شہادت ہونا یہ ہر مؤمن کے لیے ہے یا صرف کامل مؤمن کے لئے ہے؟ اس کے بارے میں کوئی قطعی بات کہنا مشکل ہے؛ کیونکہ اس کی صراحت کسی حدیث میں نہیں ہے، تاہم یہاں علما کے مختلف خیالات و نظریات ملتے ہیں، ایک یہ کہ احادیث کے اشارات یہ بتاتے ہیں کہ یہ درجہ صرف مؤمن کامل کے لئے ہے؛ کیوں کہ بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ طاعون فسق و فجور اور زنا و فحش کی وجہ سے بھی بطور عذاب بھیجا جاتا ہے۔

مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما کی حدیث اوپر پیش کی گئی تھی کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

”جس قوم میں فحش کاری عام ہوجائے حتی کہ وہ اس کو علی الاعلان کرے، اس قوم میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھیلتی ہیں جو ان کے آبا واجداد میں نہیں گذریں۔ اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کر چکا ہوں جس میں حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد مروی ہے کہ: ”کسی قوم میں زنا نہیں پھیلتا مگر ان میں موت کی کثرت ہوجاتی ہے“۔ اور ام المؤمنین حضرت میمونہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا کی روایت بھی گزری ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے کہ: ”میری امت بخیر ہوگی جب تک کہ ان میں حرامی بچے زیادہ نہ ہوجائیں اور جب حرامی بچے زیادہ

ہوجائیں اللہ ان پر عام عذاب بھیجے گا۔“

یہ سب احادیث بتارہی ہیں کہ موت وطاعون فحش وزنا کی کثرت کا بھی نتیجہ ہوتا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ اس قسم کے لوگوں کے لیے طاعون شہادت بھی نہیں ہوسکتا، علامہ ابن حجر رَحِمَہُ اللہُ نے اسی قسم کی احادیث کی وجہ سے فرمایا:

« ففي هٰذه الأحاديث أن الطاعون قد يقع عقوبة بسبب المعصية ، فكيف يكون شهادة؟ »

(ان احادیث میں یہ بات ہے کہ طاعون کبھی گناہوں کی سزا کے طور پر بھی واقع ہوتا ہے، پھر وہ شہادت کیوں کر ہوجائے گا؟)(۱)

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ طاعون ہر مؤمن ومسلمان کے لیے شہادت ہے خواہ وہ کامل ہو یا ناقص ہو؛ کیوں کہ بعض احادیث میں صراحت ہے کہ یہ ہر مسلمان کے لیے شہادت ہے ،اورگنہ گار کو شہادت کا درجہ ملنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ درجہ میں کامل مؤمن کے مساوی و برابر ہو جائے ؛ کیوں کہ شہادت کے بہت سے متفاوت درجات ہیں۔(۲)

فائدہ ثانیہ

اس موقعہ پر یہ نکتہ بھی یادرکھنا چاہئے کہ حدیثوں میں دوقسم کے الفاظ آئے ہیں: بعض میں فرمایا کہ طاعون ہر مسلمان کے لیے شہادت ہے اور اسکی تفسیر دوسری حدیث یوں کرتی ہے: ”المطعون شهيد“ (طاعون زدہ شخص شہید ہے)۔ ان حدیثوں میں طاعون زدہ کو شہادت پانے والا بتایا ہے۔ دوسری بعض حدیثوں میں یہ

(۱) فتح الباري: ۱۰/۱۹۳

(۲) قاله ابن حجر فتح الباري: ۱۰/۱۹۳

فرمایا گیا کہ جو مؤمن بندہ اپنی بستی میں صبر کے ساتھ اور خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے رہے، اسکو شہید کا اجر ملے گا۔اس میں یہ نہیں فرمایا کہ وہ شہید ہوگا بلکہ یہ فرمایا کہ شہید کا اجر پائے گا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے شرح بخاری میں اس سے یہ سمجھا ہے کہ جو طاعون میں مبتلا ہو کر مر جاتا ہے وہ تو شہید ہوتا ہے اور جو شخص مرتا نہیں وہ شہادت کا اجر و درجہ پاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہاں تین صورتیں ہیں: ایک یہ کہ طاعون میں مبتلا ہو کر مر جائے بہ شرطیکہ ان صفات سے متصف ہو جن کا حدیث میں ذکر ہے یعنی صبر اور اللہ پر بھروسہ .دوسرے یہ کہ طاعون میں مبتلا تو ہو مگر نہ مرے؛ بل کہ بچ جائے۔تیسرے یہ کہ طاعون میں مبتلا ہی نہ ہو مگر بستی میں صبر و توکل سے رہے۔ان میں سے پہلی صورت شہادت کی ہے اور بقیہ دو صورتیں درجہ و اجر شہادت کی ہیں۔(۱)

امت کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء

جب مؤمن کے حق میں طاعون کا رحمت و شہادت ہونا معلوم ہو گیا تو اب یہ بھی دیکھئے کہ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے حق میں ایک عجیب دعاء فرمائی ہے۔ حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فَنَاءَ أُمَّتِيْ قَتْلاً فِيْ سَبِيْلِكَ بِالطَّعْنِ وَالطَّاعُوْنِ. »

(اے اللہ! میری امت کی موت کو تیرے راستہ میں طعن و طاعون کے ذریعہ قتل (شہادت) بنا دے۔)(۲)

(۱) فتح الباری: ۱۰/۱۹۴ و کذا فی عمدۃ القاري: ۱۴/۱۳۷

(۲) احمد: ۴/۲۳۸،مسند ابو یعلی: ۱۳/۱۵۷

اور امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں، امام طبرانی رحمہ اللہ نے "معجم کبیر" میں، حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں اور ابوبکر شیبانی رحمہ اللہ نے "الآحاد والمثاني" میں یہی حدیث حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت ابو بردہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔(۱)

اس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی سے امت کے حق میں دو طریقوں سے شہادت کا سوال کیا ہے: ایک طعن سے، اس سے مراد جہاد میں ہونے والے زخم ہیں اور یہ معلوم ہے کہ جہاد میں زخم کھانا اور مرنا شہادت ہے۔ دوسرے طاعون سے؛ کیوں کہ اس سے بھی مؤمن کو شہادت کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔

علما نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ امت کو شہادت کا اعلی وارفع مرتبہ ملے اور وہ یہی ہے کہ اللہ کے راستہ میں کفار کے ہاتھوں میں قتل ہو جائے ،خواہ یہ کفار انسان ہوں یا جن ہوں۔ یہ بات اوپر گذر چکی ہے کہ طاعون جنات کا حملہ ہے۔تو خلاصہ یہ ہوا کہ مؤمن کسی نہ کسی صورت سے شہادت پا لے۔

طاعون سے مدینہ کی حفاظت

مدینہ منورہ اللہ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس شہر ہے۔اس کے متعلق ایک حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

« على أنقاب المدينة ملائكةٌ لايدخلها الطاعون ولا الدجال. »

---

(۱) مسند احمد: ۲۳۸/۴، معجم کبیر: ۳۱۴/۲۲، مستدرك حاكم: ۱۰۲/۲، الآحاد والمثانی: ۴۵۰/۴

(مدینہ کے راستوں پر فرشتے مقرر ہیں، اس میں نہ طاعون داخل ہو سکے گا اور نہ مسیح دجال داخل ہو سکے گا۔)(۱)

اور بخاری وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« المدينةُ يأْتِيْهَا الدَّجَّالُ فَيجِدُ المَلَائِكةَ يَحْرُسُوْنَها ، فَلَا يَقْرُبُـها الدَّجَّالُ، قال: ولا الطاعون إن شاء اللّٰه. »

(دجال مدینہ کی طرف آئے گا اور وہاں فرشتوں کو پائے گا، پس نہ دجال اس میں داخل ہو سکے گا اور نہ انشاء اللہ طاعون اس میں داخل ہوگا۔)(۲)

مدینہ میں طاعون کبھی بھی نہ ہوگا

علماء کے درمیان اس میں بحث ہے کہ یہ حکم ہر زمانہ کے لیے ہے یا زمانۂ نبوی کے ساتھ خاص ہے؟ اسی طرح اس میں بحث ہے کہ اس حدیث میں لفظ ''انشاءاللہ'' کا تعلق دجال وطاعون دونوں سے ہے یا صرف طاعون سے ہے؟ ابن حجر کے کلام سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ یہ حکم تمام زمانوں پر محیط ہے، اسی لیے بعض علما نے اس کو معجزہ قرار دیا ہے کہ مدینہ کا طاعون سے محفوظ ہونا اس دور سے لیکر آج تک اور ہمیشہ کے لئے ہے۔ وہ کہتے ہیں:

" ثم استمر ذلك بالمدينة تمييزا لها من غيرها

(۱) مؤطا مالك: ۱۵۸۲، بخاري: ۱۷۸۱، مسلم: ۱۳۷۹، احمد: ۷۲۳۳

(۲) بخاري: ۶۷۱۵، ترمذي: ۲۲۴۲، احمد: ۱۲۲۶۶، ابويعلى: ۳۹۰/۵، صحيح ابن حبان: ۲۱۵/۱۵

لتحقق إجابة دعوته وظهور هذه المعجزة العظيمة بتصديق خبره هذه المدة المتطاولة". (۱)

اسی طرح ابن حجر رحمہ اللہ نے بعض علما کا قول نقل کیا ہے کہ مدینہ میں طاعون نہ داخل ہونا دراصل معجزات محمدیہ میں سے ہے؛ کیوں کہ اطبا اول تا آخر اس بات سے عاجز ہیں کہ کسی شہر بلکہ کسی گاؤں سے طاعون کو دفع کردیں، لیکن مدینہ میں طاعون کا داخل ہونا اس طویل مدت میں ممنوع ہوگیا۔ (۲)

میں کہتا ہوں کہ طاعون کا ہمیشہ کے لیے مدینہ سے دفع ہونا ہی مراد ہونا چاہئے کیونکہ ایک خاص مدت تک کسی شہر میں طاعون کا نہ ہونا تو کوئی امتیازی حیثیت نہیں رکھتا؛ کیونکہ ایسا تو بہت سے گاؤں اور شہروں میں ہوتا ہے کہ ایک مدت تک وہاں ایسی وباء نہیں آئی، اس لیے اس کا ہمیشہ کے لیے مدفوع ہونا ہی مدینہ کا امتیاز ہے۔

حدیث میں ان شاء اللہ کا مفہوم

رہا یہ سوال کہ ان شاء اللہ کا تعلق دونوں باتوں سے ہے یا ایک سے تو جواب یہ ہے کہ یہاں "ان شاء اللہ" میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ یہ برائے تبرک ہے، اور اس صورت میں اس کا تعلق دجال و طاعون دونوں کے داخلہ سے ہے اور اللہ کے نبی کا منشأ یہ ہے کہ دجال و طاعون دونوں مدینہ میں داخل نہ ہوسکیں گے، ان شاء اللہ، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ "ان شاء اللہ" برائے تعلیق ہو، اس صورت میں اس کا تعلق صرف طاعون سے ہے، کہ اگر اللہ نے چاہا تو طاعون مدینہ میں داخل نہ ہوگا۔ (۳)

(۱) فتح الباري: ۱۰/۱۹۱

(۲) فتح الباري: ۱۰/۱۹۱

(۳) فتح الباري: ۱۰/۱۹۱

مدینہ کی طاعون سے حفاظت کیوں؟

ایک سوال یہاں یہ ہے کہ جب طاعون مسلم کے حق میں شہادت ہے تو مدینہ میں طاعون نہ ہونا، مدینہ کی فضیلت نہیں بلکہ برائی ہے کہ ایک عظیم دولت سے وہاں کے لوگ محروم ہیں؟ اس سوال کے جوابات حضرات علما نے متعدد دیئے ہیں: سب سے عمدہ جواب اسکا یہ ہے کہ طاعون جیسا کہ اوپر مذکور ہوا جنات کے حملہ سے ہوتا ہے اور کفار جنات شرارت وعداوت سے یہ کرتے ہیں اور مدینہ میں کفار جن داخل نہیں ہوسکتے، اس لیے وہاں کے لوگوں پر ان کا حملہ بھی نہیں ہوسکتا۔ خلاصہ یہ کہ حدیث میں مدینہ کی فضیلت اس اعتبار سے ہے کہ کفار جنات مدینہ میں داخل نہیں ہوسکتے، لہذا کوئی اشکال کی بات نہیں۔

علامہ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ نے اس کا ایک اور جواب دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

> مسند احمد میں حضرت ابوعسیب رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جبریل علیہ السلام دو چیزیں لیکر میرے پاس آئے: ایک بخار دوسرے طاعون، میں نے مدینہ میں بخار کو روک لیا اور طاعون کو ملک شام کی طرف بھیج دیا“ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو صحابہ تعداد کے لحاظ سے بھی اور سامان کے لحاظ سے بھی بہت قلیل تھے، اور اس زمانے میں مدینہ وباء کا مرکز تھا، تو آپ کو دو باتوں (بخار یا طاعون) میں اختیار دیا گیا، جن میں سے ہر ایک میں اجر جزیل ہے، آپ نے بخار کو اس لئے ترجیح دی

کہ اس میں طاعون کے بخلاف موت و ہلاکت کم واقع ہوتی ہے، پھر جب آپ کو جہاد کی ضرورت پڑی اور بخار کے باقی رہنے کی صورت میں جسموں میں ضعف پیدا ہو جانے کا خطرہ تھا تو آپ نے بخار کو بھی مدینہ سے جحفہ مقام کی طرف منتقل کر دینے کی دعا کی ،تو مدینہ تمام شہروں میں سب سے زیادہ صحت مند علاقہ ہو گیا، پھر یہی صورت حال باقی رہ گئی تاکہ دوسرے شہروں سے یہ ممتاز رہے اور اللہ کے نبی کی دعا کی قبولیت کا تحقق اور آپ کی دعا سے اس عظیم معجزے کا ظہور ہو جائے۔(۱)

ایک شبہ کا ازالہ

حدیث پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک روایت میں حضرت ابوالاسود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ میں مدینہ آیا تو وہاں مرض واقع ہوا تھا اور لوگ جلد جلد موت کا شکار ہو رہے تھے۔(۲)

یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا ہے جیسا کہ اسی روایت میں مذکور ہے،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں طاعون آیا ہے،اوراسی سے بعض نے یہ سمجھا ہے کہ یا تو مدینہ کے طاعون سے محفوظ ہونے کی بات حضور علیہ السلام کے زمانے کے ساتھ خاص ہے یا یہ کہ اس سے مراد عمومی طاعون ہے جس سے شہر کا شہر ہلاکت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(۱) فتح الباري: ۱۰/ ۱۹۱،عمدة القاري: ۱۴/ ۱۱/ ۷

(۲) بخاري: ۲۵۰۰، احمد: ۱/ ۲۱،صحيح ابن حبان: ۷/ ۲۹۷،مسند ابو يعلى: ۱/ ۱۳۵،سنن بيهقي: ۱۰/ ۱۲۳

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے "المفهم" میں یہی کہا ہے کہ اس سے مراد ایسا عمومی طاعون ہے جیسا عمواس و جارف میں ہوا تھا، علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کو نقل کر کے کہا کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ طاعون فی الجملہ مدینہ میں داخل ہوسکتا ہے۔ مگر بات دراصل ایسی نہیں ہے؛ کیوں کہ ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے معارف میں یقین کے ساتھ کہا ہے اوران کی ایک جم غفیر نے اتباع کی ہے کہ جن میں سے علامہ نووی رحمہ اللہ بھی ہیں کہ طاعون بالکل بھی نہ مدینہ میں داخل ہوا اور نہ مکہ میں داخل ہوا۔ (۱)

لہٰذا صحیح یہی ہے کہ طاعون سے اللہ تعالی نے مدینہ کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے، اب رہی وہ روایت جو ابو الاسود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں موت سے مراد طاعون نہیں ہے؛ بل کہ کوئی عام وبا مراد ہے۔

مکہ مکرمہ طاعون سے محفوظ

مدینہ منورہ کی طرح مکہ مکرمہ کے متعلق بھی ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ وہ طاعون سے محفوظ ہوگا۔ چناں چہ عمر بن شبہ رحمہ اللہ نے "کتاب مکہ" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ اور مکہ فرشتوں سے گھرے ہوئے ہیں، ہر نقب پر ایک ایک فرشتہ مقرر ہے، ان میں نہ دجال داخل ہوگا، نہ طاعون داخل ہوگا۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ اس کے سب راوی بخاری کے راوی ہیں۔ (۲)

بعض لوگوں نے اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ سنہ ۷۴۹ ہجری میں مکہ میں طاعون آیا تھا۔ علما نے اس کا جواب دیا ہے: ایک جواب یہ ہے کہ یہ نقل صحیح نہیں ہے۔ دوسرا

---

(۱) فتح الباري: ۱۰/۱۹۰

(۲) فتح الباري: ۱۰/۱۹۱

جواب یہ ہے کہ حدیث میں طاعون سے مراد عام طاعون ہے جو سب شہر والوں کو گھیر لے، مکہ ومدینہ میں ایسا نہ ہوگا؛ بل کہ اکے دکے واقعات ہوں گے۔ علامہ قرطبی رَحِمَہُ اللہُ نے "المفھم" میں ان احادیث کا یہی معنی ومطلب بیان کیا ہے۔ (واللہ اعلم)(۱)

طاعونی شہید، دربار خداوندی میں

طاعون میں مبتلا ہوکر مرنے والے شہدا جب خداوند تعالی کے دربار میں حاضر ہو ں گےتو ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ اس کوایک حدیث میں بتایا گیا ہے۔ حضرت عتبہ بن عبد السلمی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ:

"شہداء کرام اور طاعون سے مرنے والوں کو لایا جائے گا، طاعون والے کہیں گے کہ ہم بھی شہدا ہیں، اس پر (اللہ کی طرف سے) کہا جا ئے گا کہ دیکھو اگر ان کے زخم شہیدوں کے زخموں کی طرح خون بہاتے ہوں اور ان کے زخموں کی خوشبوں مشک کی طرح ہوتو یہ شہدا ہیں۔ (جب فرشتے دیکھیں گےتو) انکوایسا ہی پائیں گے۔"(۲)

لوگوں کا جھگڑا اور خدائی فیصلہ

طاعونی شہیدوں کے متعلق قیامت کے دن لوگوں کی دو جماعتیں ہو جائیں گی۔ ایک جہاد میں شہید ہونے والے لوگوں کی جماعت اور ایک اپنے گھر میں معمولی حالت میں بچھونے پر مرنے والوں کی، ان دونوں جماعتوں میں طاعونی شہدا اس کے

(۱) فتح الباري: ۱۰/۱۹۱

(۲) مسند احمد: ۴/۱۸۵، معجم کبیر طبرانی: ۱۷/۱۱۸، مسند الشامیین: ۲/۴۲۹

متعلق جھگڑا ہو گا، اسکی کیفیت حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی نقل کی ہے:

''شہدا کرام اللہ کے دربار میں عرض کریں گے کہ یہ طاعون میں مرنے والے ہمارے بھائی اس طرح قتل ہوئے ہیں جیسے ہم قتل وشہید ہوئے اور دوسرا گروہ عام مرنے والوں کا کہے گا کہ یہ ہماری طرح اپنے بچھونے پر مرے ہیں (یعنی ان کو شہیدوں کا مرتبہ نہیں ملنا چاہیئے) اس پر اللہ عزوجل فرمائے گا کہ ان طاعونی لوگوں کے زخموں کو دیکھا جائے، اگر ان کے زخم شہیدوں کے زخموں کی طرح ہوں تو وہ شہیدوں میں شمار ہوں گے، جب ان کے زخموں کو دیکھا جائے گا تو ان کے زخم شہیدوں کے زخموں کی طرح ہونگے۔لہذا ان کو ان کے ساتھ کر دیا جائیگا۔''(۱)

طاعون زدہ علاقے میں نہ جاؤ اور نہ اس سے نکلو

طاعون زدہ علاقے کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حکم بیان فرمائے ہیں: ایک یہ کہ کسی جگہ طاعون ہو تو وہاں نہ جاؤ۔ دوسرا یہ کہ جس جگہ طاعون ہے وہاں سے باہر نکل کر راہ فرار اختیار نہ کرو۔

چنانچہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہم نے اوپر نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« الطاعون رجز أوعذاب عُذِّبَ به بعضُ الأُمم ، ثم بقي منه بقيةٌ، فيذهب المرّةَ ، ويأتي الأُخرىٰ ، فمَنْ سَمِعَ

(۱) احمد: ۱۶۵۳۳، نسائی سنن صغری:۳۱۶۴، نسائی سنن کبری: ۳/۲۵، معجم کبیر طبرانی: ۱۸/۲۵۰،حلیة الاولیاء :۵/۲۲۱

به بأرض فلا يقدمنَّ عليه، ومن كان بأرض وَقَعَ بها فلايخرج فراراً منه. »

(طاعون ایک عذاب ہے، جس سے بعض امتوں کو عذاب دیا گیا، پھر اس میں سے کچھ باقی رہ گیا، وہ کبھی چلا جاتا ہے اور کبھی آجاتا ہے، پس جو شخص کسی علاقے میں اس کا ہونا سنے تو اس کو وہاں ہرگز نہیں جانا چاہئے اور جو وہاں موجود ہو اس کو وہاں سے بھاگنا نہ چاہئے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ طاعون زدہ علاقے میں نہ داخل ہونا چاہئے اور نہ وہاں سے وہاں کے رہنے والے کو وہاں سے فرار ہونا چاہے، اس حکم کی وجہ وعلت کیا ہے اس میں علماء کو کلام ہے۔

ایک کی بیماری دوسرے کو لگتی نہیں

اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم میں ایک یہ بھی ہے کہ جو کچھ اچھا یا برا ہوتا ہے وہ اللہ کی مشیت وتقدیر سے ہوتا ہے، کسی انسان اور کسی مخلوق کو بالذات اس میں کوئی دخل نہیں، اگر ہے تو وہ محض کسب یا سبب ہونے کی حیثیت سے ہے۔ مگر زمانۂ جاہلیت کے لوگوں میں جہاں بہت سے غلط عقائد ونظریات قائم تھے وہیں ایک یہ عقیدہ بھی تھا کہ بعض بیماریاں متعدی ہوتی ہیں، اور وہ لوگ اللہ کے حکم ومشیت کی قید کے بغیر ان کے بارے میں یہ سمجھتے تھے کہ وہ ایک مریض سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس کی اصلاح بھی لازم تھی، تو اللہ تعالی نے قرآن میں اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں اس کا ذکر کیا ہے۔

قرآن میں وارد ہوا ہے:

﴿ قُل لَّن يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى

اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴾ (التوبۃ :۵۱)

(آپ کہہ دیجئے کہ ہمیں ہرگز نہیں پہنچے گا مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے، اور مؤمنین کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے)

ایک اور جگہ خاص مصیبت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿ مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَن يُؤْمِن بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾ (التغابن :۱۱)

(نہیں پہنچتی کوئی مصیبت مگر اللہ کے حکم سے، اور جو کوئی اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ اس کے دل کو رہنمائی کرتے ہیں، اور اللہ ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔)

ان آیات میں اسی عقیدے کا بیان ہے کہ سب کچھ اللہ کی مشیت وارادے سے اوراس کی لکھی ہوئی تقدیر کی بنا پر واقع ہوتا ہے، کسی انسان میں یا کسی چیز میں بالذات کوئی طاقت نہیں، کہ ہر حال میں وہ کوئی اثر دکھائے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« لَا عَدْوٰى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ، وَ فِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْأَسَدِ. »

(بیماری لگنے کا عقیدہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا، اور نہ بدفالی کوئی چیز ہے نہ ھامہ اور صفر کے بارے میں عقیدہ کوئی چیز ہے، ہاں جذامی سے ایسا بھاگ جیسے تو شیر سے بھاگتا ہے۔)(۱)

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) بخاري: ۵۳۸۰

« لَا عَدْوٰی وَلَا ھَامَةَ وَلَا نَوْءَ وَلَا صَفَرَ. »

(بیماری لگنے کا عقیدہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا، اور نہ ھامہ اور صفر اور ستارہ کے بارے میں عقیدہ کوئی چیز ہے۔)(۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا:

« لَا عَدْوٰی وَلَا طِيَرَةَ وَلَا غَوْل. »

(بیماری لگنے کا عقیدہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا، اور نہ بد فالی کوئی چیز ہے، نہ شیاطین کے بھٹکانے کے بارے میں عقیدہ کوئی چیز ہے۔)(۲)

ایک حدیث میں یہ ہے کہ:

« لَا عَدْوٰی وَلَا طِيَرَةَ وَيعجبني الفأل ، الكلمة الحسنة والكلمة الطيبة. »

(بیماری لگنے کا عقیدہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا، اور نہ بد فالی کوئی چیز ہے، اور مجھے فال اچھا لگتا ہے، یعنی کوئی نیک اور اچھا کلمہ۔)(۳)

حضرت ابو ہریرہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سے ایک اور روایت میں ہے:

رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ بیماری کا دوسرے کو لگنا کوئی چیز نہیں، اور ھامہ اور صفر کا عقیدہ بھی کوئی چیز نہیں، تو ایک دیہاتی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا خیال ہے ان اونٹوں کے بارے میں جو ریت میں رہتے ہیں، گویا کہ وہ ہرن ہیں (یعنی ہرن کی طرح ان کو

---

(۱) مسلم: ۲۲۲۰

(۲) مسلم: ۲۲۲۲

(۳) مسلم: ۲۲۲۴، مسند احمد: ۱۳۶۵۸

کوئی بیماری ہی نہیں) پس ایک خارش زدہ اونٹ آتا ہے اور ان میں مل جاتا ہے تو وہ اونٹ بھی خارش کی بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« فَمَنْ أَعْدٰى الْأَوَّلَ . »

(پہلے اونٹ کو کس نے بیماری دی۔)(۱)

ان احادیث میں ''عَدْوٰی'' کے معنی بعض علما نے ''فساد وخرابی'' کے بیان کئے ہیں، اور بعض نے کہا کہ اس کے معنے ''علت و بیماری کے ایک سے دوسرے کی طرف تجاوز کرنے'' کے ہیں۔(۲)

اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جملے کا معنے ہوا'' خرابی و بیماری کا ایک آدمی سے دوسرے کی جانب منتقل ہونے کا خیال کوئی چیز نہیں، یعنی صحیح نہیں ہے۔علما نے لکھا ہے کہ اس سے آپ کا مقصود زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کے اس عقیدے کی تردید ہے کہ بیماری بالطبع و بالذات بغیر اللہ کے حکم ومشیت کے ایک سے دوسرے کی طرف تجاوز کرتی ہے؛ کیوں کہ وہ یہی سمجھتے تھے کہ امراض ایک دوسرے کو لگتے ہیں اور بالذات و بالطبع لگتے ہیں۔(۳)

اور بعض حضرات علماء نے کہا کہ یہ ان علما طب اور سائنس کے نظریئے کی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ بیماریاں ایک دوسرے کو لگتی ہیں، اور یہ ان بیماریوں کا

---

(۱) بخاري: ۵۳۷۸،مسلم:۲۲۲۰،مسند احمد: ۷۶۰۹،صحيح ابن حبان: ۱۳/۴۸۴

(۲) مرقات: ۹/۳

(۳) شرح مسلم للنووی، فتح الباري: ۱۰/۲۴۱، معارج :۳/۹۸۴، فتح المجيد: ۱/۲۹۴،تيسير العزيز الحميد: ۱/۳۷۳

خاصہ وطبیعت ہے،آپ نے بتادیا کہ یہ نظریہ باطل ہے۔(۱)

مگراس پرایک سوال واشکال پیدا ہوتا ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اپنے ارشادات میں اوراسی طرح اپنے عمل سے یہ بتایا ہے کہ بعض بیماریاں متعدی ہوتی ہیں،مثلاً اوپرایک حدیث میں آیا ہے کہ:

« وَ فِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْأَسَدِ. »

(جذامی سے اس طرح بھا گو جیسے شیر سے بھاگتے ہیں۔)

اورایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« لاَ يُوْرِدُ مُمَرِّضٌ عَلٰى مُصِحٍّ. »

(بیمار اونٹ والا صحیح اونٹ والے کے پاس اپنے اونٹوں کو پانی نہ پلائے۔)(۲)

اسی طرح ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے:

”وفد بنوثقیف میں ایک جذامی تھا اس نے آپ سے بیعت کی درخواست کی تو آپ نے اس کو براہ راست بیعت نہیں کیا؛ بل کہ یہ فرمایا کہ جاؤ ہم نے تمہیں بیعت کرلی۔“(۳)

بظاہران احادیث میں تعارض معلوم ہوتا ہے،حالانکہ تمام احادیث صحیح ہیں،اس لئے یہ کہنا پڑے گا کہ ان احادیث میں حقیقی طور پر کوئی اختلاف وتعارض نہیں ہے۔چناں چہ حضرات علمانے اس سلسلہ میں بحث کی ہےاور بعض لوگ ان احادیث

---

(۱) مرقات: ۳/۹،فیض القدیر: ۴۳۳/۶

(۲) مسلم: ۲۲۲۱،واللفظ له،بخاری: ۵۴۳۹،ابن ماجه: ۳۵۴۱،احمد: ۹۶۱۰

(۳) مسلم: ۲۲۳۱،ابن ماجه: ۳۵۴۴

میں نسخ کے قائل ہوئے ہیں، اور بعض لوگ ان میں ترجیح کی طرف گئے ہیں، اور اکثر حضرات نے ان میں جمع وتطبیق کی راہ اختیار کی ہے۔(۱)

پھر جن حضرات نے جمع وتطبیق کو اختیار کیا ہے انھوں نے اس کی کئی صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) ایک یہ کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منشأ یہ ہے کہ بالذات بغیر اللہ کے منشأ وحکم کے کوئی بیماری متعدی نہیں ہوتی، جیسا کہ اہل جاہلیت سمجھتے تھے؛ کیوں کہ سب امور اللہ کی مشیت وحکم کے تابع ہیں، اور بیماری بھی اسی کے حکم کے تابع ہے، ہاں اللہ کی مشیت وحکم کے مطابق کوئی بیماری ایک سے دوسرے کی جانب تجاوز کر جائے جیسے اسباب میں ہوتا ہے تو یہ ممکن ہے اور ہوتا ہے، اسی لیے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جذامی سے بھاگنے کا حکم دیا اور جذامی کو ہاتھ میں ہاتھ دیکر بیعت نہیں کیا؛ کیونکہ سبب کے درجے میں بیماری ایک سے دوسرے کو لگ سکتی ہے۔

الغرض تعدیۂ امراض کی نفی سے مراد بالذات تعدیہ ہے اور تعدیۂ امراض کے اثبات سے مراد حکم خدا سے تعدیہ ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔ اسی کو اکثر حضرات نے اختیار کیا ہے جن میں سے ابن الصلاح، بیہقی، ابن القیم اور نووی رحمہم اللہ بھی ہیں۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منشأ مطلقاً تعدیۂ امراض کی نفی کرنا ہے کہ ایک کی بیماری دوسرے کو بالکل نہیں لگتی، رہا یہ کہ پھر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جذامی سے پرہیز کیوں کیا اور اس کا کیوں حکم دیا تو یہ در

---

(۱) اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح الباری ابن حجر: ۱۰/۱۵۹-۱۶۲، شرح مسلم نووی: زادالمعاد ابن القیم:، مفتاح دار السعادۃ ابن القیم: مرقات ملا علی قاری: ۹/۳-۴

اصل اس لیے ہے کہ اگر کوئی کمزور عقیدہ والا جذامی سے ملا اور اللہ کے حکم و مشیت سے اس کو وہی بیماری آگئی تو وہ خیال کرے گا کہ یہ بیمار سے ملنے ہی سے مجھے آئی ہے ،اور اس طرح اس کا ایمان خراب ہوگا،لہٰذا اللہ کے نبی ﷺ نے ''حسماً للمادة و سداً للباب'' یہ فرمایا کہ جذامی سے شیر کی طرح بھاگو،لیکن کوئی صحیح العقیدہ پکا مسلمان اللہ پر کامل اعتماد رکھنے والا جذامی کے ساتھ ملے اور کھائے پیئے تو کوئی حرج نہیں جیسے کہ خود اللہ کے نبی ﷺ نے جذامی کے ساتھ کھانا ایک ہی برتن میں کھایا تھا۔امام ابوعبید رحمہ اللہ اور ایک جماعت علما نے اسی صورت کو اختیار کیا ہے۔

(۳) ایک صورت یہ ہے کہ اصل تو وہی ہے کہ بیماری کسی کی کسی کو نہیں لگتی، جیسے کہ ''لا عدوی''فرمایا گیا ہے،مگر بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی بدبو وغیرہ سے طبعاً کراہت و نفرت پیدا ہوتی ،لہٰذا آپ نے اسی طبعی کراہت کے طور پر فرمایا کہ جذامی سے بھاگو، یہ اس لیے نہیں کہ بیماری لگ جاتی ہے؛ بل کہ اس لیے کہ طبعاً اس سے کراہت ہوتی ہے۔

اس کے بعد اب آیئے زیر بحث مسئلہ پر غور کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے طاعون زدہ علاقے میں داخل ہونے سے بھی منع کیا اور وہاں سے راہ فرار اختیار کرنے سے بھی منع کیا ہے ،اس کی کیا وجہ ہے ؟ امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس کی شرح میں بیان کیا کہ اس حکم میں حکمت یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی طاعون والے علاقے میں گیا اور تقدیر الٰہی سے اسکو بھی طاعون ہوگا تو وہ کہیں یہ نہ سمجھے کہ وہاں جانے سے مجھے طاعون ہوا ،اور اگر طاعون زدہ علاقے سے کوئی باہر آگیا اور طاعون سے بچا رہا تو یہ نہ سمجھ جائے کہ باہر نکل کر میں بچ گیا؛ کیوں کہ بیماری

خدا کے حکم سے آتی ہے۔(۱)

خلاصہ یہ کہ جو کچھ اچھا یا برا ہوتا ہے وہ تقدیر الٰہی سے ہوتا ہے، جس کو طاعون ہونا ہے اس کو ضرور ہوگا، خواہ وہ وہیں رہے یا بھاگے اور جس کے حق میں یہ مقدر نہ ہو اس کو ہرگز نہ ہوگا، خواہ بھاگے یا وہیں رہے، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو پہلے سے وہاں ہے وہ وہاں سے نہ نکلے اور جو وہاں نہیں ہے وہ وہاں نہ جائے تاکہ کسی بدعقیدگی میں مبتلا نہ ہو۔

بعض علما فرماتے ہیں کہ متعدی بیماریاں ایک دوسرے کو لگتی ہیں مگر یہ بھی اللہ کے حکم سے ہوتا ہے بغیر تقدیر الٰہی کے نہیں ہوتا، اس صورت میں حدیث میں جو طاعون زدہ علاقے سے نکلنے کو ممنوع قرار دیا ہے اس کی حکمتیں یہ سمجھ میں آتی ہیں:

(۱) نکلنے والے کے ذریعہ دوسرے تک بیماری متعدی نہ ہو۔

(۲) طاعون زدہ لوگوں کی تیمارداری وعیادت کی جاسکے۔ ورنہ سب نکل جائیں گے تو بیماروں کا کیا ہوگا۔

اور باہر سے ایسے علاقے میں داخلے سے منع کرنا اس وجہ سے ہوگا کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالے بلکہ احتیاط و پرہیز کرے۔

طاعون سے فرار پر وعید

طاعون زدہ علاقے میں رہ کر صبر اور خدا پر توکل کرنا رحمت و برکت کا سبب اور شہادت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اور ایسے علاقہ سے فرار ہونا سخت وعید کا باعث ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً آیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) طحاوي: ۳۵۰/۲

« الفارُّ من الطاعون كالفارِّ من الزحف والصابر فيه كالصابر في الزحف. »

(طاعون سے فرار ہونے والا ایسا ہے جیسے جہاد کے میدان سے گھمسان کی لڑائی کے وقت بھاگنے والا اور اس میں صبر کرنے والا ایسا ہے جیسے گھمسان کی لڑائی میں صبر کرنے والا۔)(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی انہیں الفاظ کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے جس کو امام احمد و ابن خزیمہ نے بسند حسن نقل کیا ہے۔(۲)

علما نے لکھا ہے کہ طاعون زدہ علاقہ سے نکلنا تین صورتوں میں ہوسکتا ہے: ایک یہ کہ طاعون سے فرار اختیار کرتا ہوا نکلے۔ حدیث میں اس پر وعید آئی ہے۔ دوسری صورت یہ کہ کسی کام سے باہر جانا چاہتا تھا کہ وہاں طاعون آ گیا، یہ اگر اپنے کام سے باہر جائے تو اس پر وعید نہیں۔ تیسری شکل یہ ہے کہ اپنی ضرورت سے باہر جانا چاہتا تھا، بستی میں طاعون آ گیا، اب اس نے ارادہ کرلیا کہ باہر تو ضرورت سے جانا ہے، اب باہر ہی رہوں گا تا کہ طاعون سے بچا رہوں، اس میں علما کا اختلاف ہے۔ (واللہ اعلم)

اوپر کی تفصیلات سے طاعون کے بارے میں بہت ساری باتیں معلوم ہوئیں، ان میں یہ بھی معلوم ہوا کہ سب سے پہلے اللہ نے گناہوں کی پاداش میں بطور عذاب طاعون بھیجا، نیز فحش و زنا پر طاعون آتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو ہر اس کام سے جو خدا کی ناراضگی کا سبب ہو، بچنا چاہئے اور اگر بچے ہوئے ہیں تو آخرت کی مزید فکر میں

(۱) مسند احمد: ۱۳۹۵

(۲) فتح الباري: ۱۰/ ۱۸۸

لگنا چاہئے ،موت خواہ طاعون سے ہو یا نہ ہو، یہ تو یقینی ہے کہ سب کو مرنا ہے، اس لیے ہمیشہ موت کی تیاری میں لگے رہنا چاہئے ، وہ اس طرح کہ ایمان بھی پختہ ہو اور عمل بھی کامل ہو۔ اللہ ہمیں اسکی توفیق بخشے۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

کیو-ٹی وی (Q.TV)
کا شرعی حکم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کیو-ٹی وی کا شرعی حکم

الحمد للّٰه و کفیٰ و سلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ ،اما بعد

تمہید

زیرِ نظر مختصر تحریر دراصل ایک سوال کا جواب ہے جو مجھ سے متعدد لوگوں کی جانب سے بارہا کیا گیا اور میں نے حسب موقعہ اس کا جواب کبھی تحریراً اور کبھی زبانی طور پر، کبھی مختصراً اور کبھی مفصلاً دیا تھا اور جب میں نے اپنے رسالے ''ٹیلی ویژن اسلامی نقطۂ نظر سے'' کی چوتھی اشاعت کے لیے اس پر ''نظر ثانی'' کی اور اس میں اضافے کا کام کیا تو اس اضافے میں ایک مستقل باب بھی بڑھایا گیا، جس میں ''ٹی وی کے متعلق فقہی احکام'' جمع کیے گیے اور اس میں 'کیوٹی وی'' سے متعلق دیے گیے سارے جوابات بھی اوراق اور اپنے ذہن سے جمع کیے گیے اور اس کو ایک سوال و جواب کی شکل میں لکھا گیا، زیرِ نظر تحریر وہی سوال و جواب ہے۔

آج ''کیوٹی وی'' کا بھوت اچھے خاصے نمازی و دیندار کہلانے والے لوگوں پر بھی سوار ہے اور اس کو دین اور نیکی سمجھ کر استعمال کیا جا رہا ہے اور اس کی قباحتوں سے اس طرح صرفِ نظر کر لیا گیا ہے جیسے کہ اس میں کوئی قباحت ہے ہی نہیں۔

اور اس 'کیوٹی وی' کا اس قدر شور و زور ہے کہ نا واقف لوگ اسی کو اپنا دین و

ایمان سمجھنے لگے ہیں اوران ناواقفین میں سرِفہرست وہ لوگ ہیں جو تعلیم یافتہ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور خود کو سب سے زیادہ روشن خیال اور حالاتِ زمانے سے واقف کار قرار دیتے ہیں۔

بہ ہرحال اس ''کیو - ٹی وی'' کے بارے میں اصل حقیقت سے آگاہ کرنا ضروری تھا؛اس لیے اس تحریر کو شائع کیا جارہا ہے، اگرچہ لوگوں کے حالات و خیالات اوران کے رجحانات کو دیکھتے ہوئے ناامیدی سی ہوتی ہےاوردل کہتا ہے یہ ''نقارخانہ میں طوطی کی آواز'' سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی ،تاہم امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ اورشہادتِ حق کی ذمہ داری کو پورا کرنے کے خیال سے اس کو پیش کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہےاوراسی کے ساتھ یہ بھی امکان سے ہرگز خالی نہیں کہ کوئی اللہ کا بندہ اس کو پڑھ کران قبائح سے بچنے کی فکرکرے۔

اسی کے ساتھ ہم نے ''ادارة المباحث الفقهية'' جمعیۃ علمائے ہند کے آٹھویں فقہی اجتماع منعقدہ: ۱۷/ ۱۸/ ۱۹/ربیع الاول ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۷/ ۲۸/ ۲۹/ اپریل ۲۰۰۵ء میں 'ٹی وی' کے موضوع پر منظور شدہ تجاویز بھی آخر میں درج کردیے ہیں۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالے اہلِ اسلام کو حقائق کے سمجھنے اورغیروں کی سازشوں کا شکار ہونے سے محفوظ رہنے کی توفیق بخشے۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

(مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم)

۶/ ربیع الثانی، ۱۴۲۶ھ،۱۵/مئی،۲۰۰۵ء

سوال

آجکل ''کیوٹی وی'' (Q - TV) نام کا ایک چینل پاکستان سے مسلمانوں کی جانب سے شروع کیا گیا ہے، جو مسلمانوں میں مقبولیت حاصل کر رہا ہے، جس میں درجِ ذیل پروگرام نشر کیے جاتے ہیں: (۱) تلاوتِ کلام اللہ (۲) حمد و نعت و قوالی، اور اس میں خواتین اور لڑکیاں بھی حصہ لیتی ہیں اور دف بجاتی ہوئی دکھائی جاتی ہیں (۳) دینی عنوانات پر علما کی تقاریر و بیانات (۴) دینی سوالات کے جوابات (۵) مشکلاتِ زندگی کا حل اور اس کے لیے کوئی صاحب، استخارہ کر کے جواب دیتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ

(۱) اس چینل کا دیکھنا شرعاً کیسا ہے، کیا اس میں شرعی نقطۂ نظر سے کوئی بات غلط ہے؟

(۲) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے اشاعتِ اسلام و دعوتِ اسلام کا کام بحسن وخوبی انجام دیا جا سکتا ہے، کیا یہ بات درست ہے؟

براہِ کرم تفصیل کے ساتھ جواب دیں اور مدلل جواب سے سرفراز فرمائیں؟

الجواب ومنه الصواب

تمہید

افسوس کی بات ہے کہ آج مسلمان دینِ اسلام سے اس قدر دور ہو چکے ہیں کہ

ان کو اسلام اور غیر اسلام میں فرق کرنا مشکل ہو گیا ہے اور وہ ہر اس چیز کو جو دین کے نام سے ان کے سامنے آجائے، دین سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں اور قطعاً اس بات کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ اسلام کے نام سے آنے والی اس چیز کے بارے میں یہ تحقیق کریں کہ کیا یہ چیز واقعی اسلام ہے یا محض اسلام کے نام پر دھوکہ ہے؟ حالاں کہ شروع دور سے ایسا ہوتا رہا ہے کہ اسلام کے نام پر لوگ مسلمانوں کو دھوکہ دیتے رہے ہیں اور بالخصوص اس دور میں مسلمانوں کو دینِ اسلام سے دور کرنے کے لیے یہ حربہ بہت زیادہ استعمال کیا جا رہا ہے، اس لیے اولاً یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جو بھی چیز اسلام کے نام پر آجائے اس کو بلا تحقیق اسلام اور اسلامی چیز نہیں سمجھ لینا چاہیے، بل کہ تحقیق کرنا چاہئے کہ اس کی اصلیت کیا ہے؟ پس جو لوگ ''کیو ٹی وی'' کو بلا تحقیق ''اسلام'' کا نمائندہ سمجھ رہے ہیں، وہ بہت بڑے دھوکہ میں مبتلا ہیں اور اس سے بھی بڑے فراڈ کا وہ لوگ شکار ہیں جو اس کو ''اسلامی ٹی وی'' کا نام دیتے ہیں، اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی ''اسلامی ناچ'' اور ''اسلامی باجا'' کا نام دیکر کسی چیز کو رائج کرے، غور کیا جائے کہ کیا محض ''اسلام'' کا نام دے دینے سے کوئی ناجائز وحرام چیز جائز، اور ''اسلامی'' چیز بن جائے گی؟ اور مباح اور حلال قرار دے دی جائے گی؟

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ ''کیو ٹی وی'' جس کا آپ نے ذکر کیا ہے اس کے بارے میں بہت سے لوگ سوال کرتے رہتے ہیں، اس لیے اس کا جواب قدرے تفصیل سے دیا جاتا ہے:۔

''کیو ٹی وی'' اور دوسرے ''ٹی وی چینل'' میں بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں ہے، جو وجوہِ حرمت دوسرے ''ٹی وی'' چینلوں میں موجود ہیں وہ ''کیو ٹی وی'' میں بھی موجود ہیں، مثلاً:

جاندار کی تصاویر

(۱) جاندار کی تصاویر جن کا حرام ہونا معلوم و مسلم ہے، وہ ''کیو ٹی وی'' میں بھی موجود ہیں۔ تصویر کی حرمت پر چند احادیث لکھتا ہوں تا کہ عبرت ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«دَخَلَ عَلَيَّ رسولُ اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم و في البيتِ قِرامٌ فيهِ صُوَرٌ، فَتَلوَّنَ وجهُه ، ثم تَناوَلَ السِّترَ ، فَهَتَكَه ، ثم قال: إن من أشد الناس عذاباً يوم القيامة الذين يشبهون بخلق اللّٰه.» (۱)

(ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، جب کہ گھر میں ایک باریک پردہ تھا جس میں تصاویر تھیں۔ آپ کا رنگ بدل گیا اور آپ نے اس پردے کو لیا اور پھاڑ ڈالا پھر فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب والوں میں سے وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کی صفتِ تخلیق میں اس کی نقل اتارتے ہیں۔)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَاباً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمُصَوِّرُوْنَ » (۲)

(میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔)

---

(۱) بخاري: ۵۶۴۴ واللفظ له ،مسلم: ۳۹۳۷

(۲) بخاري: ۵۴۹۴ ،مسلم: ۳۹۴۳ ،نسائي: ۵۲۶۹ ،احمد: ۳۲۷۷

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک تصویر ساز کو تصویر سازی کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

«سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي، فَلْيَخْلُقُوْا حَبَّةً، فَلْيَخْلُقُوْا ذَرَّةً . »

(میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو میری (یعنی اللہ کی) طرح تخلیق کرنے لگا (وہ کسی جاندار کو تو کیا پیدا کرے گا) ذرا ایک دانہ یا ایک ذرہ ہی بنا کر دکھا دے۔)(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

« إِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم لَمْ يَكُنْ يَتْرُكُ فِيْ بَيْتِهِ شَيْئاً فِيْهِ تَصَالِيْبُ إِلَّا نَقَضَهُ . »

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کوئی ایسی چیز بغیر توڑے نہیں چھوڑتے تھے جس میں تصاویر ہوں)(۲)

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، آپ سے ایک سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ:

«سَمِعْتُ مُحَمَّداً صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: مَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً فِي الدُّنْيَا كُلِّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْ يَنْفَخَ فِيْهَا وَ لَيْسَ بِنَافِخٍ . » (۳)

(۱) بخاري: ۵۴۹۷، مسلم: ۳۹۴۷، احمد: ۶۸۶۹، ابن ابی شیبہ: ۵/۲۰۰

(۲) بخاري: ۵۴۹۶، ابو داؤد: ۳۶۲۱، احمد: ۲۴۹۴۶

(۳) بخاري: ۵۵۰۶، مسلم: ۳۹۴۶، نسائي: ۵۲۶۳، احمد: ۲۰۵۴

(میں نے محمد ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص دنیا میں کوئی (جاندار کی) تصویر بناتا ہے تو قیامت کے دن اس کو کہا جائے گا کہ اس میں روح ڈال، مگر وہ روح ڈال نہ سکے گا۔)

ان احادیث سے جاندار چیزوں کی تصاویر کی حرمت واضح ہے، اور ''کیو ٹی وی'' میں جاندار کی تصاویر ہوتی ہیں، تو اس کے جائز ہونے کا کیا سوال؟ حرمتِ تصویر، اور ٹی وی کی صورتوں کا اس حکم میں داخل ہونا اور اس سلسلہ میں پیش آنے والے سوالات کا حل و جواب میرے رسالہ ''ٹیلی ویژن اسلامی نقطۂ نظر سے'' میں دیکھا جائے۔

فحش و بے حیائی

(۲) اس 'کیو ٹی وی' میں لڑکیوں اور عورتوں کی تصاویر بھی دکھائی جاتی ہیں، یہ مطلق تصاویر سے زیادہ فساد انگیز ہیں اور شہوانیت کو فروغ دینے والی ہیں اور یہ سب بے حیائی و فحش میں داخل ہے جس کی حرمت میں کسی مسلمان کو شبہ کی گنجائش نہیں۔

گانا بجانا اور قوالی

(۳) قوالی کے نام سے جو گانا بجانا ہوتا ہے، وہ بھی حرام و ناجائز ہے؛ کیوں کہ گانے بجانے پر حدیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں، یہاں صرف ایک حدیث نقل کرتا ہوں:

«عَنْ أبي هريرة رضي الله عنه مَرْفُوْعًا: يُمْسَخُ قَوْمٌ مِّنْ أُمَّتِيْ فِيْ آخِرِ الزَّمَان قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَيَشْهَدُوْنَ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، قَالَ: نَعَمْ

وَيُصَلُّوْنَ وَيَصُوْمُوْنَ وَيَحُجُّوْنَ، قَالُوْا : فَمَا بَالُهُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ اِتَّخَذُوْا الْمَعَازِفَ وَالْقِيْنَاتِ وَالدُّفُوْفَ وَيَشْرَبُوْنَ هٰذِهِ الْاَشْرِبَةَ، فَبَاتُوْا عَلٰى لَهْوِهِمْ، فَاَصْبَحُوْا قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ »

(اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابو نعیم نے حلیۃ الاؤلیاء (۳/ ۱۱۹) میں اور ابن ابی الدنیا نے کتاب الملاھی میں (کمافی نیل الاوطار: ۸۶/۲ وعون المعبود: ۱۱/ ۵۹) اور سعید بن منصور نے سنن میں (کما فی المحلیٰ لابن حزم الظاھری: ۵۶۴/۷) روایت کیا ہے۔)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آخری زمانہ میں میری امت کے کچھ لوگ بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ ہو جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا وہ توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہوں گے؟ فرمایا: ہاں، وہ (برائے نام) نماز، روزہ، اور حج بھی کریں گے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر ان کا یہ حال کیوں ہوگا؟ فرمایا: وہ آلاتِ موسیقی، رقاصہ عورتوں اور طبلہ اور سارنگی وغیرہ کے رسیا ہوں گے اور شرابیں پیا کریں گے (بالآخر) وہ رات بھر مصروفِ لہو ولعب رہیں گے اور صبح ہوگی تو بندر اور خنزیروں کی شکل میں مسخ ہو چکے ہوں گے۔ معاذ اللہ

اس حدیث کی شرح میں بندہ نے اپنی کتاب ’’حدیث نبوی اور دور حاضر کے فتنے‘‘ میں جو لکھا ہے اس کو یہاں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

’’اس حدیث میں ان مسلمانوں کا ذکر کیا گیا ہے جو بظاہر نمازی بھی

ہوں گے، روزہ کے پابند بھی ہوں گے اور حج پر حج بھی کریں گے؛ مگر اسی کے ساتھ گانے بجانے ناچنے نچانے اور ڈھول باجے اور میوزک وموسیقی کے دلدادہ اور شراب کے عادی اور رسیا ہوں گے، ان کو اللہ تعالیٰ خنزیر اور بندر کی شکل میں مسخ کردیں گے، یہ لوگ رات بھر مصروفِ لہو ولعب رہ کر سوئیں گے اور جو صبح اٹھیں گے تو مسخ شدہ اٹھیں گے۔''

اسلام میں گانا بجانا، رقص وناچ حرام ہے اور شراب کا حرام ہونا سب کو معلوم ہے۔ جب لوگ اس کے عادی ہوجائیں گے اور بظاہر نماز روزہ کے پابند اور حج پر حج کرکے نیک نامی حاصل ہونے کے باوجود وہ ان برائیوں میں مبتلا ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو خنزیر اور بندر کی شکل میں تبدیل کردیں گے۔ افسوس کہ آج بہت سے دین دار کہلانے والے اور نمازوں اور روزوں کے پابند اور حج پر حج کرنے والے اور عمرے پر عمرے کرنے والے لوگ بھی اپنے گھروں میں ٹی وی رکھ کر اس کا استعمال گانے بجانے اور فلموں اور ناچ ورقص دیکھنے کے لیے کرتے ہیں اور تقریبوں میں بلا روک ٹوک یہ ساری برائیاں عام ہوچکی ہیں۔ اس طرح بہت سے نوجوانوں اور بوڑھوں میں شراب اور نشہ کی علت پڑی ہوئی ہے اور بالخصوص کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے ہزاروں سے متجاوز نوجوان اس کے عادی ہوچکے ہیں جب کہ اللہ کے رسول علیہ السلام نے ان امور پر اتنی سخت وعید سنائی ہے۔ (۱)

اور یاد رہے کہ قوالی میں اور عام گانے بجانے میں حکم کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں، بل کہ غور کیا جائے تو عام گانوں سے زیادہ قباحت وشناعت قوالی میں ہے؛ کیوں کہ عام گانوں کو لوگ دین نہیں سمجھتے ،اور قوالی کو جو کہ غیر اسلامی بل کہ خلافِ اسلام

(۱) حدیث نبوی اور دور حاضر کے فتنے: ۱۲۳-۱۲۴

چیز ہے، اس کو لوگ دین سمجھتے ہیں اور غیر دین اور خلافِ دین کو دین سمجھنا بدترین جرم ہے، اور یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے یہود و نصاری گمراہ ہوئے۔

جب وجوہِ حرمت اس میں بھی موجود ہیں تو اس کے جائز ہونے کا کوئی سوال ہی سرے سے پیدا نہیں ہوتا، اس لیے یہ ''کیوٹی وی چینل'' بھی ناجائز ہے۔

اور اس پر مستزاد یہ کہ اس میں بعض باتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے یہ ''کیوٹی وی چینل'' اسلام کے لیے اور مسلمانوں کے لیے ایک خطرہ اور فتنہ ہے۔

دین کی بے حرمتی

(۱) اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ 'ٹی وی' تحصیل علم و ادب کا آلہ نہیں، بل کہ عام حالات اور اس کے عمومی استعمال کے لحاظ سے موجودہ دور کا سب سے بڑا آلۂ لہو ولعب ہے؛ کیوں کہ ''ٹی وی'' عموماً تفریح و دل بہلائی، اور فحش و منکر گانے بجانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، اس کے ذریعہ دین اسلام کی اشاعت یا تعلیم، ایک قسم کا دین سے مذاق بن جاتا ہے اور لوگوں میں اس کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی، بل کہ وہ اس کو بھی ایک تفریح و مستی ہی خیال کرنے لگتے ہیں اور دین کا جو اہتمام ہونا چاہیئے وہ بالکل نہیں رہتا۔

یہاں یہ بات ہرگز فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ دین اسلام میں اور دیگر دنیوی مذاہب میں بہت بڑا فرق ہے، دین اسلام بڑا حساس و نازک دین ہے اور دیگر مذاہب بے حس و کثیف ہیں، ان ادیان میں جس طرح چاہے کیا جا سکتا ہے مگر اسلام میں ہر کام اصول و طریقے کے مطابق ہونا چاہیئے۔

یہی وجہ ہے کہ حدیث میں حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿ اِقْرَؤُوْا الْقُرْآنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَ اَصْوَاتِهَا وَ اِيَّاكُمْ وَ لُحُوْنَ اَهْلِ الْكِتَابَيْنِ وَ اَهْلِ الْفِسْقِ . ﴾ (۱)

(قرآن عرب کے لحن ولہجوں میں پڑھواور اہل کتاب یہود ونصاری اوراہل فسق کے لہجوں سے بچو۔)

اس حدیث میں غور طلب بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو اہل کتاب اور اہل فسق کے لب و لہجے میں پڑھنے سے منع کیا ہے، کیوں کہ ان کا جو طریقہ ہے وہ قرآن کی تقدیس کے مناسب وشایان شان نہیں ہے، حالاں کہ اس طرح بھی اسلام کی اور قرآن کی تحصیل بل کہ دعوت وتبلیغ کا امکان موجود ہے۔مگر اس قسم کی تحصیل اور دعوت وتبلیغ کو درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا۔

نیز امام بیہقی نے لکھا ہے:

حمام، بیت الخلا اور گندے مقامات پر قرآن کی تلاوت ترک کر دینا چاہئے، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے سلام کا جواب اس وقت نہیں دیا جب کہ انہوں نے آپ کو پیشاب کرتے وقت سلام کیا تھا، پھر بعد میں ان سے فرمایا کہ "جب تم مجھے اس حال میں دیکھو تو سلام نہ کرنا"، امام بیہقی کہتے ہیں کہ جب پیشاب کرتے وقت سلام کا جواب بھی نہ دینا چاہئے تو اس وقت قرآن کی تلاوت تو اس سے بھی زیادہ مکرم ومعزز ہے۔(۲)

نیز امام بیہقی ہی نے اپنی سند سے بیان کیا ہے:

---

(۱) معجم اوسط : ۷/۱۸۳،شعب الایمان: ۲/۵۴۰

(۲) شعب الایمان: ۲/۵۳۶

حضرت عمر نے ابو موسی کو خط میں لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ شہری لوگوں نے حمام بنا لیے ہیں پس کوئی مسلمان ان میں بغیر پاجامہ کے داخل نہ ہو اور وہاں اللہ کا نام نہ لے جب تک کہ وہاں سے نکل نہ جائے۔(۱)

الغرض دینِ اسلام میں ادب و احترام بہت اہم ہے، اس لیے دین کو بڑے اہتمام سے حاصل کرنے کی تعلیم دی گئی ہے اور آج لوگ غیروں کی دیکھا دیکھی اسلام کو بھی اسی طرح حاصل کرنا چاہتے ہیں جیسے دوسرے مذاہب والے اپنا دین حاصل کرتے ہیں۔ اور علما کو مشورہ بھی دیتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح کرو؛ مگر یہ سب دراصل دین سے اور دین کے مزاج سے ناواقفیت کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس قسم کے آلات کے ذریعہ دین کی اشاعت و خدمت اور تبلیغ و دعوت، دراصل گندگی کے ذریعہ دین کی خدمت و دعوت کے مترادف ہے۔

تحریف دین

(۲) اس میں جو کچھ دکھایا اور دیکھا جاتا ہے، عام لوگ اس کو اسلام اور اسلامی چیز سمجھتے ہیں، جب کہ اس میں متعدد امور سراسر خلافِ شرع ہیں، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ اور یہ بات بہت ہی واضح ہے کہ غیرِ اسلام کو اسلام سمجھنا یا سمجھانا، دین میں تحریف ہے جس کی کوئی ادنی مسلمان بھی اجازت نہیں دے سکتا، چہ جائے کہ معتبر و مستند علما اس کو جائز قرار دیدیں؟

مجہول یا غیر متشرع لوگوں کا بیان و تفسیر

(۳) اس میں بیان و خطاب اور تفسیر کرنے والوں میں سے جو معروف ہیں، ان کا علمی معیار بھی مخدوش ہے اور نظریہ بھی مخدوش ہے، نیز اس میں بہت سے

(۱) شعب الایمان: ۲/۵۳۶

بدعت نواز اور جدت پسند اور آج کل کی زبان میں لبرل مسلمانوں (LIBERAL MUSLIMS) کو اسلام کا نمائندہ بنادیا گیا ہے اور جو غیر معروف لوگ اس میں آتے ہیں، ان کا نہ علمی معیار معلوم اور نہ ان کے نظریات کا پتہ، کہ وہ کون اور کیسے لوگ ہیں، حالاں کہ اسلام میں دین کے سلسلہ میں اس بات کی بڑی اہمیت ہے کہ جن سے دین حاصل کیا جائے وہ علم وعمل اور نظر وفکر کے لحاظ سے صحیح اور قابلِ اعتبار ہوں، اسی لیے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں حضرت ابن المبارک رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ: **الإسناد من الدين، ولولا الإسناد لقال من شاء ما شاء** (سند دین میں سے ہے اور اگر سند کا سلسلہ نہ ہوتا تو ہر کوئی دین میں جو چاہتا کہہ دیتا)(۱)

نیز ان ہی کا قول ہے کہ وہ علی الاعلان فرمایا کرتے تھے کہ عمرو بن ثابت کی حدیث کو چھوڑ دو، کیوں کہ وہ اسلاف کو بُرا بھلا کہتا تھا۔ (۲)

اور امام ابنِ سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا:

> ''پہلے پہلے علما، حدیث کی سند نہیں پوچھتے تھے، لیکن جب فتنہ واقع ہوا تو پھر وہ پوچھنے لگے کہ تمہارے راوی کون ہیں؟ تاکہ راوی اگر اہل سنت میں سے ہے تو اس کی حدیث لی جائے اور اگر اہلِ بدعت میں سے ہو تو اس کی حدیث نہ لی جائے''۔ (۳)

اور حضرت سلیمان بن موسی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: انہوں نے حضرت طاؤس رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ فلاں نے مجھ سے ایسی ایسی حدیث بیان کی تو حضرت

(۱) صحیح مسلم: ۱۲/۱

(۲) صحیح مسلم: ۱۲/۱

(۳) صحیح مسلم: ۱۱/۱،سنن دارمی: ۷۶/۱

طاؤس رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر وہ ثقہ اور قابلِ اعتبار ہے تو اس سے حدیث حاصل کرو۔ (۱)

نیز محدث خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً دونوں طرح سے روایت کیا ہے:

﴿ اِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِيْنٌ، فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَأْخُذُوْنَهٗ . ﴾

(یہ علم تو دین ہے، لہٰذا یہ دیکھ لو کہ تم کس سے دین حاصل کر رہے ہو؟)

اور دارمی اور خطیب نے یہی بات حضرت امام محمد رحمہ اللہ سے بھی نقل کی ہے۔ (۲)

اور حضرت ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اسلاف کا طریقہ یہ تھا کہ وہ جب کسی شخص کے پاس علم حاصل کرنے جاتے تو اس کی نماز اور اس کا طریقہ اور اس کی حالت دیکھتے، پھر اس سے علم حاصل کرتے۔'' (۳)

اسی طرح حضرت ابوالعالیہ رحمہ اللہ جو مشہور محدث ہیں، انہوں نے فرمایا:

''ہم کسی کے پاس علم لینے کو جاتے تو ہم اس کی نماز کو دیکھتے، اگر وہ نماز کو باحسنِ طریق انجام دیتا تو ہم اس کے پاس بیٹھتے، ورنہ واپس چلے آتے۔'' (۴)

اس سے اسلافِ کرام جن پر احادیث کا دارومدار ہے، ان کا حکم اور طرزِ عمل

---

(۱) صحیح مسلم: ۱/۱۲، سنن دارمی: ۱/۷۶

(۲) الجامع لاخلاق الراوی للخطیب: ۱/۱۲۸، سنن دارمی: ۱/۷۶

(۳) سنن دارمی: ۱/۷۶، الجامع لاخلاق الراوی للخطیب: ۱/۱۲۸

(۴) سنن دارمی: ۱/۷۶

معلوم ہوا کہ دین کا علم جن لوگوں سے حاصل کیا جاتا ہے ان کا دین دار، ثقہ و قابلِ اعتبار اور اہلِ سنت میں سے ہونا لازمی ہے اور کج روی اور کج فکری اور بدعات و محدثات سے دور رہنا بھی ضروری ہے اور جب تک اس کی تحقیق نہ ہو، کسی کو دین کا رہبر مان لینا اور اس سے علمِ دین حاصل کرنا دین و ایمان کے لیے خطرہ ہے۔

اب ذرا سوچیے کہ کیا ''ٹی وی'' یا ''کیو ٹی وی'' سے قرآن و حدیث اور دیگر علومِ دینیہ کا حاصل کرنا، اس اصول پر پورا اُترتا ہے؟ کیا اس کے پردے پر آنے والی شخصیات کا علم و عمل، نظر و فکر، تقوی و پرہیز گاری وغیرہ امور میں قابلِ اعتبار و لائقِ اعتماد ہونا مسلم و معروف ہے؟ ظاہر ہے کہ اس اصول پر یہ چیز منطبق نہیں ہوتی۔ منطبق تو کیا ہوتی؛ بل کہ ہمیں یہ ''کیو ٹی وی'' دیکھنے والے بعض لوگوں سے معلوم ہوا کہ اس میں داڑھی کٹے ہوئے اور وضع قطع کے لحاظ سے غیر متشرع لوگ بھی پیش کیے جاتے ہیں اور وہ وعظ و تقریر کرتے ہیں۔

دینی اصطلاحات میں ردو بدل

(۴) اس سلسلے کی ایک بہت ہی خطرناک چیز یہ ہے کہ ''کیو ٹی وی'' میں استخارے کے نام پر فال کھولا جاتا ہے جس کو عربی میں کہانت کہا جاتا ہے اور وہ اسلام میں ناجائز ہے۔ یاد رکھئے کہ یہاں بات صرف یہ نہیں ہے کہ فال کھولا جارہا ہے، بل کہ یہاں ایک خالص غیر اسلامی چیز یعنی ''فال'' (کہانت) کو ایک خالص اسلامی اصطلاح یعنی ''استخارہ'' کا نام دے کر دین میں تحریف کی جارہی ہے، اور لوگ فال کو ''استخارہ'' سمجھ کر اس کو اختیار کر رہے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ''استخارہ'' کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی معاملہ اور مسئلہ ایسا پیش آجائے جو انسان کو متذبذب اور پریشان کردے تو اس سلسلے میں اللہ تعالے

سے روحانی طور پر رہنمائی چاہی جاتی ہے، شریعت نے اس کے لیے ایک دعا بھی بتائی ہے اوراس کی نماز بھی بتائی ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تمام (جائز ومباح) امور میں اس طرح استخارہ کی تعلیم دیتے تھے جیسے قرآن کریم کی سورت سکھایا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ جب بھی تم لوگوں میں سے کسی کو کسی کام کا ارادہ ہو تو اولاً دو رکعت نفل نماز پڑھے پھر یہ دعاء پڑھے اور دعاء میں اپنی حاجت کو ذکر کرے:

« اَللّٰهُمَّ اِنِّی أَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَ تَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ،اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِیْ دِيْنِي وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَةِ أَمْرِیْ [اَوْقال: فِیْ عَاجِلِ أَمْرِيْ وَ آجِلِهٖ] فَاقْدِرْهُ لِي وَ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الأَمْرَ شَرٌّ لِیْ فِیْ دِيْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَةِ أَمْرِیْ [او قال: فِیْ عَاجِلِ أَمْرِیْ وَ آجِلِهٖ] فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِيْ بِهٖ. » (۱)

پھر علما نے فرمایا کہ دعا کے بعد جو بات دل میں آئے اس کو من جانب اللہ سمجھ کر عمل کرے، ان شاء اللہ اسی میں خیر ہوگا۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ''استخارہ'' خالص اسلامی چیز ہے اور اسلام میں اس کا ایک طریقہ بھی بتایا گیا ہے اور اس کی حقیقت کسی جائز معاملہ میں اللہ تعالے سے خیر کا پہلو

(۱) بخاري: ۵۹۰۳، ترمذي: ۴۴۲، ابو داوٗد: ۱۳۱۵، ابن ماجه: ۱۳۷۳، نسائي: ۳۲۰۱، احمد: ۱۴۱۸۰

(۲) فتح الباري: ۱۱/ ۱۸۷

چاہنا اور اس کے لیے اللہ تعالے سے رہنمائی چاہنا ہے۔

اس کے بالکل برعکس فال (کہانت) یہ ہے کہ غیب کی خبریں بیان کی جائیں، جن کی صحت اور صداقت کی کوئی ضمانت نہیں، بل کہ عموماً اس میں جھوٹ اور دھوکہ ہوتا ہے اور ایک سچ کے ساتھ کئی جھوٹ کی ملاوٹ ہوتی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اور ''کہانت'' اسلام میں حرام ہے اور اس پر سخت سے سخت وعیدیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ایک حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ اَتیٰ عَرَّافاً فَسَأَلَهُ عَنْ شَیْءٍ لَمْ یُقْبَلْ لَهُ صَلوٰةُ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً .» (۱)

(یعنی جو شخص عراف یعنی غیب کی باتیں بتانے کا دعوی کرنے والے کے پاس آئے اور اس سے کوئی بات پوچھے تو اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں کی جائیں گی۔)

اور مسندِ احمد کی روایت میں '' فسأله'' کی جگہ '' فصدقه'' آیا ہے۔ (۲)

اس حدیث میں عراف کے پاس جانے اور اس سے سوال کرنے اور پوچھنے پر سخت وعید بیان کی گئی ہے، اور عراف کیا ہے؟ علما نے فرمایا کہ عراف کاہن اور نجومی کو کہتے ہیں اور علامہ خطابی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عراف وہ ہے جو مسروقہ مال اور گم ہوجانے والی چیزوں کی جگہ اور اس جیسی باتوں کے بتانے کا دعوی کرتا ہو۔ (۳)

---

(۱) مسلم: ۴۱۳۷

(۲) مسندِ احمد: ۱۶۰۴۱

(۳) التعلیق الصبیح: ۵/۴۷

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں کہانت اور غیب کی خبروں کا بتانا ناجائز ہے، اور اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

اب غور کیجیے کہ کہاں وہ ''استخارہ'' جس کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی اہمیت بیان کی گئی ہے اور کہاں یہ کہانت جس پر سخت وعید بیان کی گئی ہے؟

''کیو ٹی وی'' میں ''استخارہ'' کا نام دے کر ایک حرام اور ناجائز چیز کو پیش کیا جا رہا ہے اور اس طرح اسلام میں تحریف کی جا رہی ہے، جس کی کسی مسلمان سے کبھی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اب سوچئے کہ کیا اس کی اجازت دی جانی چاہیے یا اس کا مسلمانوں کو بے کاٹ کرنا چاہیے؟

بدعات وخرافات کی ترویج

ان ساری باتوں کے علاوہ ایک بہت ہی اہم اور خاص بات جو ''کیو ٹی وی'' کے بارے میں جان لینے کی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ ایک مخصوص ذہنیت کے حامل لوگوں کی جانب سے جاری کیا گیا ہے جو بدعات وشرکیات اور بزرگان دین کے نام پر دین سے مذاق وتلعب کے عادی؛ بل کہ اس کے پرزور داعی ہیں اور تمام اہل حق کے مخالف اور اہل اللہ کی تعلیمات سے بے نیاز، اس ذہنیت کے حامل لوگوں کی جانب سے اسلام کی جس طرح اور جیسی کچھ نمائندگی ہوسکتی ہے، اس کا اندازہ لگانا کسی بھی اہل حق کے لیے مشکل نہیں، بشرطیکہ وہ واقعی اہل حق ہو۔ اسی لیے سنا جاتا ہے کہ اس کیو ٹی وی میں عام طور پر قوالی اور بزرگان دین کی مزارات کی زیارت وعرس و فاتحہ اور گیارھویں و بارھویں کے مناظر پیش کیے جاتے ہیں اور اس قسم کی بدعات کی ترغیب دی جاتی ہے۔

کیا کیو ٹی وی آلۂ علم و تبلیغ ہے؟

رہا بعض حضرات کا یہ کہنا کہ اس سے ہم کو علم حاصل ہوتا ہے اور بعض کا اس بھی بڑھ کر یہ کہنا کہ یہ آلۂ دعوت و تبلیغ اسلام ہے، تو ان حضرات سے میں پوچھتا ہوں کہ کیا آپ نے علم کے دیگر تمام صحیح اور معتبر ذرائع کو استعمال کر لیا ہے؟ اور اب کیا صرف یہی ایک طریقہ باقی رہ گیا ہے جس سے آپ اب علمِ دین حاصل کرنا اور ذوقِ دین وشوقِ دین پورا کرنا چاہتے ہیں؟ یا یہ کہ علم کے دیگر تمام ذرائع دنیا سے مفقود و ناپید ہو چکے ہیں؟

یادرکھنا چاہیے کہ علمِ دین اور ذوقِ دین تو حاملینِ دین و بزرگانِ دین کی معیت و صحبت اور ان کی خدمت سے حاصل ہوتے ہیں۔

شاعر نے خوب اور سچ کہا ہے ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

جب کتابوں اور وعظوں سے بھی دین پیدا نہیں ہوتا تو ''ٹی وی'' دیکھ کر کیسے دین کا علم اور دین کا ذوق آپ کے اندر پیدا ہو جائے گا؟

آج ایک طبقہ علمِ دین اور ذوقِ دین کے نام پر اسی طرح بھٹک رہا ہے اور ریڈیو، ٹی وی اور کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے ذریعہ عالم و فاضل بن جانا چاہتا ہے، میں پوچھتا ہوں کہ اسی طرح ڈاکٹر اور انجینئر اور مختلف دنیوی علوم کی تحصیل کے لیے ان چیزوں پر کیوں اکتفا نہیں کرتے؟ اور اگر بالفرض کوئی ایسا کرے تو کیا کوئی اس علم کو علم قرار دے گا اور اس پر اعتماد کرے گا؟

آپ واقعی علمِ دین کے شوقین ہیں اور ذوقِ دین اور دین کی تڑپ اپنے اندر

پیدا کرنا چاہتے ہیں تو علما دین اور بزرگانِ دین کی خدمت میں جائیۓ اور فیض اُٹھائیۓ ،اس بے غبارِ شرعی طریقے کو چھوڑ کر اس سوال و جواب کے پیچھے پڑنا کہ ’’ٹی وی‘‘ سے دین حاصل کرنا جائز ہے یا ناجائز ہے یہ ایک شیطانی فریب ہے،جس سے بچ کر رہنا چاہیے۔

اسی طرح ان حضرات سے یہ کہنا چاہوں گا جو اس کو آلۂ دعوت و تبلیغ اسلام قرار دیتے ہیں کہ اس سے کتنے لوگوں نے اسلام کو سمجھا ہے اور کتنے لوگ اسلام میں داخل ہوئے؟

فقط

محمد شعیب اللہ خان

تجاویز

منظور کردہ آٹھواں فقہی اجتماع، بنگلور

”ادارۃ المباحث الفقھیۃ“ جمعیۃ علما ہند کے آٹھویں فقہی اجتماع منعقدہ: ۱۷/۱۸/۱۹/ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۷/۲۸/۲۹/ اپریل ۲۰۰۵ء بمقام مفتیِ اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ ہال، عیدگاہ جدید، ٹیانری روڈ، بنگلور، میں ”ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کا دینی مقاصد کے لیے استعمال“ کے موضوع پر غور وخوض کے بعد درجِ ذیل امور طے کیے گیے۔

(۱) آج ٹیلی ویژن پر زیادہ تر فحاشی، عریانیت، اور مخرب اخلاق پروگراموں کا غلبہ ہے، ۲۴ گھنٹے اس کے مختلف چینلوں پر رقص وسرود اور حد درجہ شرمناک مناظر دکھائے جاتے ہیں۔ پھر ڈِش اینٹینا اور پرائیویٹ کیبل چینلوں نے تو تمام اخلاقی اور انسانی حدوں کو پار کر دیا ہے اور آج ٹی وی زدہ معاشرہ جن شرمناک حرکتوں میں ملوث ہے وہ نا قابلِ بیان ہیں اور جس گھر میں ٹیلی ویژن ہو وہاں کے لوگوں کا اس کے مخرب اخلاق پروگراموں سے بچنا تقریباً محال ہے۔ لہٰذا ٹیلی ویژن گھر میں رکھنا اوراس کے پروگراموں کو دیکھنا ناجائز ہے، جس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

(۲) اسلام میں بلا ضرورت شرعی تصویر کھنچوانا ناجائز ہے۔ لیکن اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ٹیلی ویژن اور دیگر ذرائع ابلاغ پر اعداء اسلام یا شر پسند فرقہ

پرست طاقتوں کی طرف سے کوئی ایسی چیز سامنے آئے جس سے اسلامی عقائد اور احکام و اقدار پر زد پڑتی ہو اور اس کا مناسب جواب نہ دینے سے اسلام کی شبیہ بگڑنے یا مسلمانوں کے نا قابلِ تلافی نقصان کا اندیشہ ہو، تو اس کے دفاع کے لیے ٹیلی ویژن کے کسی پروگرام پر آنے کی ضرورۃً گنجائش ہے۔

(۳) اسلامی ٹی وی چینل قائم کرنے کو اگر چہ موجودہ دور کی ضرورت کہا جاتا ہے لیکن مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد یہ فقہی اجتماع اس نتیجہ پر پہنچا کہ اولاً علیحدہ اسلامی چینل قائم کرنا عملاً مشکل ترین امر ہے؛ اور اگر ایسا چینل وجود میں آ بھی جائے تو اس کے ذریعہ سے فوائد کے مقابلے میں نقصانات کہیں زیادہ ہیں؛ کیوں کہ اس طرح کے چینلوں کو بہانہ بنا کر لوگ ٹیلی ویژن کے فحش پروگراموں تک بآسانی رسائی حاصل کرلیں گے؛ اور دیگر باطل فرقوں کے چینلوں سے اس کا امتیاز بھی دشوار ہوگا۔ نیز عام لوگوں کی دل چسپی کی چیزیں شامل کیے بغیر خالص اسلامی چینل کے ناظرین کی تعداد غیر معمولی حد تک کم ہوگی اور متوقع فوائد حاصل نہ ہوسکیں گے۔ ان وجوہ سے اسلامی چینل قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۴) انٹرنیٹ اس دور میں ایسا معلوماتی ذریعہ ہے جس میں ہر طرح کے اچھے اور برے پروگرام پائے جاتے ہیں، گو کہ آج زیادہ تر اس ذریعہ کو ناجائز اور حرام چیزوں میں استعمال کیا جارہا ہے؛ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس کو اگر شرعی حدود میں رہ کر استعمال کیا جائے، تو منکرات وفواحش سے بچتے ہوئے اس سے عظیم تعلیمی، تجارتی اور انتظامی وغیرہ فوائد حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ اس لیے یہ فقہی اجتماع انٹرنیٹ کے جائز حدود میں استعمال کو جائز قرار دیتا ہے اور اس کے ناجائز استعمال کو ناجائز اور حرام قرار دیتا ہے۔

نوٹ: تمام شرکا نے اس تجویز سے مکمل اتفاق کیا؛ البتہ مفتی اشفاق صاحب (سرائے میر) نے شق ۲ سے جزوی اختلاف کرتے ہوئے یہ نوٹ تحریر کیا کہ ''ٹیلی ویژن پر آنے کی اجازت'' سے مجھے اتفاق نہیں ہے، تجویز ۳ سے تضاد محسوس ہوتا ہے، اور ٹیلی ویژن کے جواز کا دروازہ کھلتا ہے۔

ٹی وی اور ویڈیو

کی تصاویر کا حکم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ٹی وی اور ویڈیو کی تصاویر کا حکم

نوٹ: یہ مضمون دراصل میری کتاب ''ٹیلی ویژن اسلامی نقطۂ نظر سے'' کا ایک ذیلی عنوان ہے جس میں ٹی وی کے پردے پر نظر آنے والی صورتوں کے بارے میں یہ بحث ہے کہ آیا یہ تصویر کے حکم میں ہیں یا عکس کے حکم میں؟ اور چوں کہ آج کل اس میں علما کے مابین بحث و مباحثہ کا بازار گرم ہے؛ لہٰذا مختصر سے اضافے کے ساتھ اس کو یہاں پیش کیا جا رہا ہے اور آخر میں بعض اہم عرب و مصری علما کے اس سلسلے میں فتاوے بھی نقل کئے گئے ہیں، جن میں واضح الفاظ میں ان حضرات نے ''ٹی وی'' اور ''ویڈیو'' کی تصویر کو تصویر مان کر ان کو حرام قرار دیا ہے۔ یاد رہے کہ ہمارے اس مضمون میں بعض جگہ اوپر کے کسی مضمون کا یا اوپر درج کسی حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے، اس سے مراد اصل کتاب ''ٹیلی ویژن اسلامی نقطۂ نظر سے'' میں مذکور حوالہ ہے؛ لہٰذا اس کے لئے اصل کتاب دیکھنا چاہئے۔

''ٹی وی'' کی اسکرین پر دکھائی جانے والی تصاویر کا کیا حکم ہے؟ یہ مسئلہ چوں کہ جدید مسائل کی فہرست میں آتا ہے، اس لیے اس کا حکم صراحت کے ساتھ قرآن وحدیث یا فقہا کے کلام میں نہیں مل سکتا۔

یہاں یہ بات اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ 'ٹیلی ویژن' کے موجودہ پروگراموں

کا اسلامی مزاج کے خلاف ہونا اور اسکی وجہ سے ہزار ہا قسم کے خبائث و برائیوں کا معاشرہ میں پھیل جانا، ایک ایسی بدیہی بات اور واضح حقیقت ہے جس سے انکار دن کے اُجالے میں سورج کے انکار کے مترادف ہوگا؛ اس لیے علما میں سے کوئی بھی اس کی موجودہ حالت کے اعتبار سے اس کے جواز کا فتوی نہیں دیتا۔

لیکن اگر اس کے ذریعہ دینی مقاصد کو بروئے کار لایا جائے اور نیک عمدہ مقصد کے لیے اس کا استعمال کیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ کے حل کے لیے سب سے اہم مسئلہ جس پر اس بحث کا مدار ہے، وہ ''ٹی وی'' کے پردے پر ظاہر ہونے والی صورتوں کا حکم ہے، کہ کیا یہ صورتیں ان تصاویر کے حکم میں ہیں جن کی حرمت احادیث سے ثابت ہے یا یہ کہ یہ عکس کے حکم میں ہیں اور جائز ہیں اور دوسری بحث یہ ہے کہ اگر یہ تصویر کے حکم میں ہیں تو کیا دینی ضرورت کی بنا پر ان کو دینی ودعوتی مقصد کے لیے کام میں لایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ہم اس جگہ صرف پہلے مسئلہ پر گفتگو کریں گے۔

علمائے معاصرین کی آراء

اس بارے میں معاصر علما کے بنیادی طور پر تین نقاطِ نظر ہیں:

۱- اکثر علما کی رائے یہ ہے کہ ''ٹی وی'' کے پردے پر ظاہر ہونے والی صورتیں ''تصاویر'' ہیں، جن کو اسلام میں ناجائز قرار دیا گیا ہے اور متعدد احادیث اس کی حرمت پر دال ہیں۔

۲- علما کا ایک مختصر طبقہ اس کا قائل ہے کہ ''ٹی وی'' کی یہ صورتیں تصاویر تو ہیں؛ مگر وہ تصاویر نہیں جن کو اسلام میں حرام کہا گیا ہے، اس لیے ٹی وی کی تصاویر جائز ہیں، پھر اس جواز کی دلیل میں مختلف توجیہات کی گئی ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے:

’’بعض نے کہا کہ شریعت میں جن تصاویر کو ممنوع قرار دیا گیا ہے،
ان سے مراد وہ تصاویر ہیں جن کی عبادت و پرستش کی جاتی ہے اور جن
کی پرستش نہیں کی جاتی اور وہ محض زیب و زینت کے طور پر رکھی جاتی
ہیں، وہ ممنوع نہیں ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ٹی وی کی تصاویر کی پوجا نہیں
کی جاتی، اس لیے یہ جائز ہیں۔‘‘

بعض لوگوں نے یہ تاویل کی ہے کہ ’’ٹی وی‘‘ کی تصاویر پامال تصاویر کے حکم میں ہیں کیوں کہ ان تصاویر کو کوئی عظمت کی نگاہوں سے نہیں دیکھتا اور پامال ہونے والی تصاویر شرعاً جائز ہیں۔

۳- ایک طبقۂ علما کا خیال ہے کہ ’’ٹی وی‘‘ کی صورتیں تصاویر نہیں ہیں؛ بل کہ وہ عکس ہیں اور اسلام میں عکس ناجائز نہیں ہے، اس لیے ’’ٹی وی‘‘ کی یہ صورتیں جائز ہیں۔ پھر عکس قرار دینے والوں کے مختلف نقاطِ نظر ہیں:

بعض کہتے ہیں کہ ٹی وی کی صورتیں کیمرے کی تصاویر کی طرح ہیں اور کیمرے کی تصاویر بہت سے علما کے نزدیک جائز ہیں، کیوں کہ کیمرے کی تصویر دراصل عکس ہے، جیسے پانی اور آئینے میں عکس پڑتا ہے۔

بعض کا خیال یہ ہے کہ ’’ٹی وی‘‘ کی تصاویر درحقیقت تصاویر نہیں؛ بل کہ وہ محض عکس ہیں؛ مگر کیمرے کی طرح کا عکس نہیں، کیوں کہ یہ ٹی وی کے پردے پر نظر آنے والی صورتیں دراصل برقی ذرات ہیں، جن کا اپنا کوئی مستقل وجود نہیں ہے اور نہ وہ محفوظ ہوتی ہیں جیسے پانی یا آئینہ میں عکس نظر آتا ہے اور اسلام میں عکس ناجائز نہیں ہے، اس لیے ٹی وی کے پردہ پر دکھائی جانے والی تصاویر جائز ہیں۔

بعض معاصر علما نے ٹی وی کی صورتوں میں تفصیل کی ہے کہ جو پروگرام

غیر مباشر (INDIRECT) ہو اس کی صورتیں تو تصاویر کے حکم میں ہیں کہ اس میں پروگرام کو اولاً نگیٹیو (NEGATIVE) کے ذریعہ محفوظ کر لیا جاتا ہے اور وقت پر اس کو نشر کیا جاتا ہے اور جو پروگرام مباشر (DIRECT) ہو اس کی صورتیں عکس کے حکم میں ہیں؛ کیوں کہ اس کی نگیٹیو نہیں بنائی جاتی؛ بل کہ اس کو براہِ راست نشر کیا جاتا ہے اور وہ صورتیں محض برقی ذرات ہوتے ہیں جن کی کوئی اپنی حیثیت نہیں ہوتی۔

مگر ان میں سے راقم الحروف کے نزدیک جمہور علما کا نقطۂ نظر ہی صحیح و درست ہے اور باقی نقاطِ نظر غلط فہمیوں کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں؛ کیوں کہ جمہور کی رائے کے مطابق ''ٹی وی'' کی تصاویر بھی حرمت کے حکم میں داخل ہیں اور ان کے اس سے استثناء کی کوئی دلیل نہیں۔ علما نے جن تصاویر کو حکمِ حرمت سے مستثنیٰ کیا ہے اور وہ بالاتفاق تین اور بالاختلاف چار ہیں، ان میں سے کسی کے تحت ''ٹی وی'' کی تمام تصاویر داخل نہیں، پھر کس بنیاد پر مطلقاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ ٹی وی کی تصاویر حرمت کے حکم سے خارج ہیں؟ ہاں اگر کوئی تصویر بالکل چھوٹی ہو یا سر کٹی ہوئی ہو یا پامال ہو تو وہ جائز ہوگی؛ مگر جیسا کہ ظاہر ہے یہ نہ تو تمام تصاویر کا حکم ہے اور نہ ٹی وی کی تمام تصاویر ایسی ہوتی ہیں؛ بل کہ شاید ایسی ہوتی ہی نہ ہوں۔ اب آیئے ہم ان دلائل کا جائزہ لیں جو جواز کے قائلین نے اس سلسلہ میں بیان کیے ہیں۔

کیا صرف پرستش کی جانے والی تصاویر حرام ہیں؟

ٹی وی کی تصاویر کو جائز قرار دینے والوں کی ایک دلیل یہ ہے کہ اسلام میں صرف وہ تصاویر ناجائز ہیں جن کی پوجا و عبادت کی جاتی ہے اور جو تصاویر محض زینت و خوبصورتی کے لیے رکھی جاتی ہیں وہ جائز ہیں اور چوں کہ ٹی وی کی تصاویر کی پوجا نہیں کی جاتی؛ اس لیے یہ جائز ہیں۔

مگر اہل عقل و دانش پر مخفی نہ ہوگا کہ اس دلیل کو دلیل کہنا ہی غلط ہے؛ بل کہ بجائے خود یہ ایک دعوی ہے جو محتاج دلیل ہے اور اس پر دلیل قائم کرنا ان لوگوں پر لازم ہے۔

پھر احادیث پر سرسری نظر ڈالنے والا بھی اس کو سمجھ سکتا ہے کہ ان حضرات کی یہ بات صحیح و درست نہیں ہے؛ کیوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں پردہ کے اوپر جو تصویر تھی اور اس پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا، وہ تصویر ظاہر ہے کہ عبادت و پوجا کی جانے والی تصویر تو نہیں تھی، (یہ حدیث اصل کتاب میں ہے) کیا کوئی مسلمان اس بات کا قائل ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پردے کی یہ تصاویر پوجا کے لیے تھیں؟ نہیں؛ بل کہ یہ بھی محض زینت وخوبصورتی کے لیے تھیں؛ مگر اس کے باوجود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو گوارا نہیں کیا بل کہ اس پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

کیا یہ دلیل اس بات کے لیے کافی نہیں کہ عبادت کی جائے یا نہ کی جائے، تصویر کا رکھنا ناجائز ہے اور زیب وزینت اور خوبصورتی کے لیے بھی تصاویر کا رکھنا اسلام میں جائز نہیں اور یہ کہ صرف عبادت کی جانے والی تصاویر کو حرام کہنا صحیح نہیں۔

کیا ''ٹی وی'' کی تصاویر پامال ہیں؟

بعض حضرات نے کہا ہے کہ ''ٹی وی'' کی تصاویر پامال تصاویر کے حکم میں ہیں؛ کیوں کہ ان تصاویر کو کوئی عظمت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا، اس لیے حسبِ تصریحِ فقہا اس کی اجازت ہوگی۔

لیکن یہ بات ناقابل قبول ہے؛ کیوں کہ پامال تصاویر فقہا ان کو کہتے ہیں جن کو روندا جائے یا ان کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا جائے جو ان تصاویر کی توہین و تذلیل پر دلالت کرے اور احادیث میں بھی یہی بات ملتی ہے؛ کیوں کہ اللہ کے نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اسی کا حکم دیا تھا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کے لیے فرمایا تھا، جیسا کہ ہم نے اوپر (کتاب ''ٹیلی ویژن اسلامی نقطۂ نظر سے'' میں) ان احادیث کا حوالہ دیا ہے۔

اور یہ بات بالکل واضح ہے اور اس میں کوئی ابہام والتباس بھی نہیں کہ 'ٹی وی' کی تصاویر روندی نہیں جاتیں؛ بل کہ پردے اور اسکرین پر دکھائی جاتی ہیں، جس سے ان کی عظمت شان کا مظاہرہ ہوتا ہے، اگر چہ ان کو عظمت سے نہ دیکھا جائے، مگر اس سے مسئلہ میں کوئی فرق نہیں آتا، کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پردے پر جو تصویر لٹکائی تھی، عظمت کی وجہ سے انہوں نے لٹکائی تھی؟ اور کیا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو منع کیا وہ صرف اس لیے منع کیا تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تصویر کو عظمت سے لٹکایا تھا؟ کیا یہ دعویٰ کرنا صحیح ہوگا؟ ہرگز نہیں ہیں؛ کیوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی کیسے یہ امید کرسکتا ہے کہ انہوں نے تصویر کو عظمت کی بنا پر لٹکایا تھا؛ مگر اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ پامال تصاویر کا مطلب یہ نہیں کہ عظمت نہ کی جائے: بل کہ مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ ایسا رویہ بھی اختیار نہ کیا جائے، جس سے ان کی عظمت ظاہر ہوتی ہو اور غور کیجئے کہ کیا ''ٹی وی'' کی تصاویر میں ان کی عظمت کا پہلو، علی وجہ الاتم' موجود نہیں ہے؟ اور کیا اس کی تصاویر کو شان وشوکت سے دکھایا نہیں جاتا؟ اور کیا اس رویہ اور سلوک سے ان کی شان ظاہر نہیں ہوتی؟ پھر کس طرح یہ بات صحیح ہوسکتی ہے کہ ''ٹی وی'' کی تصاویر پامال تصاویر ہیں؟

کیا ''ٹی وی'' کی صورتیں عکس ہیں؟

جو علما ''ٹی وی'' کی صورتوں کو تصاویر نہیں بلکہ عکس مانتے ہیں، ان میں تین قسم

کے لوگ ہیں، ایک وہ جو ٹی وی کی صورتوں کو کیمرے کی تصویر پر قیاس کرتے ہیں، دوسرے وہ جو 'ٹی وی' کی تصویر کو مطلقاً ''برقی ذرات'' سے بنا ہوا ایک عکس مانتے ہیں اور تیسرے وہ ہیں جو اس میں تفصیل کرتے ہیں اور راست نشریہ کو عکس اور بالواسطہ نشریہ کو تصویر کے حکم میں مانتے ہیں۔اب ہم یہاں پر ان میں سے ہر ایک کا جائزہ لیتے ہیں۔

ٹی وی اور کیمرے کی تصویر

ان میں سے بعض نے ''ٹی وی'' کی صورتوں کو کیمرے کی تصویر مان کر اس کو آئینہ یا پانی کے عکس کے مشابہ قرار دیا ہے اور اس بنا پر ان کو جائز قرار دینے کی کوشش کی ہے، اور اس کے جواز کے لیے بہت سے علماء کی طرف اس کے جواز کا قول منسوب کیا ہے، مگر یہ بات صحیح نہیں:

ایک تو اس لیے کہ کیمرے کی تصویر کو پانی کے عکس کی طرح ماننا بداہۃً غلط ہے؛ کیونکہ پانی یا آئینہ کا عکس اولاً تو ناپیدار ہوتا ہے؛ جب تک شیء ان کے مقابل ہے اس وقت تک وہ نظر آتا ہے اور جب ان کے سامنے سے وہ شئ ہٹالی جائے تو اس کا عکس بھی ختم ہو جاتا ہے۔اور اس کے برخلاف ''ٹی وی' کی صورتیں اس قبیل سے نہیں ہیں۔لہٰذا مطلقاً ''ٹی وی'' کی تصویر کو عکس قرار دے کر اس کو جائز کہنا صحیح نہیں ہو سکتا، اور اس کی دلیل ہم عنقریب بیان کریں گے۔

دوسرے اس لیے کہ کیمرے کی تصویر کو بھی اکثر علماء نے ناجائز ہی کہا ہے اور جمہور کی طرف سے جواز کے قائلین کے استدلالات کا مدلل جواب بھی دیا گیا ہے، اس لیے ان کے قول یا فتوے سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔اور نہ صرف علما ہند نے جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے بلکہ علما عرب و مصر نے بھی اسی نقطۂ نظر کو اختیار کیا ہے۔

چنانچہ شیخ علامہ عبد اللہ بن عقیل رحمہ اللہ جو ملک عبد العزیز رحمہ اللہ کے زمانے

میں ریاض میں عہدۂ قضا وافتا پر مامور رہے، اور بہت بڑے علامہ مانے جاتے تھے، ان سے سوال کیا گیا کہ مجسمہ کی تصویر اور شمسی تصویر میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب آپ نے یہ دیا:

" ولا فرق أن تكون الصورة مجسدةً أو غيرَ مجسدةٍ ، وسواء أُخِذَتْ بالآلة أو بالأصباغ والنقوش أو غيرها لعموم الأحاديث ، و من زعم أن الصورة الشمسية لا تدخل في عموم النهي ، وأن النهي مختصٌّ بالصورة المجسمة وبما له ظل فهذا تفريق بغير دليل "

(اس میں کوئی فرق نہیں کہ تصویر مجسم ہو یا غیر مجسم ہو اور خواہ وہ آلہ سے لی جائے یا رنگوں اور نقوش وغیرہ سے بنائی جائے ؛ کیوں کہ احادیث ان سب کو عام وشامل ہیں اور جس نے یہ خیال کیا کہ شمسی تصویر منع کے حکم میں داخل نہیں اور یہ کہ منع ہونا مجسم صورت اور سایہ دار تصویر کے ساتھ خاص ہے تو یہ تفریق بغیر دلیل ہے۔)(۱)

اسی طرح شیخ علامہ عبدالرزاق العفیفی رحمہ اللہ جو کبھی مصر کی "جامعة الازهر" یونیورسٹی میں استاذ تھے۔ اور بعد میں سعودی حکومت میں "اللجنة الدائمة" میں مفتی کے عہدے پر فائز رہے انھوں نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے:

" أما التصوير الشمسى لذوات الأرواح فهو محرم و ممنوع ، لأن فيه مضاهاة لخلق الله ولأن فاعله من أظلم الناس الخ."

(۱) فتاوی الشیخ عبداللہ بن عقیل:۲/۵۵۰

(رہی جاندار کی شمسی تصویر تو وہ حرام وممنوع ہے، کیوں کہ اس میں اللہ کی تخلیق سے مشابہت ونقالی ہے اوراس لیے بھی کہ اس کام کو انجام دینے والا ظالم لوگوں میں سے ہے۔)(۱)

اور سعودی عرب کے معروف ادارے ''**اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء**'' سے بھی متعدد فتاوی میں یہی بات کہی گئی ہے، مثلاً: ایک سوال کیا گیا ہے کہ فوٹوگرافی کی تصویر شمسی کیا ہاتھ سے بنائی ہوئی تصویر کے حکم میں داخل ہے؟ جب کہ بعض نے کہا ہے کہ اس میں صرف ایک بٹن دبانا ہوتا ہے، اور ہاتھ سے کوئی کام نہیں ہوتا؛ لہٰذا جائز ہے۔ اوراس شخص نے کویت کے ایک رسالہ میں آپ کی تصویر بھی چھپی ہوئی دکھائی، تو کیا ہم اس کو دلیل جواز سمجھیں؟ اور متحرک تصاویر جیسے ٹیلی ویژن کی تصویر دیکھنے کا کیا حکم ہے؟

اس کے جواب میں ''**اللجنة الدائمة**'' نے کہا:

''التصوير الفوتوغرافي الشمسي من أنواع التصوير المحرم ، فهو والتصوير عن طريق النسيج والصبغ بالألوان والصور المجسمة سواء في الحكم والاختلاف في وسيلة التصوير وآلته لا يقتضي اختلافا في الحكم، وظهور صورتي في مجلتي المجتمع والاعتصام مع فتواي في أحكام الصيام ليس دليلا على إجازتي التصوير ، ولا على رضاي به فإني لاأعلم بتصويرهم لي''

(شمسی تصویر بھی حرام تصویروں کی ایک قسم ہے، پس یہ تصویر اور بُنی

(۱) فتاوی الشیخ عبد الرزاق العفیفی:۲۱۱

جانے والی اور رنگی جانے والی اور ہاتھ سے بنائی جانے والی تصویر سب برابر ہے، تصویر سازی کے وسیلہ اور آلہ کا مختلف ہونا حکم میں اختلاف کا تقاضا نہیں کرتا، اور میرے حرمت کے فتوے کے باوجود میری تصویر کا مجلّہ ''**المجتمع**'' اور ''**الاعتصام**'' میں شائع ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ میں نے اجازت دی یا میں اس سے راضی ہوں؛ کیوں کہ مجھے ان کے تصویر لینے کا کوئی علم ہی نہیں ہے۔)(۱)

پھر جن حضرات نے شمسی تصویر کو جائز کہا تھا ان میں سے بعض بڑی شخصیات نے اپنے فتوے سے رجوع بھی کرلیا ہے، جیسے حضرت مولانا سید سلیمان ندوی اور امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ وغیرہ۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ نے اپنے رسالہ ''**کشف السجاف عن وجه فوتو غراف**'' میں اس قسم کے دلائل کا مفصل جائزہ لیا ہے، اس میں کیمرے کی تصویر کو عکس قرار دینے کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''دوسری دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ فوٹوگرافی درحقیقت عکاسی ہے، جس طرح آئینہ، پانی اور دوسری شفاف چیزوں پر عکس اُتر آتا ہے اور اس کو کوئی گناہ نہیں سمجھتا اسی طرح فوٹو کے شیشہ پر مقابل کا عکس اُتر آتا ہے اور فرق صرف یہ ہے کہ آئینے وغیرہ کا عکس پائیدار نہیں رہتا اور فوٹو کا عکس مسالہ لگا کر قائم کرلیا جاتا ہے، ورنہ فوٹوگرافر اعضا کی تخلیق وتکوین نہیں کرتا۔ اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ ان حضرات نے فوٹو کی تصویر کو آئینہ، پانی وغیرہ کے عکس پر قیاس کیا ہے،

(۱) فتاوی اللجنة الدائمة: ۱/۴۶۳، رقم الفتوی: ۳۳۷۴

یعنی جس طرح آئینے کے عکس میں حرمت کی کوئی وجہ نہیں ایسے ہی فوٹو کی تصویر بھی ایک عکس ہے، پھر اس کو کیوں حرام کیا جائے؟‘‘

لیکن اگر ذرا تامل سے کام لیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ قیاس اصولِ قیاس کے قطعاً خلاف ہے اور ایک عالم کی شان اس سے بہت اعلیٰ ہونی چاہئے کہ وہ ایسی ظاہر الفرق چیزوں میں فرق نہ کرے اور ایک پر دوسرے کا حکم نافذ کر دے، فوٹو کی تصویر اور آئینے وغیرہ کے عکس میں چند نمایاں فرق ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ا-سب سے بڑا فرق تو یہی ہے جس کو خود یہ حضرات بھی تسلیم کرتے ہوئے ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں:

’’فرق صرف یہ ہے کہ آئینے وغیرہ کا عکس قائم اور پائیدار نہیں رہتا اور فوٹو کا عکس مسالہ لگا کر قائم کر لیا جاتا ہے‘‘۔

مگر وہ اس فرق کو قلیل سمجھ کر نظر انداز کرنا چاہتے ہیں، حالاں کہ یہی فرق تصویر اور عکس میں ما بہ الامتیاز ہے، عکس جس وقت تک مسالہ لگا کر پائیدار نہ کر لیا جائے اس وقت تک وہ عکس ہے اور جب اس کو مسالے کے ذریعے سے پائیدار اور قائم کر لیا جائے وہی عکس عکس کی حدود سے نکل کر تصویر بن جاتا ہے؛ کیوں کہ عکس، صاحبِ عکس کا ایک عرض ہے جو اس سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آئینہ، پانی وغیرہ میں جب تک کہ ذی عکس انکے مقابل رہتا ہے اس وقت تک عکس باقی رہتا ہے اور جب وہ ان کے محاذات سے ہٹ جائے تو عکس بھی اس کے ساتھ چل دیتا ہے۔ دھوپ میں آدمی کھڑا ہوتا ہے اور اس کا عکس زمین پر پڑتا ہے؛ مگر اس کا وجود آدمی کے تابع ہوتا ہے، جس طرف یہ چلتا ہے عکس بھی اس کے ساتھ چلتا ہے، زمین کے کسی خاص حصہ پر اس کا قائم اور پائیدار ہونا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کسی مسالہ یا نقش

اور رنگ کے ذریعہ سے اس کی تصویر نہ کھینچ لی جائے۔

حاصل یہ ہے کہ عکس جب تک کہ مسالہ وغیرہ کے ذریعہ سے پائیدار نہ کرلیا جائے اس وقت تک وہ عکس ہے اور جب اس کو کسی طریقے سے قائم و پائیدار کرلیا جائے تو وہی تصویر بن جاتا ہے۔

اور عکس جب تک عکس ہے نہ شرعاً اس میں کوئی حرمت ہے اور نہ کسی قسم کی کراہت، خواہ وہ آئینہ، پانی یا کسی اور شفاف چیز پر ہو یا فوٹو کے شیشہ پر اور جب اپنی حد سے گزر کر تصویر کی صورت اختیار کرے گا، خواہ وہ مسالہ کے ذریعہ سے ہو یا خطوط ونقوش کے ذریعہ سے اور خواہ یہ فوٹو کے شیشہ پر ہو یا آئینہ وغیرہ شفاف چیزوں پر، اس کے سارے احکام وہی ہوں گے جو تصویر کے متعلق ہیں۔

غرض یہ کہ مسالہ لگا کر پائیدار کرنے سے پہلے پہلے صورت کا عکس فوٹو کے شیشہ پر بھی ایسا ہی حلال اور جائز ہے جیسے آئینہ، پانی وغیرہ میں، اور مسالہ لگا کر آئینہ وغیرہ شفاف چیزوں پر بھی عکس کو پائیدار کرلینا ایسا ہی حرام و ناجائز ہے جیسا کہ فوٹو کے آئینہ پر۔

آج اگر کوئی مسالہ ایسا ایجاد کیا جائے کہ جب اس کو آئینہ پر لگایا جائے تو اس کے مقابل صورت اس میں قائم ہو جائے یا کوئی شخص اس صورت کو قلم وغیرہ سے آئینہ پر نقش کردے تو یقیناً اس آئینہ کی صورت کا وہی حکم ہوگا جو تمام تصاویر کا ہے۔

۲- دوسرا فرق آئینے وغیرہ کے عکس اور فوٹو کی تصویر میں یہ بھی ہے کہ آئینے کے عکس میں مشابہت کفار لازم نہیں آتی اور فوٹو میں لازم آتی ہے، یا پانی وغیرہ میں چہرہ دیکھنا کفار کا خاص شعار نہیں؛ بل کہ رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم سے بھی ثابت ہے اور فوٹو کا دیواروں وغیرہ میں لگانا عموماً کیتھولک اور دیگر تصاویر پرست فرقۂ کفار

کے عمل کے مشابہ ہے۔

۳-ایک فرق یہ بھی ہے کہ عرف میں آئینے وغیرہ کے عکس کو کوئی تصویر نہیں کہتا اور فوٹو کو تصویر کہا جاتا ہے، اس لیے فوٹو کے احکام تصویر کے احکام ہونا چاہئے نہ عکسِ آئینہ کے۔

یہ تین نمایاں فرق ہیں جو فوٹو کی تصویر کو آئینے وغیرہ کے عکس سے ممتاز کر دیتے ہیں، اس لیے فوٹو کی تصویر کو آئینے کے عکس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہوگا جو شرعاً وعقلاً مردود ہے۔ (۱)

ان تین کے علاوہ بعض حضرات نے کچھ اور فرق بھی ان میں بتائے ہیں، مثلاً عکس کے لیے کسی مصور کی ضرورت نہیں ہوتی؛ بل کہ عکس تو خود ہی بلا مصور کے ظاہر ہوتا ہے، اس کے برخلاف تصویر مصور کی محتاج ہوتی ہے، جب کوئی مصور تصویر کشی کرے گا تو وہ وجود میں آتی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کیمرے میں بھی اور ٹی وی میں بھی مصور کی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ تصویر کے حکم میں ہیں۔

ایک فرق یہ ہے کہ عکس میں کسی فتنہ، فساد اور شرک کا اندیشہ نہیں، جب کہ تصویر میں ان سب امور کا خدشہ ہے، اور نہ صرف خدشہ؛ بل کہ ان کا وقوع بھی مشاہد ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ کیمرے کی تصویر بھی اسلام میں ناجائز ہے جس طرح کہ وہ تصویر جو ہاتھ سے بنائی جاتی ہے۔ اور جب ان کا حرام ہونا ثابت ہوگیا تو ''ٹی وی'' کی تصاویر کا حکم بھی معلوم ہوگیا کہ وہ بھی ناجائز ہیں؛ کیوں کہ ''ٹی وی'' کی تصاویر کو بھی اس دلیل سے جائز کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس کی بنیاد پر کیمرے کی تصاویر کو جائز قرار دینے کی کوشش کی گئی تھی اور اس دلیل کا حشر دیکھ لیا گیا اور جواز کی کوئی اور دلیل ہے نہیں؛ اس لیے یہ بھی ناجائز ہے۔

---

(۱) آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام: ۱۴۱-۱۴۴

''ٹی وی'' اور برقی ذرات

جو حضرات ''ٹی وی'' کی صورتوں کو مطلقاً خواہ براہ راست نشر کی جائیں یا بالواسطہ نشر کی جائیں، عکس مانتے ہیں اور ان صورتوں کو ''برقی ذرات'' کا ایک مرتب مجموعہ قرار دیتے ہیں، وہ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ ''ٹی وی'' کے پردے پر محض ''برقی ذرات'' کا ایک تسلسل ہوتا ہے، جو دیکھنے والے کی آنکھوں کو تصویر کی شکل میں نظر آتا ہے، ورنہ وہاں حقیقت میں کوئی تصویر نہیں ہوتی، ان حضرات نے اس قسم کی تصاویر کو پانی اور آئینہ کے عکس پر قیاس کیا ہے، کہ جس طرح یہ جائز ہے اسی طرح ''ٹی وی'' کی تصویر بھی 'عکس' ہونے کی وجہ سے جائز ہونا چاہیے۔

مباشر وغیر مباشر پروگرام کا حکم؟

اور جو حضرات ''ٹی وی'' کے پروگراموں میں مباشر وغیر مباشر کی تفریق کے قائل ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ مباشر پروگرام میں چوں کہ پہلے سے کوئی فلم اور نگیٹیو نہیں بنائی جاتی؛ اس لیے اس پر دکھائی جانے والی تصاویر عکس کے حکم میں ہیں اور غیر مباشر پروگرام میں چوں کہ اولاً فلم اور نگیٹیو بنائی جاتی ہیں، پھر اسی کی مدد سے پروگرام نشر کیا جاتا ہے، اس لیے ''ٹی وی'' کی صورتوں کو بھی اسی کا حکم دیتے ہوئے تصاویر قرار دیا جائے گا۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی زید مجدہم نے لکھا ہے:

> ''ٹی وی'' پر ذی روح کی تصویر اگر نگیٹیو لینے کے بعد اس کے ذریعہ نشر کی جائے تب تو اس کا حکم تصویر کا ہے۔ اور اگر براہِ راست اس طرح ٹیلی کاسٹ کیا جائے کہ فلم بنائی ہی نہ جائے تو یہ عکس ہے اور اس وقت درست ہے جب کسی خاتون کو سامنے نہ لایا جائے اور نہ غیر اخلاقی

مقاصد کے لیے اس کا استعمال کیا جائے۔"(۱)

مذکورہ دلائل کا جائزہ

مگر یہ بات ایک اندازہ وتخمینہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی اور تحقیق کے عمل سے گزرنے کے بعد یہ بات واضح ہوجائے گی کہ "ٹی وی" کی صورتوں کو محض عکس قرار دینا اوراس کے مباشر وغیر مباشر پروگراموں میں فرق کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس کی تفصیل وتحقیق یہ ہے کہ "ٹی وی" پر جو بھی پروگرام نشر کیا جاتا ہے، یہ کیمرے (CAMERA) ہی کی مدد سے کیا جاتا ہے اور کیمرا "ٹی وی" کی صنعت کاری کے لیے سب سے زیادہ اہم خدمت گار کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ کیمرے وہی ہوتے ہیں جو عام اسٹوڈیو (STUDIO) میں استعمال کیے جاتے ہیں۔

آر.آر.گلاٹی نے جو "ٹیلی ویژن انجینیر نگ" کے موضوع پر متعدد کتابوں کا مصنف ہے، اس سلسلہ میں لکھا ہے:

The Studio camera is the work-horse of the television industry (Modern Television Practice, p: 33)

(اسٹوڈیو میں استعمال ہونے والا کیمرا "ٹیلی ویژن صنعت" کے لیے بہت زیادہ معین ومددگار اوراہم ہے)

اور یہ کیمرا پہلے کسی بھی منظر کو (جسے ٹی وی پر لانا ہوتا ہے) Lens لینس کے ذریعہ اپنے اندراُتارتا ہے اور بالکل اسی طرح جیسے عام فلم میں الٹی تصویر (Inverted image) اُتاری جاتی ہے، پھر کیمرے میں موجود اس تصویر کو

---

(۱) جدید فقہی مسائل:۱/۳۵۰

ایک دوسرے عمل سے گزارا جاتا ہے جس کو (Scanning process) کہا جاتا ہے، اس میں یہ ہوتا ہے کہ کیمرے کی تصویر کو ایک ٹیوب کی مدد سے 'برقی ذرات' (Electric signals) یا 'برقی لہروں' میں تبدیل کیا جاتا ہے؛ کیوں کہ ''ٹی وی'' کے پردے پر کیمرے کی تصویر براہِ راست منتقل نہیں ہو سکتی، اس لیے اس تصویر کو اس قابل بنانے کے لیے کہ وہ ''ٹی وی'' کے پردے پر نظر آ سکے، ضروری ہے کہ اس کو 'برقی ذرات' میں تبدیل کیا جائے اور یہ عمل بڑی تیز رفتاری کے ساتھ اس طور پر ہوتا ہے کہ تصویر کا ایک ایک جزء ''ٹی وی'' کی اسکرین پر 'برقی ذرہ' کی شکل میں منتقل ہوتا ہے اور یہ تمام برقی اجزا مل کر ایک مکمل تصویر معلوم ہوتے ہیں اور یہ عمل ایک سکینڈ میں کئی کئی دفعہ دہرایا جاتا ہے تاکہ وہ تصویر اس قابل بن جائے کہ نظر آ سکے۔

یہ تفصیل ہم نے متعدد ''ٹیلی ویژن انجینیر نگ'' کی کتابوں سے لی ہے، آر. آر. گلاٹی کی (Modern Televesion Practice) اور اسی مصنف کی دوسری کتاب (Monochrome and Colour Television) اور آروند، یم ڈھاکے کی (Television Ingineering) ان تمام کتابوں میں یہ تفصیل موجود ہے، اب اس پر غور کرنا چاہئے کہ اس سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ اس سے چند امور پر روشنی پڑتی ہے:

۱- ایک تو اس بات پر کہ ٹیلی ویژن کے پردے پر نظر آنے والے مناظر دو مرحلوں سے گزارے جاتے ہیں، ایک مرحلہ میں وہ کیمرے میں تصویر کی شکل میں اُتارے جاتے ہیں، اور دوسرے مرحلے میں ان کو scanning کے ذریعہ برقی ذرات میں تبدیل کیا جاتا ہے۔

۲- دوسرے اس بات پر کہ یہ 'scanning' (اسکیننگ) کا کام نہایت تیز

رفتاری کے ساتھ ہوتا ہے اور ایک سیکنڈ میں متعدد دفعہ اس مرحلے سے تصویر کو گزارا جاتا ہے، جس کی وجہ سے ممکن ہے کہ تصویر کا کیمرے میں اُتارا جانا محسوس نہ کیا جائے۔

۳- ایک بات یہ بھی اس سے معلوم ہوتی ہے کہ ''ٹیلی ویژن'' کے لیے استعمال کیے جانے والے کیمرے اسی قسم کے ہوتے ہیں جو 'اسٹوڈیو' میں استعمال کیے جاتے ہیں اور وہی کام بھی وہ انجام دیتے ہیں جو 'اسٹوڈیو' کے کیمروں کا کام ہے۔

۴- ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ ان کیمروں کے ذریعہ جو تصویر لی جاتی ہے وہ فلم کی طرح اُلٹی ہوتی ہے جس کو اسکین (Scan) کر کے اس قابل بنایا جاتا ہے کہ وہ منظر کشی کے کام آئے۔

یہ تمام امور وہ ہیں جو اوپر دی ہوئی تفصیلات سے واضح طور پر معلوم ہوتے ہیں اور ''ٹیلی ویژن ٹکنالوجی'' سے متعلق کتابوں میں مذکور ہیں۔

اب اس پر غور کیجیے کہ جو صورتیں 'ٹی وی' کے پردے پر ظاہر ہوتی ہیں، وہ بہر صورت ''ٹی وی کیمرے'' کی مدد اور اس کے واسطے ہی سے ظاہر ہوتی ہیں اور وہ کیمرے اولاً منظر اور سین کی اُلٹی تصویر (Inverted image) اُتارتے ہیں، پھر اسکیننگ کے ذریعہ اس کو 'برقی ذرات' میں تبدیل کر کے اس کا 'سیدھا عکس' پردے پر اُبھارا جاتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کیمرے میں اُتاری جانے والی تصویر محض عکس نہیں ہوتا، بل کہ وہ تصویر ہوتی ہے؛ کیوں کہ وہ بھی اگر 'عکس' ہی ہوتا تو پھر اس کو اسکیننگ کا واسطہ بنانے کی کوئی ضرورت ہی نہ ہوتی، بل کہ سین اور منظر کو اس کے بغیر ہی اسکین کر کے پردے پر لایا جا سکتا؛ مگر ایسا نہیں ہے بل کہ تصویر کو اسکیننگ کا واسطہ بنایا جاتا ہے، معلوم ہوا کہ کیمرے میں محض برقی ذرات

نہیں بل کہ تصویر ہوتی ہے جس کو اسکین کیا جاتا ہے۔

اس وضاحت سے یہ بات آشکارا ہوگئی کہ، ٹی وی' کے پردے پر نظر آنی والی ہر صورت دراصل 'کیمرے کی تصویر' کا عکس ہوتا ہے؛ مگر یہ عکس، تصویر کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے؛ اس لیے جو حکم ذریعہ کا ہوگا وہی اس سے حاصل ہونے والی چیز کا بھی ہوگا، اسی لیے باتفاق علما یہ بات طے ہے کہ 'فلم' کی تصویر حرام ہے کیوں کہ 'فلم' بھی اگرچہ پردے پر نظر آنے والی صورت کے لحاظ سے عکس ہے؛ مگر اس لحاظ سے کہ اولاً کیمرے میں اس کی تصویر اُتاری جاتی ہے اور اسی تصویر کو اس 'فلم' کا ذریعہ بنایا جاتا ہے، وہ تصویر کے حکم میں ہے؛ اس لیے علما نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ لہٰذا ''ٹی وی'' کے پردے پر اُبھرنے والی صورت بھی اسی کے مثل ہے، اس لیے یہ بھی تصویر ہی ہے اور اس لیے ناجائز ہے۔

ٹی وی کی صورتوں کو عکس قرار دینا صحیح نہیں

اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ''ٹی وی'' پر پروگرام خواہ براہِ راست نشر کیا جائے یا بالواسطہ نشر کیا جائے، ہر صورت میں کیمرے کی تصویر، اس کے لیے لازم ہے اور اس کے بغیر کوئی پروگرام نشر نہیں کیا جا سکتا، اس لیے جس طرح 'فلم' کی تصویر کو علما نے اس وجہ سے ناجائز کہا ہے کہ یہ تصویر اور نگیٹیو کے واسطے سے نشر کی جاتی ہے اور تصویر ہی کے حکم میں ہے، اسی طرح ''ٹی وی'' کی صورت کو بھی تصویر ہی کے حکم میں مانا جائے گا۔

مباشر و غیر مباشر پروگرام میں فرق؟

اب رہا یہ سوال کہ اگر تصویر ہر صورت میں لازم ہے اور اس کے بغیر کوئی پروگرام نشر نہیں کیا جا سکتا تو پھر مباشر اور غیر مباشر پروگرام میں کیا فرق ہے؟ اس کا

جواب یہ ہے کہ غیر مباشر (Indirect) نشر ہونے والے پروگرام میں کیمرے کی تصویر کو نگیٹیو کی شکل میں محفوظ کرلیا جاتا ہے اور مباشر (Direct) نشر ہونے والے پروگرام میں اس تصویر کو محفوظ نہیں رکھا جاتا۔ مگر اس سے اصل مسئلہ پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا؛ کیوں کہ محفوظ ہونے اور محفوظ رہنے میں کوئی فرق مسئلہ کے لحاظ سے نہیں ہے؛ اس لیے کہ تصویر کیمرے میں ایک منٹ کے لیے اتاری جائے یا ایک گھنٹہ کے لیے یا اس سے کم یا زیادہ وقت کے لیے، حکم کے لحاظ سے اس میں کوئی فرق نہیں، بہ ہر حال دونوں باتیں ناجائز ہیں اور علما نے تصریح کی ہے کہ تصویر سازی مطلقاً حرام ہے۔

غرض یہ کہ ''ٹی وی'' کی صورتیں تصویر ہی کے حکم میں ہیں، خواہ نگیٹیو (Negative) لینے کے بعد نشر کی جائیں یا بغیر اس کے راست طور پر نشر کی جائیں۔ الحاصل ''ٹی وی'' کے پردے پر آنے والی صورتیں محض عکس نہیں؛ بل کہ یہ تصاویر ہیں، جن کا بنانا اور دیکھنا حرام و ناجائز ہے۔

تصویر ہونے کی واضح دلیل

اوپر کی تفصیل سے ایک بات واضح ہوگئی، وہ یہ کہ 'ٹی وی' کے کیمرے سے جو تصویر اُتاری جاتی ہے، وہ مباشر و غیر مباشر دونوں ہی قسم کے پروگراموں میں محفوظ ہوتی ہے، فرق صرف بعد میں اس کے محفوظ رکھنے اور نہ رکھنے کا ہے، کہ غیر مباشر میں کیمرے سے تصویر کو نگیٹیو کی شکل میں محفوظ رکھا جاتا ہے اور مباشر میں محفوظ نہیں رکھا جاتا اور اس کی دلیل کہ ہر پروگرام محفوظ ہوتا ہے، یہ ہے کہ راست نشریہ میں بھی بسا اوقات کسی مصلحت و ضرورت سے دوبارہ اسی منظر کو دکھایا جاتا ہے یعنی (replay) کیا جاتا ہے، اگر راست نشر ہونے والا پروگرام محفوظ نہ ہوتا تو پھر یہ کیوں کر ممکن ہوا

کہ اسی پہلے منظر کو دوبارہ نشر کیا جائے؟

میں نے متعدد لوگوں سے اس سلسلہ میں معلومات حاصل کیں اور سب نے یہ بتایا کہ میچ وغیرہ بعض راست نشریوں میں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی ضرورت یا مصلحت سے دوبارہ پہلے منظر کو لوٹایا جاتا ہے، مثلاً کسی کھلاڑی کے ناکام ہونے کی وجوہات واسباب پر روشنی ڈالنے کے لیے دوبارہ گزرا ہوا منظر دکھایا جاتا ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ راست طور پر نشر کیے جانے والے پروگرام بھی محفوظ ہوتے ہیں، ورنہ اس کا کوئی امکان نہیں کہ آنے جانے والے عکس کو دوبارہ نشر کیا جا سکے۔ اس سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جو ٹی وی کی صورتوں کو راست نشریہ کی صورت میں عکس مانتے ہیں، کیوں کہ عکس، منظر کے سامنے نہ ہونے کی صورت میں دکھائی نہیں دیتا؛ مگر یہاں تو دکھائی دے رہا ہے، پھر وہ کیسے عکس ہو گیا؟

دوسری دلیل

نیز ایک اور دلیل ''ٹی وی'' کی صورتوں کے تصویر ہونے کی یہ ہے کہ عرفِ عام میں اس کو تصویر ہی کہا اور مانا جاتا ہے، اسی طرح ''ٹی وی'' کی ٹکنالوجی پر لکھی گئی کتابوں میں بھی اس کو عام طور پر { picture } یعنی 'تصویر' کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔ اور ایسے معاملات میں عرف بھی ایک دلیل کا کام کرتا ہے۔

چناں چہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے کیمرے کی تصویر کے عکس نہ ہونے اور تصویر ہونے پر ایک استدلال یہ بھی کیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

> ''عرف میں آئینے وغیرہ کے عکس کو کوئی تصویر نہیں کہتا اور فوٹو کو تصویر کہا جاتا ہے؛ اس لیے فوٹو کے احکام تصویر کے احکام ہونا چاہئے

نہ کہ عکسِ آئینہ کے۔‘‘(۱)

معلوم ہوا کہ عرف بھی اس سلسلہ میں ایک دلیل کی حیثیت رکھتا ہے اور حضرات علما نے اس سے استدلال کیا ہے؛ لہٰذا اس اصول پر اگر ’’ٹی وی‘‘ کی صورتوں کو پرکھا اور دیکھا جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی صورتیں بھی تصویر ہی ہیں، کیوں کہ عرفِ عام میں سب لوگ اس کو تصویر ہی کہتے اور سمجھتے ہیں۔

مفتی تقی عثمانی زیدمجدہم کے نظریہ کا جائزہ

اس موقعہ پر یہ ذکر کردینا بھی مناسب ہوگا کہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے بھی اسی نظریہ کو اختیار کیا ہے، کہ ’’ٹی وی‘‘ کی صورتیں براہ راست نشر ہونے کی شکل میں عکس کے حکم میں اور فلم بنانے کے بعد اس کے واسطے سے نشر ہونے کی صورت میں تصویر کے حکم میں ہیں اور اسی بنیاد پر آپ نے راست پروگرام کو جائز اور اس کی صورتوں کو تصویر سے خارج قرار دیا ہے اور فلم کے ذریعہ نشر کیے جانے والے پروگرام کو ناجائز اور ان صورتوں کو تصویر کے حکم میں قرار دیا ہے۔

چناں چہ آپ نے ’’تکملۂ فتح الملھم‘‘ میں یہ سوال قائم کرتے ہوئے کہ کیا ’’ٹی وی‘‘ کو تصویر کی بنا پر حرام قرار دیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ لکھا ہے:

’’فإن لهٰذا العبد الضعيف فيه وقفةً، وذلك لأن الصورة المحرمة ماكانت منقوشةً أومنحوتةً بحيث يصح لها صفة الاستقرارعلى شيءٍ، وهى الصورة التي كان الكفار يستعملونها للعبادة، أما الصورة التي ليس لها ثبات و استقرار، وليستْ منقوشةً على شيءٍ بصفة دائمة

(۱) آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام: ۱۴۱-۱۴۴

فإنها بالظل أشبه منها بالصورة ، ويبدو أن صورة التلفزيون و الفيديو لاتستقر على شيء في مرحلةٍ من المراحل إلا إذا كان في صورة "فيلم". فإن كانت صور الانسان حيةً بحيث تبدو على الشاشة في نفس الوقت الذي يظهر فيه الإنسان أمام الكيمرا فإن الصورة لا تستقر على الكيمرا و لا على الشاشة ، وإنما هى أجزاء كهربائية تنتقل من الكيمرا إلى الشاشة وتظهر عليها بترتيبها الأصلي ثم تفنى وتزول."

(اس عبد ضعیف کو اس میں توقف ہے اور یہ اس لیے کہ حرام تصویر وہ ہے جو نقش کی گئی ہو یا تراشی گئی ہو اس طرح کہ وہ کسی چیز پر ثابت ومحفوظ ہو جائے اور وہ ایسی تصویر ہے جس کو کفار عبادت کے لیے استعمال کیا کرتے تھے۔ رہی وہ تصویر جس کو قرار وثبات نہیں ہے اور وہ علی صفۃ الدوام کسی شئ پر منقوش نہیں ہے تو وہ تصویر سے زیادہ عکس کے مشابہ ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ "ٹیلی ویژن" اور "ویڈیو" کی تصاویر کسی بھی مرحلہ میں ثابت ومستقر نہیں ہوتیں مگر اس وقت جب کہ فلم کی شکل میں ہوں، پس اگر انسانوں کی تصاویر اس طرح راست نشر ہوں کہ وہ پردے پر اسی وقت میں ظاہر ہوں جس وقت انسان کیمرے کے سامنے ظاہر ہو تو وہ صورت نہ تو کیمرے میں مستقر ومحفوظ ہوتی ہے اور نہ پردے پر ثابت ہوتی ہے، بس وہ تو برقی ذرات ہیں جو کیمرے سے اسکرین کی جانب منتقل ہوتے ہیں اور پردے پر اپنی اصلی ترتیب

کے مطابق ظاہر ہوتے ہیں اور پھر فنا وزائل ہو جاتے ہیں۔"(۱)

اسی طرح آپ نے اپنے"درسِ ترمذی"میں"ٹی وی" پر پیش کیے جانے والے پروگراموں کو تین قسموں پر تقسیم کیا ہے:

۱- پہلے تصویر بنائی جائے اور پھر اس کو"ٹی وی" پر پیش کیا جائے، یہ ناجائز ہے۔

۲- جس میں فلم کا واسطہ نہ ہو؛ بل کہ وہ براہ راست ٹیلی کاسٹ کی جائے، یہ عکس ہے، اس کو تصویر قرار دینے میں آپ کو تامل ہے؛ بل کہ آپ اس کو تصویر کے حکم سے خارج مانتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ عکس کسی جگہ ثابت اور مستقر علی صفۃ الدوام نہیں ہے اور تصویر وہی ہے جو علی سبیل الدوام ثابت و مستقر ہو۔

۳- ویڈیو کیسٹ کے ذریعہ دکھایا جائے۔ یہ بھی عکس ہے، اس کو بھی تصویر قرار دینا مشکل ہے۔

اور آپ نے اس کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ جو چیز ویڈیو کیسٹ میں محفوظ ہوتی ہے وہ صورت نہیں ہوتی؛ بل کہ وہ برقی ذرات ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر ویڈیو کیسٹ کی ریل کو خوردبین لگا کر بھی دیکھا جائے تو اس میں تصویر نظر نہیں آتی۔(۲)

مگر احقر کو حضرت مولانا دامت برکاتہم کے اس کلام میں کئی وجہ سے کلام ہے، جسے میں یہاں بالترتیب پیش کرتا ہوں اور میں حضرت والا کی خدمت میں باادب یہ گزارش کرتا ہوں کہ اپنی اس رائے پر نظر ثانی فرمائیں۔

۱- ایک تو اس وجہ سے کہ مولانا محترم نے جو یہ فرمایا کہ"حرام تصویر وہ ہے جو منقوش (نقش کی ہوئی) ہو یا منحوت (تراشی ہوئی) ہو" اس میں آپ نے ممنوع

---

(۱) تکملۂ فتح الملہم: ۱۶۴/۴

(۲) دیکھو: درسِ ترمذی: ۳۵۱/۵-۳۵۲

تصویر کو صرف دو صورتوں میں منحصر کر دیا ہے، حالاں کہ بات ایسی نہیں ہے؛ کیوں کہ منقوش و منحوت کے ساتھ وہ تصویر بھی ناجائز ہے جو مدہون (رنگ کی ہوئی) یا منقور (کھدی ہوئی) ہو یا منسوج (بُنی ہوئی) ہو۔

چناں چہ امام ابن حجر رحمہ اللہ عسقلانی نے فرمایا:

" ویستفاد منه أنه لافرق بین أن تکون الصورة لهاظل أو لا، و لا بین أن تکون مدهونةً أو منقوشةً أو منقورةً أو منسوجةً." (۱)

معلوم ہوا کہ صرف دو ہی صورتوں میں حرام تصویر منحصر نہیں ہے؛ بل کہ اس کی اور بھی شکلیں علما نے بیان کی ہے؛ اس لیے صرف دو شکلوں میں حرام تصویر کو منحصر کرنا صحیح نہیں، الا یہ کہ ہم مولانا موصوف کے کلام میں تاویل سے کام لیتے ہوئے یوں کہیں کہ مولانا نے منقوش کے لفظ سے ان ساری شکلوں کو مراد لیا ہے۔

۲- دوسرے اس وجہ سے کہ مولانا موصوف نے فرمایا کہ "یہی منقوش و منحوت تصاویر ہیں جن کو کفار عبادت کے لیے استعمال کرتے تھے، اس لیے ممنوع وہی تصویر ہوگی جو منحوت یا منقوش ہو" مگر یہ بات بھی محل نظر ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے کفار تو صرف منحوت (تراشے ہوئے بت) کی پوجا کرتے تھے، اُس دور میں منقوش کی پوجا نہیں ہوتی تھی، اور اسی وجہ سے مصری علما اور بعض دیگر حضرات نے کیمرے کی تصویر کے بارے میں جواز کا قول کیا ہے کہ اُس دور میں کفار اس قسم کی تصویر کی پوجا نہیں کرتے تھے؛ بل کہ وہ تو ہاتھوں سے بت تراش کر ان کی عبادت کرتے تھے۔ ہاں بعد کے ادوار میں کفار میں اور بالخصوص ہندی اقوام

(۱) فتح الباري: ۱۰/۳۹۰

میں اس کا بھی رواج ہو گیا کہ نقش کی ہوئی اور کیمرے سے لی گئی تصاویر کی بھی عبادت کرنے لگے۔

پس اگر مولانا کا منشأ اس عبارت سے یہ ہے کہ اُس دور میں کفار جس تصویر کی عبادت کرتے تھے، حرام صرف اسی قسم کی تصویر ہے تو اُس دور میں صرف تراشیدہ بت پوجے جاتے تھے اور نقش کی ہوئی تصاویر کی پوجا نہیں کی جاتی تھی؛ اس لیے صرف تراشیدہ تصویر ہی حرام ہونا چاہیئے، حالاں کہ یہ بات جمہور علما کے خلاف ہے اور خود حضرت مولانا بھی اس کے قائل نہیں ہیں۔

اور اگر یہ مراد ہے کہ غیر اللہ کی عبادت و پرستش کا ذریعہ بننے والی تصویر حرام ہے، خواہ وہ منحوت ہو یا منقوش ہو، تب تو یہ بات صحیح ہے؛ لیکن تصاویر کو صرف دو شکلوں میں منحصر کرنے کی بات غلط ہو جاتی ہے؛ کیوں کہ جس طرح کسی زمانے میں تراشیدہ بت شرک کا ذریعہ بنے ہوئے تھے اور اس لیے تصویر کو حرام قرار دیا گیا، اسی طرح بعد میں منقوش تصویر بھی ذریعۂ شرک بن گئی۔ اور یہ بھی خارج از امکان نہیں کہ 'ٹی وی' کی صورتوں کو بھی کفار ذریعۂ بت پرستی بنالیں؛ لہٰذا اس کو خارج قرار دینے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

دوسرے علاقوں کا حال تو مجھے نہیں معلوم، البتہ ہمارے یہاں آج کل کفار نے ایک ایسی شکل کو بھی ذریعۂ شرک بنالیا ہے کہ اس سے قبل اس کا شاید تصور بھی نہ کیا جاسکتا ہو، وہ یہ کہ بجلی کے قمقموں (لائٹوں) کو جوڑ کر اور ترتیب دے کر اس سے بتوں اور باطل معبودوں کی شکل بناتے ہیں اور ان کو عید میں (اپنی عادت کے مطابق) گلی کوچوں میں گھماتے ہیں۔ اس میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر ان قمقموں کو الگ الگ کر کے دیکھا جائے تو کوئی صورت نہیں ہوتی؛ بل کہ وہ تو صرف قمقمے ہوتے

ہیں، ان کو یہ لوگ بالترتیب جوڑ دیتے ہیں جس سے ایک شکل سی بن جاتی ہے؛ مگر اس کے باوجود میں نہیں سمجھتا کہ کوئی عالم تو عالم، معمولی دین کا علم رکھنے والا بھی اس قسم کی تصویر کو جائز سمجھتا ہو۔

اس سے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حرام تصویر جو پوجا کے لیے استعمال کی جاتی تھی، وہ کبھی تو صرف تراشیدہ بت تھے اور بعد میں نقش کی ہوئی اور کیمرے سے لی گئی تصاویر بھی پوجی جانے لگیں، حالاں کہ اس سے قبل وہ پوجی نہیں جاتی تھیں؛ مگر علما نے ان کو بھی ناجائز ہی قرار دیا تھا، اسی طرح ابھی میں نے ہمارے علاقوں میں رائج شکل کا ذکر کیا ہے، اس سے قبل اس کا کوئی تصور تک نہیں کیا جاسکتا تھا؛ لیکن اب وہ بھی رائج ہے؛ مگر اس کے رواج سے قبل بھی اگر اس صورت وشکل کا سوال اُٹھایا جاتا تو اس کو بھی حرام ہی کہا جاتا۔

اسی طرح ''ٹی وی'' کے پردے پر آنے والی صورت کو یہ کہہ کر حرمت کے حکم سے کیوں کر خارج کیا جاسکتا ہے کہ یہ تصویریں کفار میں پوجی نہیں جاتیں؟ آج اگر نہیں پوجی جاتیں تو ہوسکتا ہے کہ کل ان کی بھی عبادت و پوجا کی جائے اور یہ بعید از امکان نہیں ہے۔ آج اس دور ترقی میں کیا کیا نہیں ہو رہا ہے، اگر ٹی وی کو اس طرح مندروں اور کفار کی عید برات میں رکھا جائے کہ اس پر ان کے باطل خداؤں کی تصاویر آتی جائیں اور مشرکین و کفار ان کی پوجا کرنے لگیں، تو کیا یہ ناممکن اور خارج از امکان ہے؟

کیا قادیانی فرقہ کے لوگ اپنی عبادت گاہوں میں ''ٹی وی'' رکھ کر اپنے امام کا خطبہ نہیں سن رہے ہیں اور اس کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھ رہے ہیں؟ اگر یہ ہوسکتا ہے تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کفار اپنی مندروں میں ''ٹی وی'' کے ذریعہ اپنے معبودانِ

باطلہ کی پوجا و پرستش کا کوئی سلسلہ قائم کردیں۔

الغرض تصویر خواہ فی الحال پوجی جاتی ہو یا اس کے پوجے جانے کا امکان ہو، دونوں ہی اسلام میں ناجائز ہیں، لہٰذا حضرت مولانا کا یہ فرمانا کہ صرف منحوت یا منقوش تصاویر ہی وہ ہیں جن کی کفار عبادت کیا کرتے تھے، اس لیے ''ٹی وی'' کی تصاویر اس قبیل کی نہیں، اس لیے یہ جائز ہیں، خالی از اشکال نہیں؛ بل کہ قابلِ اشکال ہے۔

۳-تیسرے اس لیے کہ ہم نے اوپر یہ ثابت کیا ہے کہ ہر پروگرام میں ''ٹیلی ویژن'' ٹکنالوجی کے لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ اولاً اس کو کیمرے میں اُتارا جائے اور پھر اس کو اسکرین پر دکھانے کے قابل بنانے کے واسطے ''الیکٹریکل سگنل'' میں تبدیل کیا جائے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تصویر تو وہاں بھی ضرور ہوتی ہے اور برقی کیمرے کے ذریعہ ہی اس کو بھی لیا جاتا ہے اور خود مولانا موصوف بھی اس کے قائل ہیں کہ برقی کیمرے سے لی جانے والی تصویر بھی ممنوع تصویر ہی کے حکم میں ہے۔ اور ہم نے یہ بھی واضح کردیا ہے کہ راست نشریہ میں بھی یہ تصویر محفوظ ہوتی ہے اور اسی لیے اس کا (Replay) کرنا ممکن ہوتا ہے۔

رہا حضرت مولانا کا یہ کہنا کہ ''ٹی وی'' کی تصاویر 'علی صفة الدوام' ثابت نہیں ہوتیں اور ''تصویر وہی ہے جو علی صفة الدوام ثابت و مستقر ہو''، یہ بات صحیح نہیں ہے؛ بل کہ یوں کہنا چاہئے کہ ''تصویر وہ ہے جس کا علی صفة الدوام ثابت رکھنا ممکن ہو، چاہے وہ ثابت رکھی جائے یا نہ رکھی جائے'' اور میں اوپر کہہ آیا ہوں کہ 'ٹی وی' کی تصویر اولاً کیمرے میں اُتاری جاتی ہے اور وہ محفوظ بھی ہوتی ہے اور اس لیے اس کا (Reply) کرنا ممکن ہوتا ہے، پھر اس کو اسکین کیا جاتا ہے اور اس قابل بنایا جاتا ہے کہ وہ ''ٹی وی'' کے پردے پر نظر آسکے، پھر اس تصویر کو اگر باقی رکھنا چاہتے ہیں

تو اس کی فلم بنالی جاتی ہے اور اگر محفوظ نہ رکھنا چاہیں تو اس کی فلم نہیں بنائی جاتی، مگر اس سے اس تصویر کے تصویر ہونے پر کیا اثر پڑتا ہے؟

اگر مولانا کی یہ بات تسلیم کرلی جائے تو اس سے وہ تمام تصاویر جائز ہو جانی چاہئیں، جو 'علی صفۃ الدوام' نہ بنائی جائیں، مثلاً ایک شخص تفریح میں جاتا ہے اور وہاں اپنی تصویر لیتا یا کھنچواتا ہے؛ مگر بعد میں اس کو ضائع کر دیتا ہے، تو کیا محض اس لیے کہ یہ 'علی صفۃ الدوام' نہیں بنائی گئی، اس تصویر سازی کی اجازت دی جائے گی؟

نہیں؛ بل کہ یوں کہا جائے گا یہ بھی ناجائز ہے اور اس لیے ناجائز ہے کہ اگرچہ 'علی صفۃ الدوام' نہیں بنائی گئی، مگر 'علی صفۃ الدوام' اس کا ثابت رکھنا ممکن ہے۔ اسی طرح 'ٹی وی' کی تصاویر 'علی صفۃ الدوام' ثابت و مستقر نہ ہونے کے باوجود ان کا 'علی صفۃ الدوام' باقی و ثابت رکھنا ممکن تو ہے، اس لیے یہ بھی ناجائز ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ کیمرے کی تصویر تو 'علی صفۃ الدوام' ہوتی ہی ہے، اس لیے وہ تو ناجائز ہے مگر ''ٹی وی'' کی تصاویر 'علی صفۃ الدوام' نہیں ہوتیں، تو عرض ہے کہ یہ بات بجائے خود غلط ہے اور ہم نے اوپر اس کو ثابت کیا ہے کہ ''ٹی وی'' کی ہر تصویر جو اس کے کیمرے میں اُتاری جاتی ہے وہ 'علی صفۃ الدوام' ہوتی ہے اور اسی لیے اس کا دوبارہ دکھانا ممکن ہوتا ہے، ہاں اس کے بعد اس کو ثابت و باقی رکھنا یا نہ رکھنا، یہ الگ بات ہے؛ اس لیے اس میں اور کیمرے کی تصویر میں بنیادی طور پر کوئی قابلِ لحاظ فرق نہیں ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ حضرت مولانا کو کسی چیز کے 'علی صفۃ الدوام' نہ ہونے اور 'علی صفۃ الدوام' باقی نہ رہنے میں اشتباہ ہو گیا، 'علی صفۃ الدوام' نہ ہونا تو یہ ہے کہ فی الحال اس میں ثابت و باقی رہنے کی صلاحیت نہ ہو، جیسے آئینے یا پانی کے عکس میں یہ بات

نہیں ہوتی اور اسی لیے یہ عکس ہے اور جائز ہے اور 'علی صفۃ الدوام' باقی نہ رہنا یہ ہے کہ فی الحال تو اس میں باقی رہنے کی صفت ہے کہ اگر چاہے تو اس کو باقی رکھا جا سکتا ہے؛ مگر باقی رکھا نہیں جاتا، مثلاً ضائع کر دیا جاتا ہے، تو یہ عکس نہیں ہے؛ بل کہ تصویر ہے کیوں کہ پائیدار ہے اور اس لیے یہ ناجائز ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ دو باتیں نہ واقعہ کے لحاظ سے یکساں ہیں اور نہ حکم کے لحاظ سے یکساں ہیں؛ مگر حضرت نے ان دونوں کو یکساں خیال فرما لیا؛ اس لیے ایک کا حکم دوسری جگہ بیان فرما دیا۔

اس کے علاوہ حضرت مولانا کی یہ بات جمہور علما و فقہا کے بھی خلاف ہے کیوں کہ مالکیہ کے مشہور قول میں اور شافعیہ کے نزدیک ایسی تصویر بنانا بھی ناجائز ہے جو 'علی صفۃ الدوام' نہ ہو، مثلاً گوندھے ہوئے آٹے میں یا حلوے یا کسی پھل کے چھلکے وغیرہ میں اگر تصویر بنائی جائے جو عام طور پر باقی نہیں رہتی، تو ان حضرات کے نزدیک یہ بھی ناجائز ہے۔

چناں چہ "الموسوعة الفقهية" میں ہے:

" للمالكية قولان في الصور التي لاتُتَّخَذُ للإبقاء كالتي تُعْمَلُ من العجين ، وأشهر القولين المنع ، وكذا نقلهما العدوى ، وقال: إن القول بالجواز هو لأصبغ ، ومثّل له بما يُصْنَعُ من عجين أو قشر بطيخ، لأنه إذا نشف تقطع ، وعند الشافعية : يحرم صنعها ولايحرم بيعها ، ولم نجد عند غيرهم نصاً في ذلك." (۱)

(۱) الموسوعة الفقهية: ۱۲/۱۱۱-۱۱۱۲

(مالکیہ کے ان تصاویر کے بارے میں دو قول ہیں جو باقی رکھنے کے لیے نہ بنائی جائیں، جیسے وہ صورتیں جو گوندھے ہوئے آٹے سے بنائی جاتی ہیں، ان کا مشہور قول منع ہی کا ہے اور ان دونوں اقوال کو علامہ عدوی نے بھی نقل کیا ہے اور فرمایا کہ جواز کا قول امام اصبغ کا ہے اور ایسی تصویر کی مثال یہ بیان کی جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے یا تربوز کے چھلکے سے بنائی جائے؛ کیوں کہ جب وہ سوکھ جاتا ہے تو وہ تصویر بھی ٹوٹ جاتی ہے، باقی نہیں رہتی، اور شوافع کے نزدیک اس قسم کی تصاویر کا بنانا حرام ہے، بیچنا حرام نہیں، اور ہم نے اس بارے میں ان حضرات کے علاوہ دوسروں کی تصریح نہیں پائی۔)

اس میں بتایا گیا ہے کہ تصویر صرف وہی نا جائز نہیں ہے جو 'علی صفۃ الدوام' بنائی جائے؛ بل کہ اگر 'علی صفۃ الدوام' نہ ہو تب بھی مالکیہ کے مشہور قول میں اور شافعیہ کے نزدیک نا جائز ہے اور مالکیہ میں سے صرف امام اصبغ اس کے جواز کے قائل ہیں اور اگر چہ علمائے حنفیہ وحنابلہ کی اس سلسلہ میں کوئی تصریح نہیں ملی؛ لیکن ان کے اصول پر بھی یہی بات ہونا چاہیے؛ کیوں کہ ان حضرات کے نزدیک بھی تصویر سازی مطلقاً حرام ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر علما کے حوالے اس سلسلہ میں پیش کیے ہیں۔

الغرض تصویر خواہ 'علی صفۃ الدوام' بنائی جائے یا 'علی صفۃ الدوام' نہ بنائی جائے بہ ہر صورت وہ نا جائز ہے۔

۴- چوتھے اس وجہ سے کہ ویڈیو کی تصاویر کے بارے میں مولانا موصوف کا یہ کہنا کہ یہ تصاویر نہیں؛ کیوں کہ اس میں صورت محفوظ نہیں ہوتی؛ بل کہ برقی ذرات ہوتے ہیں، یہ بھی محل تامل ہے۔

اس لیے کہ یہ دلیل اگر مان لی جائے تو پھر کیمرے کی تصاویر کو بھی حرمت کے حکم سے مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے؛ کیوں کہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ کیمرے میں بسا اوقات اس قدر باریک قسم کی تصاویر لی جاتی ہیں کہ صورت وشکل واضح نہیں ہوتی؛ بل کہ عام طور پر بھی جو تصاویر لی جاتی ہیں ان کو کیمرے کی ریل میں دیکھنا چاہیں تو آنکھ وناک کا کوئی نقشہ معلوم نہیں ہوتا اور مخصوص شخص کو پہچانا نہیں جا سکتا، تو کیا اس بنا پر (کم ازکم نگیٹیو کی حد تک) کیمرے کی تصاویر کو جائز قرار دیا جائے گا، کہ کیمرے میں ان صورتوں کا کوئی واضح نقشہ نہیں محسوس ہوتا؟ کیوں کہ حضرت مولانا کی اس دلیل سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ تصویر اسی وقت تصویر ہے جب کہ اس کے آلہ میں بھی وہ اسی طرح نظر آئے جس طرح آلہ سے باہر نظر آئے، حالاں کہ یہ بات خود ایک دعویٰ ہے جو محتاجِ دلیل ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

۵- پانچویں اس لیے کہ اصل چیز جس کو دیکھنا ہے وہ نتیجہ اور مقصد ہے، نہ کہ ذرائع ووسائل؛ کیوں کہ ذرائع ووسائل کچھ بھی ہوں، ان کی مستقل کوئی اہمیت نہیں، اصل یہ دیکھنا ہے کہ وہ چیز جو ان ذرائع سے حاصل کی جا رہی ہے وہ کیا ہے؟ اس اصول پر 'ویڈیو' کے بارے میں یہ کہنا کہ ''اس میں برقی ذرات ہوتے ہیں اور اس میں دوربین سے بھی دیکھا جائے تو اس میں کوئی تصویر نہیں ملے گی، اس لیے اس کی تصویر تصویر نہیں'' نہایت ہی قابل تعجب بات ہے؛ کیوں کہ جب 'ویڈیو' کو چلایا جاتا ہے تو اس میں جو نظر آتا ہے وہ آخر اس کے اندر ہی تو تھا جو اب باہر نظر آ رہا ہے؟ اگر اس میں پہلے سے یہ نہیں تھا تو کہاں سے اب آ گیا؟ معلوم ہوا کہ اس میں یہ محفوظ تھا مگر دوسری شکل میں تھا اور وہی محفوظ چیز اب باہر اسکرین پر نظر آ رہی ہے، اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ذرائع ووسائل کیسے بھی ہوں اور اس میں جس طریقے سے چاہے

کام کیا جائے، اس سے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا، جیسا کہ سب کو معلوم ہے۔

"فتاوی اللجنة الدائمة" میں ایک سوال کے جواب میں کہا گیا ہے اور اس فتوے پر چار حضرات علما کے دستخط ہیں:

شیخ علامہ عبدالعزیز ابن باز، شیخ عبدالرزاق عفیفی، شیخ عبداللہ بن غدیان اور شیخ عبداللہ بن قعود رحمہم اللہ، فتوے میں ہے کہ:

"وليس التصوير الشمسي مجرد انطباع، بل عمل بآلة ينشأ عنه الانطباع فهو مضاهاة لخلق اللّٰه بهذه الصناعة الآلية ، ثم النهي عن التصوير عام ، لما فيه من مضاهاة خلق الله ، والخطر على العقيدة والأخلاق ، دون نظر إلى الآلة والطريقة التي يكون بها التصوير." (۱)

ایک مصری عالم شیخ ابوذر قلمونی رَحِمَهُ اللهُ نے اپنی کتاب "فتنة تصوير العلماء والظهور في القنوات الفضائية" میں اسی شبہ کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

" ان التفريق بين الصور التي ورد تحريمها في النصوص وبين هذه الصور بأن هذه "موجات الكترونية" تفريق بوصف ملغي لا اعتبار لها في الشرع لأن الشرع علق الحكم على وصف المضاهاة ، فهو الوصف المؤثر في الحكم ، أما طريقة مضاهاة الصورة فهو وصف طردي لم يتعرض له الشارع." (۲)

(۱) فتاوى اللجنة الدائمة: ۱/۴۶۶، رقم الفتوى: ۴۵۱۳

(۲) فتنة تصوير العلماء: ۴۶

اور خود حضرت مولانا نے اس بات کو کیمرے کی تصویر کے بارے میں تسلیم کیا ہے، چناں چہ آپ نے ''تکملۂ فتح الملهم'' میں فرمایا:

''والواقع أن التفريق بين الصُوَرالمرسومة والصُوَر الشمسية لاينبغي على أصل قوى ، ومن المقرّر شرعاً أن ما كان حراماً أوغير مشروع في أصله لايتغير حكمه بتغير الألة ، فالخمرحرام سواء خُمِّرَتْ باليد أو بالماكينيات الحديثة ، والقتل حرام سواء باشره المرء بسكّين أوبإطلاق الرصاص، فكذلك الصورة قد نهى الشارع عن صنعها و اقتنائها، فلافرق بينما كانت الصورة قد اتخذت بريشة المصور أو بآلات الفوتوغرافية.''

''یعنی واقعہ یہ ہے کہ ہاتھ سے بنائی جانے والی تصویر اور عکسی تصویر کے مابین فرق کرنا کسی قوی اصول پر مبنی نہیں ہے اور یہ بات شرعاً طے ہے کہ جو چیز اصل اعتبار سے حرام یا غیر مشروع ہے اس کا حکم آلات کے بدل جانے سے نہیں بدلتا، مثلاً شراب حرام ہے، خواہ ہاتھ سے بنائی جائے یا جدید مشینوں کے ذریعہ بنائی جائے اور قتل حرام ہے خواہ آدمی چھری سے اس کو انجام دے یا بندوق کی گولی سے، اسی طرح تصویر ہے کہ شارع نے اس کو بنانے اور رکھنے سے منع فرمایا ہے، پس اس میں کوئی فرق نہیں کہ تصویر، تصویر بنانے والے کے قلم سے بنائی جائے یا فوٹوگرافی کے آلات سے بنائی جائے۔'' (۱)

(۱) تکملۂ فتح الملهم: ۱۶۳/۴

حضرت مولانا موصوف نے اس عبارت میں جو بات ارشاد فرمائی ہے، بعینہٖ وہی بات ''ٹی وی'' اور ''ویڈیو'' کی تصویر پر بھی صادق آتی ہے؛ کیوں کہ ان میں بھی تصویر ہوتی ہے اور وہ 'الکٹرانک آلات' کے واسطے سے 'ٹی وی' کے پردے پر ظاہر ہوتی ہے، تو اس واسطے اور آلہ کے بدل جانے سے حکم میں کوئی فرق نہ ہونا چاہئے۔

اسی طرح مولانا کا یہ فرمانا کہ ویڈیو میں تصویر محفوظ نہیں ہوتی، صحیح نہیں ہے؛ بل کہ محفوظ ہوتی ہے اور اسی وجہ سے موقعہ پر اس کو دیکھا جاسکتا ہے، چاہے اس کے محفوظ ہونے کی شکل کچھ بھی ہو۔

فقیہ العصر حضرت مفتی رشید احمد صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ نے اس مسئلہ پر تبصرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

''ویڈیو کے فیتے میں تصویر محفوظ ہوتی ہے، جب چاہیں جتنی بار چاہیں ''ٹی وی'' کی اسکرین پر اس کا نظارہ کرلیں اور یہ تصویر تابعِ اصل نہیں؛ بل کہ اس سے بالکل لاتعلق اور بے نیاز ہے، کتنے ہی لوگ ہیں جو مر کھپ گئے، دنیا میں ان کا نام ونشان نہیں، مگر ان کی متحرک تصویریں ویڈیو کیسٹ میں محفوظ ہیں، اگر یہ منطق تسلیم کرلی جائے کہ فیتے میں تصویر محفوظ نہیں؛ بل کہ معدوم ہے اور ویڈیو کیسٹ میں محفوظ نقوش اسکرین پر جاکر تصویر بنادیتے ہیں تو اس لاحاصل تقریر سے اصل حکم پر کیا اثر پڑا؟ تصویر محفوظ ماننے کی تقدیر پر ''ٹی وی'' صرف تصویر نمائی کا ایک آلہ تھا، اب تصویر سازی کا بھی آلہ قرار پایا، کہ صرف تصویر دکھاتا ہی نہیں، بناتا بھی ہے، اب تو اسکی قباحت دوچند ہوگئی ہے، مختصر یہ کہ ''ٹی وی'' اور ویڈیو کیسٹ کی تصویر کے متعلق زائد از زائد یہ کہا جاسکتا ہے کہ

سائنس کی ترقی نے فنِ تصویر سازی کو ترقی دے کر اس میں مزید جدت پیدا کردی اور تصویر سازی کا ایک دقیق انوکھا طریقہ ایجاد کرلیا۔'' (۱)

ہم نے اس مسئلہ پر ایک اہم ضرورت سمجھ کر قلم اُٹھایا ہے اور حضرت مولانا موصوف زید مجدہم کے اس سلسلہ میں نظریہ پر یہ تبصرہ وجائزہ بھی اسی لیے پیش کیا ہے، مولانا موصوف اگرچہ علم وفقہ میں بہت اونچا مقام رکھتے ہیں اور ہم ان کے خوشہ چیں ہیں، تاہم علمی اختلاف دلائل کی روشنی میں ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور اکابر وسلف میں اس کی بے شمار نظیریں ملتی ہیں کہ استاذ سے شاگردوں نے اختلاف کیا اور بڑوں سے ان کے خوردوں نے اختلاف کیا۔ امید ہے کہ احقر کی یہ گزارشات بارِ خاطر نہ ہوں گی اور اگر اس بارے میں مجھ سے لغزش ہوئی ہو تو اس میں رہنمائی فرمائیں گے۔

متحرک تصاویر اور ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہاں یہ بھی عرض کردینا مناسب ہے کہ بعض حضرات کو یہ غلط فہمی ہے کہ ''ٹی وی'' کی تصاویر چوں کہ ''متحرک تصاویر'' ہیں اس لیے وہ پائیدار نہیں اور عکس کی طرح ہیں، لہٰذا جائز ہیں۔

مگر یہ بات بھی صحت سے بعید ہے؛ کیوں کہ ان متحرک تصاویر کے بارے میں ہم نے ابھی واضح کردیا کہ یہ تصاویر کے حکم میں ہیں، نہ کہ عکس کے حکم میں، اس سے قطع نظر یہاں ایک بات یہ بھی عرض کرنا ہے کہ جب یہ تسلیم ہے کہ ثابت وپائیدار تصاویر حرام ہیں تو اسی سے یہ بھی لازم آ گیا کہ متحرک تصاویر بھی حرام ہیں؛ بل کہ بدرجۂ اولی حرام ہیں؛ کیوں کہ اگر ثابت تصاویر میں حرمت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں تخلیق

(۱) احسن الفتاویٰ: ۸/۳۰۲

باری تعالی کی نقالی ہے، جیسا کہ احادیث میں ہے تو ''ٹی وی'' کی صورتوں میں یہ علت عام تصاویر سے زیادہ پائی جاتی ہے، کیوں کہ عام تصاویر میں تو محض صورت میں نقالی ہے تو ''ٹی وی'' کی تصاویر میں حرکات وسکنات اور افعال واعمال کی بھی نقالی ہے۔ اب یہ سوچئے کہ جب محض صورت وشکل کی نقالی پر شریعت نے حرمت کا حکم لگایا ہے تو حرکات وسکنات اور افعال واعمال میں بھی نقالی کی جائے تو کیا یہ جائز ہوگا یا بدرجۂ اولی ناجائز ہوگا؟

معلوم ہوا کہ ''ٹی وی'' کی صورتیں عام تصاویر سے زیادہ حرام و ناجائز ہیں؛ کیوں کہ ان میں وجہ حرمت بھی زیادتی کے ساتھ پائی جاتی ہے۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

کیمرا، ٹی وی اور ویڈیو کی تصاویر
علمائے عرب کی نظر میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیمرا، ٹی وی اور ویڈیو کی تصاویر علمائے عرب کی نظر میں

تمہید

عکسی تصویر اور ٹی وی اور ویڈیو کے بارے میں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ علماء ہند و پاک ہی ان کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور عالم اسلام کے دوسرے علماء جیسے علماء عرب و مصر وغیرہ سب کے سب ان کو جائز کہتے ہیں، یہ غلط فہمی خود بندے کو بھی رہی، لیکن ایک مطالعہ کے دوران علماء عرب و مصر کے متعدد فتاوی و تحریرات نظر سے گزریں تو اندازہ ہوا کہ ان کا بھی ''عکسی تصویر'' اور ''ٹی وی'' اور ''ویڈیو'' کے بارے میں وہی نقطۂ نظر ہے جو ہندوستانی و پاکستانی علماء کا شروع سے رہا ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ وہاں کے بعض علماء نے عکسی تصویر کو جائز کہا ہے اور ٹی وی اور ویڈیو کی تصاویر کو بھی عکس مان کر ان کو بھی جائز کہا ہے، لیکن یہ وہاں کے جمہور کا فتوی نہیں ہے، جمہور علماء اسی کے قائل ہیں کہ یہ تصاویر کے حکم میں ہیں اور اس لئے حرام و ناجائز ہیں۔ اور خود وہاں کے علماء نے مجوزین کا خوب رد و انکار بھی کر دیا ہے۔ اسی

طرح ڈش آنٹینا جس کا فساد اب حد سے تجاوز کر گیا ہے اور اس نے امت کی تباہی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے اس کے بارے میں بھی علماء عرب کے فتاوی میں حرمت کا حکم اور اس سے بچنے کی تلقین موجود ہے۔

خیال ہوا کہ ان حضرات کے اس سلسلہ میں فتاوی کو یہاں نقل کر دیا جائے تا کہ اب تک جو غلط فہمی یہاں کے عوام و علماء کو ہے وہ دور ہو جائے، اور آج جو اس فتنے کو علماء عرب کا حوالہ دیکر رائج کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس کا سد باب ہو۔
اللہ تعالی سب کو ہدایت عطاء فرمائے۔آمین۔

فقط
خادم العلم والعلماء
احقر محمد شعیب اللہ خان
۱۰/ رجب المرجب/ ۱۴۲۹ ہجری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عکسی تصویر حرام ہے

یہ بات ذہن میں رہے کہ اگرچہ بعض علماء مصر وعرب کی جانب سے شمسی تصویر کے جواز کا فتوی دیا گیا ہے، مگر یہ وہاں کے تمام علماء کا یا جمہور علماء کا فتوی نہیں ہے، بلکہ وہاں کے بھی جمہور علماء کا فتوی یہی ہے کہ یہ نا جائز ہے، لہذا آگے بڑھنے سے پہلے خود وہاں کے علماء کی اس سلسلہ میں تصریح ملاحظہ فرمالیجئے۔

"**اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء**" سعودی حکومت کی جانب سے قائم کردہ ایک دار الافتاء اور علمی مسائل کی تحقیق کا ایک بڑا ومعتبر مرکز ہے جس کے صدر الشیخ علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ تھے، اور متعدد حضرات علماء و مفتیان اس میں تحقیق و افتاء کے کام پر مامور ہیں اسی "**اللجنة الدائمة**" نے ایک فتوے میں کہا کہ:

> **"القول الصحيح الذي دلت عليه الأدلة الشرعية وعليه جماهير العلماء :أن أدلة تحريم تصوير ذوات الأرواح تضم التصوير الفوتوغرافي واليدوي،مجسما أو غير مجسم ،لعموم الادلة. "**

(صحیح قول جس پر شرعی دلائل دلالت کرتے ہیں اور جس پر جمہور

علماء قائم ہیں، یہ ہے کہ جاندار چیزوں کی تصویر کی حرمت کے دلائل فوٹوگرافی کی تصویر اور ہاتھ سے بنائی جانے والی تصاویر سبھی کو شامل ہیں ،خواہ وہ مجسم ہو یا غیر مجسم ہو، دلائل کے عام ہونے کی وجہ سے۔)(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ عرب کے جمہور علماء کا فتوی یہی ہے کہ شمسی تصویر حرام ہے، اور تصویر کی حرمت کا حکم اس کو بھی شامل ہے، لہذا جو لوگ یہ سمجھتے یا سمجھاتے ہیں کہ عرب کے علماء شمسی تصویر کے جواز کے قائل ہیں، یہ یا تو غلط فہمی ہے یا دھوکہ ہے کیونکہ چند علماء کا فتوی سبھی کا فتوی نہیں ہو جاتا اور اتباع تو جمہور کی کرنی چاہئے ، بالخصوص اس وقت جبکہ ان علماء کے اس فتوے کو جمہور علماء نے رد بھی کر دیا ہو۔

اس کے بعد ہم عرب و مصر وغیرہ کے اہم و معروف علماء کے اس سلسلہ میں فتاوی نقل کرتے ہیں اور ساتھ ہی ان کا ترجمہ بھی کرتے ہیں تا کہ حق واضح ہو جائے۔

شیخ عبدالعزیز ابن باز رحمہ اللہ کا فتوی

(۱) عالم اسلام کے معروف مفتی اور سعودی عرب کے عظیم فقیہ شیخ عبدالعزیز ابن باز رحمہ اللہ جو اپنے علم و تقوے کے لحاظ ایک مستند شخصیت مانے جاتے ہیں، ان سے کسی نے پوچھا کہ ان تصاویر کا کیا حکم ہے جن میں آج عام ابتلاء ہے؟ اور لوگ اس میں منہمک ہیں؟ شیخ نے اس کا جواب بہت تفصیل سے دیا ہے، اس جواب میں شروع میں فرماتے ہیں کہ:

” فقد جاءت الأحاديث الكثيرة عن النبي صلى الله عليه وسلم في الصحاح والمسانيد والسنن دالة على تحريم تصوير كل ذي روح ،آدميا كان أو غيره .“

(۱) فتاوی اسلامیۃ: ۴/۳۵۵

(رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے صحاح، ومسانید وسنن کی کتابوں میں بہت سی احادیث ہر جاندار کی تصویر کی حرمت پر دلالت کرنے والی آئی ہیں، چاہے وہ آدمی ہو یا کوئی اور چیز۔)

اس کے بعد اس کے دلائل ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ:

”وبما ذكرنا في هذا الجواب من الأحاديث وكلام أهل العلم يتبين لمريد الحق أن توسع الناس في تصوير ذوات الأرواح في الكتب والمجلات والجرائد والرسائل خطأ بين ومعصية ظاهرة .“

(ہم نے جواب میں جو احادیث اور اہل علم کا کلام نقل کیا ہے اس سے حق کے متلاشی پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لوگ جو کتابوں مجلوں، رسالوں اور جریدوں میں جاندار کی تصویر کے سلسلہ میں وسعت برت رہے ہیں یہ واضح غلطی اور کھلا ہوا گناہ ہے)(۱)

(۲) ایک اور فتوے میں شیخ عبدالعزیز ابن باز رَحِمَہُ اللہُ فرماتے ہیں کہ:

”لا ريب أن إخراج المجلات والصحف اليومية وغيرها بدون تصوير هو الواجب ؛ لأن الرسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لعن المصورين وأخبر أنهم أشد الناس عذابا يوم القيامة ، وهذا يعم التصوير الشمسي والتصوير الذي له ظل ، ومن فرق فليس عنده دليل على التفرقة .“

(بیشک مجلّات اور روزنامے وغیرہ کا بغیر تصویر کے شائع کرنا ہی

(۱) فتاوی شیخ ابن باز: ۴/۱۷۹-۱۸۹

واجب ہے ، کیونکہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تصویر لینے والوں پر لعنت کی ہے اور یہ خبر دی ہے کہ وہ لوگ قیامت کے دن سب لوگوں میں سب سے زیادہ عذاب میں ہوں گے، اور یہ وعید شمسی تصویر اور اس تصویر کو جس کا سایہ ہوتا ہے عام ہے اور جو شخص ان دونوں میں فرق کرتا ہے اس کے پاس اس فرق کی کوئی دلیل نہیں ہے)(۱)

(۳) ایک صاحب نے ایک کتاب لکھی جس میں انہوں نے شمسی تصویر کو آئینہ میں پڑنے والے عکس کے برابر قرار دیا، اس کتاب پر الشیخ عبد العزیز ابن باز رَحِمَہُ اللہُ نے رد کیا اور ان صاحب کے قیاس کا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ:

”ویقال له أیضاً : لقد أخطأت في التسوية والقياس من وجهين : أحدهما أن الصورة الشمسية لا تشبه الصورة في المرآة لأن الصورة الشمسية لا تزول عن محلها والفتنة بها قائمة ، وأما الصورة فيالمرآة فهي غير ثابتة تزول بزوال المقابل لهاوهذافرق واضح لا يمتري فيه عاقل . والثانى أن النص عن المعصوم صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جاء بتحريم الصور مطلقا و نص على تحريم ما هو من جنس الصورة الشمسية كالصورة فى الثياب والحيطان .“

(ان صاحب سے کہا جائے گا کہ تم نے دونوں (شمسی تصویر و آئینے کے عکس) کو برابر قرار دینے اور اس قیاس میں دو وجہ سے غلطی کی ہے:
ایک اس لئے کہ شمسی تصویر آئینے کی تصویر کے مشابہ نہیں ہوتی، کیونکہ

(۱) فتاوی شیخ ابن باز: ۵/۱۳۳

شمسی تصویر اپنے محل سے زائل نہیں ہوتی اور فتنہ اس شمسی تصویر کے ساتھ قائم ہوتا ہے، اور رہی آئینے کی تصویر تو وہ غیر پائیدار زائل ہونے والی ہوتی ہے جو مقابل کی چیز کے زائل ہونے سے زائل ہو جاتی ہے، یہ ایسا واضح فرق ہے جس میں کسی عاقل کو شبہ نہیں ہو سکتا، اور دوسرے اس لئے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے جو نص وارد ہے وہ مطلقاً تصویر کی حرمت بیان کرتی ہیں، اور اس نے تصویر شمسی جیسی تصویر کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے جیسے کپڑے اور دیوار کے اوپر کی تصویر)(۱)

شیخ علامہ عبداللہ بن عقیل رَحِمَہُ اللّٰہُ کا فتوی

شیخ علامہ عبداللہ بن عقیل رَحِمَہُ اللّٰہُ جو ملک عبدالعزیز کے زمانے میں ریاض میں عہدۂ قضاء وافتاء پر مامور رہے، اور بہت بڑے علامہ مانے جاتے تھے، ان سے سوال کیا گیا کہ مجسمہ کی تصویر اور شمسی تصویر میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب آپ نے یہ دیا کہ:

" وهذ يعم تصوير كل مخلوق من ذوات الأرواح من آدميين وغيرهم ، ولا فرق أن تكون الصورة مجسدةً أو غيرَ مجسدةٍ ، وسواء أُخِذَتْ بالآلة أو بالأصباغ والنقوش أو غيرها لعموم الأحاديث ، و من زعم أن الصورة الشمسية لا تدخل في عموم النهي ، وأن النهي مختصٌّ بالصورة المجسمة وبما له ظل فهذا تفريق بغير دليل،

(۱) فتاوى الشيخ بن باز: ۳/۱۸۸

لأن الأحاديث عامة في هذا ،ولم يفرق بين صورة وصورة، و قد صرح العلماء بأن النهي عام للصور الشمسية وغيرها كالإمام النووي و الحافظ ابن حجر وغيرهما رحمهم الله .“

(یہ حرمت کا حکم ہر جاندار مخلوق کی تصویر کو عام ہے خواہ وہ انسان ہو یا کوئی اور مخلوق ، اور احادیث کے عموم کی وجہ سے اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ تصویر مجسمہ ہو یا غیر مجسمہ ہوا، اور خواہ وہ کسی آلہ سے لی گئی ہو یا رنگوں یا نقش وغیرہ سے بنائی گئی ہو، سب کا حکم ایک ہے، اور جس نے یہ خیال کیا کہ شمسی تصویر منع کے حکم میں داخل نہیں اور یہ کہ منع ہونا مجسم صورت اور سایہ دار چیزوں کی تصویر کے ساتھ خاص ہے تو یہ تفریق بغیر دلیل ہے ، کیونکہ احادیث اس سلسلہ میں عام ہیں ، جو ایک قسم اور دوسری قسم میں کوئی فرق نہیں کرتیں ، اور علماء جیسے امام نووی اور حافظ ابن حجر وغیرہما رحمہم اللہ نے تصریح کی ہے کہ یہ منع کا حکم شمسی و غیر شمسی تصویر سب کو شامل ہے)(۱)

شیخ علامہ عبدالرزاق العفیفی رحمہ اللہ کا فتوی

شیخ علامہ عبدالرزاق العفیفی رحمہ اللہ جو کبھی مصر کی معروف یونیورسٹی ”جامعة الازهر“ میں استاذ تھے اور بعد میں سعودی حکومت میں ”اللجنة الدائمة“ میں مفتی کے عہدے پر فائز رہے، انہوں نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ:

” أما التصوير الشمسى لذوات الأرواح فهو محرم

(۱) فتاوى الشيخ عبد الله بن عقيل: ۵۵۰/۲

وممنوع ، لأن فيه مضاهاة لخلق الله ، ولأن فاعله من أظلم الناس .“

(رہی جاندار کی شمسی تصویر تو وہ حرام وممنوع ہے، کیونکہ اس میں اللہ کی تخلیق سے مشابہت ونقالی ہے اور اس لئے بھی کہ اس کام کو انجام دینے والا ظالم لوگوں میں سے ہے۔)(۱)

علامہ شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ رحمہ اللہ کا فتوی

سعودی عرب کے قاضی القضاۃ ومفتی علامہ شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ رحمہ اللہ جو سعودی عرب میں مختلف بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے، وہاں کے مفتی بھی رہے، قاضی القضاۃ بھی رہے، الجامعہ الاسلامیہ، مدینہ کے رئیس بھی رہے، اور رابطۂ عالم اسلامی کے صدر بھی رہے، ان کے فتاوی شاہ فیصل رحمہ اللہ کے حکم پر جمع کئے گئے ہیں۔ ان کے فتاوی سے یہاں چند فتاوی نقل کئے جاتے ہیں۔

(۱) ان سے ایک سوال اس سلسلہ میں کیا گیا تو انھوں نے اس کا جواب یہ لکھا ہے:

” فإن التصوير الشمسي وإن لم يكن مثل المجسّد من كل وجه فهو مثله في علة المنع ، وهي إبراز الصورة في الخارج بالنسبة إلى المنظر ، ولهذا يوجد في كثير من المصورات الشمسية ما هو أبدع في حكاية المصور حيث يقال : هذه صورة فلان طبق الأصل . وإلحاق الشيء بالشيء لا يشترط المساواة من كل

(۱) فتاوى الشيخ عبد الرزاق العفيفي: ۲۱۱

وجه كما هو معلوم . وهذا لو لم تكن الأحاديث ظاهرةً في التسوية بينهما ، فكيف وقد جاء تْ أحاديثُ عديدةٌ واضحةُ الدلالة في المقام .وقد زعم بعض مجيزي التصوير الشمسي أنه نظير ظهور الوجه في المرآة و نحوها من الصقيلات ، و هذا فاسد ؛ فإن ظهور الوجه في المرآة ونحوها شيء غير مستقر ، وإنما يُرٰى بشرط بقاء المقابلة ، فإذا فَقَدَتِ المقابلة فَقَدَ ظهورُ الصورة في المرآة ونحوها بخلاف الصورة الشمسية ؛ فإنها باقية في الأوراق و نحوها مستقرةً . فإلحاقها بالصورة المنقوشة باليد أظهر وأوضح وأصح من إلحاقها بظهور الصورة في المرآة ونحوها ؛ فإن الصورة الشمسية وبدوّ الصورة في الأجرام الصقيلة ونحوها يفترقان في أمرين :أحدهما الاستقرار والبقاء ، والثاني :حصول الصورة عن عمل و معالجة .“

(تصویر شمسی اگر چہ کہ ہر لحاظ سے مجسمہ کی طرح نہیں ہے لیکن منع کی علت میں اس کے مشابہ ہے اور وہ علت منظر کے لحاظ سے خارج میں صورت کا ظاہر کرنا ہے، اسی وجہ سے بہت سی شمسی تصاویر میں آدمی کی نقل بہت ہی عمدہ نظر آتی ہے جس کی وجہ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اصل کے مطابق فلاں کی صورت ہے ،اور جیسا کہ معلوم ہے ایک چیز کو دوسری چیز سے لاحق کرنے میں تمام اعتبارات سے برابر ہونا کوئی شرط

نہیں ہے ۔ یہ بات تو اس صورت میں ہے جبکہ احادیث دونوں قسم کی تصاویر کے مابین برابری ہونے میں ظاہر نہ ہوں، پھر کیا خیال ہے جبکہ متعدد احادیث اس مقام میں واضح الدلالت بھی وارد ہوئی ہیں؟ اور بعض شمسی تصویر کو جائز کہنے والوں نے یہ خیال کرلیا ہے کہ یہ شمسی تصویر آئینہ وغیرہ صاف و شفاف چیزوں میں دکھائی دینے والے چہرہ کی طرح ہے، اور یہ بات فاسد ہے، کیونکہ آئینہ وغیرہ میں چہرے کا دکھائی دینا ایک غیر مستقر چیز ہے، اس میں اس وقت دکھائی دیتا ہے جبکہ ایک دوسرے کے مقابل ہوں اور جب ایک دوسرے میں تقابل نہ رہے تو یہ دکھائی دینا بھی ختم ہوجاتا ہے، بخلاف شمسی تصویر کے کہ وہ اوراق وغیرہ پر قائم رہ جاتی ہے، لہذا اس کو ہاتھ سے نقش کی ہوئی تصویر سے ملحق قرار دینا بنسبت آئینہ کی تصویر کے زیادہ ظاہر و واضح اور اصح ہے، کیونکہ شمسی تصویر اور شفاف چیزوں میں اجسام کے ظاہر ہونے میں دو طرح فرق ہے ایک یہ کہ استقرار و بقاء میں اور دوسرے عمل و کام سے تصویر کے حاصل ہونے میں)(۱)

(۲) مفتی علامہ شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ رَحِمَهُ اللهُ نے ایک اور موقعہ پر لکھا ہے:

”وهذ يعم تصوير كل مخلوق من ذوات الأرواح من آدميين وغيرهم ، ولا فرق أن تكون الصورة مجسدةً أو غيرَ مجسدةٍ ، وسواء أُخِذَتْ بالآلة أو بالأصباغ والنقوش

(۱) فتاوی و رسائل شیخ محمد بن ابراهیم : ۱۳۱/۱

أو غيرها، لعموم الأحاديث ، و من زعم أن الصورة الشمسية لا تدخل في عموم النهي ، وأن النهي مختصٌّ بالصورة المجسمة وبما له ظل فزعمه باطل ،لأن الأحاديث عامة في هذا ،ولم تفرق بين صورة و صورة وقد صرح العلماء بأن النهي عام للصور الشمسية وغيرها كالإمام النووي والحافظ ابن حجر رحمهما الله وغيرهما .''

(یہ حرمت کا حکم ہر جاندار مخلوق کی تصویر کو عام ہے خواہ وہ انسان ہو یا کوئی اور مخلوق ،اور احادیث کے عموم کی وجہ سے اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ تصویر مجسمہ ہو یا غیر مجسمہ ہو ا،اور خواہ وہ کسی آلہ سے لی گئی ہو یا رنگوں یا نقش وغیرہ سے بنائی گئی ہو، سب کا حکم ایک ہے،اور جس نے یہ خیال کیا کہ شمسی تصویر منع کے حکم میں داخل نہیں اور یہ کہ منع ہونا مجسم صورت اور سایہ دار چیزوں کی تصویر کے ساتھ خاص ہے تو اس کا خیال باطل ہے، کیوں کہ احادیث اس سلسلہ میں عام ہیں ، جو ایک قسم اور دوسری قسم میں کوئی فرق نہیں کرتیں ،اور علماء جیسے امام نووی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ یہ منع کا حکم شمسی وغیر شمسی تصویر سب کو شامل ہے۔)(۱)

(۳) ایک اور جگہ شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

" الصور هي أحد ما لا يصح بيعه ، سواء المأخوذة بالشمسية هذه، أو نسج .ولا منفعة فيها إلا مطالعة

(۱) فتاوی و رسائل شیخ محمد بن ابراهيم : ۱/۱۳۴

الصور ، فحرم الله التصوير ، وإبقاءه واستعماله ، فلا يجوز ذلك .“

(تصاویر ان چیزوں میں سے ایک ہیں جن کی خرید وفروخت صحیح نہیں، خواہ وہ کیمرے سے لی گئی ہو یا بنی گئی ہو، اور اس میں کوئی فائدہ نہیں سوائے اس کے کہ اس کو دیکھا جائے، لہذا اللہ نے تصویر لینے کو، اس کے باقی رکھنے کو، اور اس کے استعمال کو حرام قرار دیا ہے، لہذا یہ جائز نہیں ہے۔)(۱)

(۴) ایک اور موقعہ پر آپ نے لکھا ہے کہ:

” الصور سواء مما يمسك باليد وله ظل أو المأخوذات بالآلة أو بالصبغ أو بالخياطة كلها جميعا داخلة في التغليظ في التصوير الوارد في الأحاديث ، والتصوير الشمسي أبلغ في المضاهاة .“

(تصاویر خواہ وہ ہاتھ سے بنائی جائیں اور ان کا سایہ ہو یا آلے سے لی جائیں یا رنگ سے یا سیون سے بنائی جائیں سب کی سب تصویر کی حرمت میں داخل ہیں جو احادیث میں وارد ہوئی ہے، اور شمسی تصویر تو اللہ کی تخلیق میں مشابہت میں اور بڑھی ہوئی ہے۔)(۲)

علماء ”اللجنة الدائمة“ کے فتاوی

”اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء“

(۱) فتاوی ورسائل محمد بن ابراهيم: ۳/۷

(۲) فتاوی ورسائل محمد بن ابراهيم: ۱۲۵/۸

سعودی حکومت کی جانب سے قائم کردہ ایک دارالافتاء اور علمی مسائل کی تحقیق کا ایک بڑا و معتبر مرکز ہے جس کا ذکر ہم نے ابتداء میں کیا ہے، اس ''اللجنة الدائمة'' سے بھی متعدد فتاوی میں یہی بات بار بار اور پوری شدت کے ساتھ کہی گئی ہے، میں یہاں ''فتاوی اللجنة الدائمة'' سے اس سلسلہ کے چند فتاوی نقل کرتا ہوں۔

(۱) ''اللجنة الدائمة'' سے ایک سوال کیا گیا ہے جس میں سائل نے شیخ عبدالعزیز بن باز سے پوچھا ہے کہ فوٹوگرافی کی تصویر شمسی کیا ہاتھ سے بنائی ہوئی تصویر کے حکم میں داخل ہے؟ جبکہ بعض نے کہا ہے کہ اس میں صرف ایک بٹن دبانا ہوتا ہے، اور ہاتھ سے کوئی کام نہیں ہوتا لہذا جائز ہے۔ اور اس شخص نے کویت کے ایک رسالہ میں آپ کی تصویر بھی چھپی ہوئی دکھائی، تو کیا ہم اس کو دلیل جواز سمجھیں؟ اور متحرک تصاویر جیسے ٹیلی ویژن کی تصویر دیکھنے کا کیا حکم ہے؟

اس کے جواب میں ''اللجنة الدائمة'' نے کہا کہ:

'' التصوير الفوتوغرافي الشمسي من أنواع التصوير المحرّم ، فهو والتصوير عن طريق النسيج والصبغ بالألوان والصور المجسّمة سواء '' في الحكم . والاختلاف في وسيلة التصوير وآلته لا يقتضي اختلافاً في الحكم .و ظهور صورتي في مجلتي ''المجتمع'' و''الاعتصام'' مع فتواي في أحكام الصيام ليس دليلاً على إجازتي التصويرَ ، ولا على رضاي به فإني لاأعلم بتصويرهم لی .''

(شمسی تصویر بھی حرام تصویروں کی ایک قسم ہے، پس یہ تصویر اور بُنی جانے والی اور رنگی جانے والی اور ہاتھ سے بنائی جانے والی تصویر سب برابر ہے۔ تصویر سازی کے وسیلہ اور آلہ کا مختلف ہونا حکم کے مختلف ہونے کا تقاضا نہیں کرتا۔ اور میری کتاب ''احکام الصیام'' میں حرمت کے فتوے کے باوجود میری تصویر کا مجلّہ ''المجتمع'' اور ''الاعتصام'' میں شائع ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ میں نے اجازت دی ہے یا میں اس سے راضی ہوں؛ کیونکہ مجھے ان کے تصویر لینے کا کوئی علم ہی نہیں ہے۔)(۱)

(۲) ''فتاوی اللجنة الدائمة'' میں ایک سوال کے جواب میں کہا گیا ہے، اور اس فتوے پر چار حضرات علماء کے دستخط ہیں: شیخ علامہ عبدالعزیز ابن باز، شیخ عبدالرزاق عفیفی، شیخ عبداللہ بن غدیان اور شیخ عبداللہ بن قعود رحمہم اللہ، فتوے میں ہے کہ:

''وليس التصوير الشمسي مجرد انطباع ، بل عمل بآلة ينشأ عنه الانطباع فهو مضاهاة لخلق الله بهذه الصناعة الآلية ، ثم النهي عن التصوير عام ، لما فيه من مضاهاة خلق الله ، والخطر على العقيدة والأخلاق ، دون نظر إلى الآلة والطريقة التي يكون بها التصوير .''

(شمسی تصویر محض عکس نہیں ہے بلکہ آلے کے واسطے سے ایک عمل ہے جس سے عکس پیدا ہوتا ہے، لہذا وہ بھی اس آلے کی فنکاری کے

(۱) فتاوی اللجنة الدائمة: ۱/۴۶۳، رقم الفتوی: ۳۳۷۴

ذریعہ اللہ کی تخلیق کی نقالی ہے۔ پھر یہ تصویر کا ممنوع ہونا سب صورتوں کو عام ہے، کیونکہ اس میں آلہ وطریقہ جس سے تصویر لی جارہی ہے اس سے قطع نظر تخلیق خداوندی کی مشابہت اور عقیدہ واخلاق پر خطرہ پایا جاتا ہے۔)(۱)

(۳)''اللجنة الدائمة'' کے مفتیان سے سوال کیا گیا کہ چند دوستوں میں شمسی تصویر لینے اور اس کو رکھنے کے بارے میں اختلاف ہو گیا اور کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے، لہذا آپ بتائیں کہ اس کا کیا حکم ہے؟ اس کا جواب فاضل مفتیان نے یہ لکھا ہے کہ:

'' التصوير الشمسي للأحياء من إنسان أو حيوان والاحتفاظ بهذه الصور حرام ،بل هو من الكبائر ، لما ورد في ذلك من الأحاديث الصحيحة المتضمنة للوعيد الشديد والمنذرة بالعذاب الأليم للمصورين ومن اقتنى هذه الصور ، ولما في ذلك من التشبه بالله في خلقه للأحياء ولأنه قد يكون ذريعةً إلى الشرك كصور العظماء والصالحين أو باباً من أبواب الفتنة كصور الجميلات والممثلين والممثلات والكاسيات العاريات .''

(انسان وحیوان وغیرہ جاندار چیزوں کی شمسی وعکسی تصویر لینا اور ان کو باقی رکھنا حرام ہے بلکہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے، ان احادیث صحیحہ کی وجہ سے جو تصویر کشی کرنے والوں کو سخت وعید اور درد

(۱) فتاوى اللجنة الدائمة: ۴٦٦/۱، رقم الفتوى: ۴۵۱۳

ناک عذاب کی دھمکی پر مشتمل ہیں، اور اس لئے کہ اس میں اللہ کے ساتھ زندوں کو پیدا کرنے میں تشبہ ہے، اور اس لئے کہ یہ شرک کا ذریعہ ہے جیسے بڑے لوگوں اور صالحین کی تصویروں میں ہوتا ہے اور یہ فتنے کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جیسے خوبصورت عورتوں اور فلم ایکٹروں اور ایکٹرس اور نیم عریاں عورتوں کی تصویروں میں ہوتا ہے۔)(۱)

(۴) ''اللجنة الدائمة'' سے ایک صاحب نے سوال کیا ہے کہ: ہم یہ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تصویر بنانے والوں پر لعنت کی ہے، لیکن یہ تصویر بنانے والے کون ہیں؟ کیا وہ لوگ مراد ہیں جو مجسمے بناتے ہیں یا وہ بھی جو فوٹوگرافی کی تصویر لیتے ہیں؟ اس کا جواب ''اللجنة الدائمة'' کی جانب سے یہ دیا ہے کہ:

'' تصوير ذوات الأرواح حرام ، سواء كان تصويراً مجسماً أو شمسياً أو نقشاً بيد أو آلة لعموم أدلة تحريم التصوير .''

(حرمتِ تصویر کے دلائل کے عام ہونے کی وجہ سے جاندار چیزوں کی تصویر حرام ہے، چاہے وہ مسجمہ کی تصویر ہو یا عکسی تصویر ہو یا ہاتھ یا کسی آلہ سے نقش کی ہوئی ہو۔)(۲)

(۵) ''اللجنة الدائمة'' سے ایک سوال یہ کیا گیا ہے کہ مصوِّرین (واو کے

---

(۱) فتاوی اللجنة الدائمة : ۱/۴۵۹، رقم الفتوی: ۱۹۷۸

(۲) فتاوی اللجنة الدائمة : ۱/۴۶۲، رقم: ۳۲۴۷

زیر کے ساتھ، یعنی تصویر بنانے والوں) پرلعنت تو وارد ہوئی ہے، کیا مصوَّرین (واو کے زبر کے ساتھ، یعنی جن کی تصویر لی جائے ان) پر بھی کسی خاص دلیل میں لعنت وارد ہے؟ تو اس سوال کا جواب یہ دیا کہ:

”كما أن الأدلة وردت في لعن المصورين و توعدهم بالنار في الدار الآخرة ، فكذلك الذي يقدّم نفسَه من أجل أخذ صورة لها داخل في ذلك.....................

............ولا يدخل في ذلك من اقتضت الضرورة أن يأخذ صورةً له .“

(جس طرح دلائل تصویر بنانے والوں پرلعنت اوران کو آخرت میں دوزخ کی آگ کی دھمکی کے سلسلہ میں وارد ہیں اسی طرح جو شخص اپنی تصویر لینے کے لئے خود کو پیش کرتا ہے وہ بھی اس میں داخل ہے،......

.... ہاں وہ اس میں داخل نہیں جسے تصویر لینے کی ضرورت پیش آئی ہو۔)(۱)

(۶) ”اللجنة الدائمة“ سے سوال کیا گیا کہ: ”درسی کتابوں میں جو توضیح و تفہیم کے لئے تصویر ہوتی ہے، اسی طرح علمی کتابوں، مجلّات ورسائل میں جو تصاویر ہوتی ہیں جن کا ہونا توضیح و تفہیم کے لئے ضروری ہوتا ہے ان کا کیا حکم ہے؟“ ”اللجنة الدائمة“ کے علماء کا جواب یہ تھا کہ:

”تصوير ذوات الأرواح حرام مطلقاً، لعموم الأحاديث التي وردت في ذلك ،وليست ضرورية للتوضيح في

(۱) فتاوى الجنة الدائمة : ۱/۴۷۰، رقم الفتوى: ۲۲۲

الدراسة ، بل هي من الأمور الكمالية ، لزيادة الإيضاح ، وهناك غيرها من وسائل الإيضاح يمكن الاستغناء بها عن الصور في تفهيم الطلاب والقراء ، وقد مضى على الناس قرون وهم في غنىً عنها في التعليم والإيضاح ، وصاروا مع ذلك أقوى منّا علماً وأكثر تحصيلاً وما ضرّهم ترك الصور في دراستهم .“

(جاندار کی تصویر مطلقا حرام ہے، ان احادیث کے عموم کی وجہ سے جو اس بارے میں آئی ہیں، اور یہ تصاویر تعلیم کے لئے کوئی ضروری نہیں ہیں، بلکہ محض زیادہ وضاحت کی وجہ سے امور کمال میں سے ہو سکتے ہیں ،اور یہاں ان کے علاوہ توضیح وتفہیم کے دوسرے وسائل بھی موجود ہیں جن کے ذریعہ طالب علموں اور پڑھنے والوں کو سمجھانے کا کام لیکر تصاویر سے مستغنی ہو سکتے ہیں ۔اور لوگوں پر کئی زمانے ایسے گزرے ہیں کہ وہ تعلیم وتفہیم میں ان تصاویر سے مستغنی تھے اور اس کے باوجود علم میں ہم سے زیادہ قوی اور تحصیل میں ہم سے زیادہ وسیع رہے، اور ان کو تصاویر کا ترک کرنا کچھ نقصان نہیں دیا۔)(۱)

(۷) ایک سوال کے جواب میں ”اللجنة الدائمة“ کے علماء ومفتیان حضرات نے لکھا ہے:

” تصوير الأحياء حرام ، بل من كبائر الذنوب ، سوء اتخذ المصور ذلك مهنةً له أم لم يتخذ مهنةً ، و سواء

(۱) فتاوى اللجنة الدائمة : ۱/۴۸۰،رقم الفتوى : ۹۳۴۹

كان التصوير نقشاً أم رسماً بالقلم و نحوه أم عكساً بالكاميرا و نحوها من الآلات ،أم نحتاً لأحجار و نحوها ، و سواء كان ذلك للذكرى أم لغيرها .“

(جاندار کی تصویر حرام ہے بلکہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے،خواہ تصویر لینے والے نے اس کام کو پیشہ بنالیا ہو یا وہ پیشہ نہ بنایا ہو،اورخواہ وہ تصویر نقش ہو یا قلم وغیرہ سے بنائی ہو یا کیمرے وغیرہ آلات سے لیا ہوا عکس ہو یا درختوں وغیرہ کو کاٹ کر بنایا ہو، پھر وہ برائے یادداشت ہو یا کسی اور وجہ سے لی گئی ہو۔)(۱)

(۸)”اللجنة الدائمة“ سے سوال کیا گیا کہ”: برطانیہ میں بعض علماء حالت جماعت میں نمازیوں کی اور قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے بچوں کی تصویریں لینے کے قائل ہیں کیونکہ ان تصاویر کو جب مجلّات وجرائد میں نشر کیا جاتا ہے تو غیر مسلم اس سے متأثر ہوتے اور اسلام اور مسلمانوں کو جاننے میں رغبت کرتے ہیں؟ اس کے جواب میں مفتیان کرام نے لکھا ہے:

” تصوير ذوات الأرواح حرام ، سواء كانت الصور لإنسان أم حيوان آخر ، وسواء كانت لمصلّ أم قارئ قرآن أم غيرهما ، لما ثبت في تحريم ذلك من الأحاديث الصحيحة ، ولا يجوز نشر الصور في الجرائد والمجلات والرسائل ، ولو كانت المصلين أو المتوضئين أو قراءة القرآن رجاءَ نشر الاسلام والترغيب

(۱) فتاوى اللجنة الدائمة : ۱/۴۸۴،رقم الفتوى : ۲۳۹۶

في معرفته والدخول فيه ، لأنه لا يجوز اتخاذ المحرمات وسيلة البلاغ و نشر الاسلام ، ووسائل البلاغ المشروعة كثيرة فلا يعدل عنها إلى غيرها مما حرمه اللّٰه . والواقع من التصوير في الدول الاسلامية ليس حجةً على جوازه ، بل ذلك منكر للأدلة الصحيحة في ذلك ، فينبغي انكار التصوير عملاً بالأدلة .“

(جاندار کی تصویر حرام ہے خواہ وہ انسان کی ہو یا کسی اور جاندار کی، اور خواہ وہ کسی مصلی کی ہو یا قاریٔ قرآن کی یا ان کے علاوہ کسی اور کی، کیونکہ اس کی حرمت کے بارے میں احادیث صحیحہ ثابت ہیں ،اور اسلام کی نشر واشاعت اور غیروں کے اسلام کی جانب رغبت یا اس میں داخل ہونے کی امید پر تصاویر کا جرائد ورسائل میں شائع کرنا بھی جائز نہیں ، اگر چہ کہ وہ نماز پڑھنے والوں کی یا وضو کرنے والوں یا قرآن پڑھنے والوں کی تصاویر ہوں، کیونکہ حرام چیزوں کو اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ بنانا جائز نہیں ، جبکہ مشروع وسائل تبلیغ و دعوت بھی بہت سے موجود ہیں ،تو ان وسائل کو جنہیں اللہ نے حرام قرار دیا ہے اختیار کر کے مباح وسائل سے اعراض نہیں کیا جا سکتا،اور رہا عرب ممالک میں تصویر کا رواج تو یہ اس کے جواز پر حجت نہیں ہے، بلکہ یہ دلائل صحیحہ کی وجہ سے منکر ہے اور تصویر پر انکار ونکیر دلائل پر عمل کرتے ہوئے ضروری ہے۔)(۱)

---

(۱) فتاوى اللجنة الدائمة : ۱/۴۸۶-۴۸۷،رقم: ۲۹۲۲

(۹) ”اللجنة الدائمة“ سے ایک سوال میں پوچھا گیا کہ کلاسیکی و فنی تصویریں بنانے کا کیا حکم ہے؟اس کے جواب میں حضرات علماء ”اللجنة الدائمة“ نے اپنے فتوے میں کہا ہے کہ:

” مدار التحريم في التصوير كونه تصويراً لذوات الأرواح ، سواءٌ كان نحتاً أم تلويناً في جدار أو قماش أو ورق ، أم كان نسيجاً ، و سواءٌ كان بريشةٍ أم قلم أم بجهاز ،وسواء كان للشيء على طبيعته أم دَخَلَهُ الخيالُ ، فصُغِّرَ أو كُبِّرَ أوجُمِّلَ أو شُوِّهَ أوجعل خطوطاً تُمَثِّلُ الهيكل العُظْمٰى ، فمناط التحريم كون ما صُوِّرَ من ذوات الأرواح ولو كالصور الخيالية التي تجعل لمن يمثل القُدَامٰى من الفراعنه و قادة الحروب الصليبية و جنودها، و كصورة عيسى و مريم المقامتين في الكنائس .“

(حرمتِ تصویر کا مدار جاندار کی تصویر ہونا ہے خواہ وہ تراش کر ہو یا دیوار، کپڑے یا کاغذ پر رنگنے سے ہو، یا بننے سے ہو،اورخواہ وہ ریشہ سے ہو یا قلم سے یا آلے سے ہو،اورخواہ وہ کسی چیز کی اصل فطرت پر بنائی جائے یااس میں خیال کودخل ہواوراصل سے چھوٹی یااس سے بڑی یااس سے خوبصورت یا بدصورت بنائی جائے ، یا لکیریں کھینچ کر اس طرح بنائی جائے کہ کسی بھاری بھرکم ہیکل کا پارٹ ادا کرے۔الغرض مدارحرمت جاندار چیزوں کی تصویر ہونا ہے،اگرچہ کہ وہ خیالیہ صورتیں ہی کیوں نہ ہوں جو(مثلاً)فراعنہ یا صلیبی جنگوں کے قائدین اور

سپاہیوں میں سے پرانے لوگوں کا پارٹ ادا کرے، یا جیسے حضرت عیسی اور حضرت مریم کی وہ تصاویر جو چرچ میں نصب کی گئی ہیں۔)(۱)

(۱۰)فتاوی اللجنة الدائمة : میں ہے کہ یہ سوال کیا گیا کہ : ”ماحکم تصویر الصور الشمسية للحاجة أو الزينة ؟ (شمسی تصویر کسی حاجت یا برائے زینت لینے کا کیا حکم ہے؟)اس کا جواب وہاں کے متعدد علماء نے لکھا کہ:

” تصوير الأحياء محرّم ، إلا ما دعت إليه الضرورة كالتصوير من أجل التابعية و جواز السفر ،وتصوير المجرمين لضبطهم و معرفتهم ، ليقبض عليهم إذا أحدثوا جريمة ولجأوا إلى الفرار ، و نحو هذا مما لا بد منه .“

(جاندار چیزوں کی تصویر حرام ہے الا یہ کہ کوئی ضرورت اس کا تقاضا کرے، جیسے شہریت اور پاسپورٹ کے لئے تصویر، یا مجرمین کو پکڑنے اور پہچاننے کے لئے ان کی تصویر لینا تا کہ جرائم کے ارتکاب اور راہ فرار اختیار کرنے پر ان کو پکڑا جا سکے، یا اس جیسے ضروری کام جن کے بغیر چارہ نہیں۔)(۲)

یہاں تک ”اللجنة الدائمة“ کے فتاوی میں سے دس فتاوی نقل کئے گئے جن میں صاف و واضح الفاظ میں علماء عرب نے تصویر عکسی کو بھی حرام و نا جائز قرار دیا ہے، اور اس کو آئینہ کے عکس کی طرح قرار دینے کو غلط اور قیاس فاسد ٹھہرایا ہے۔ اس سے روز روشن کی طرح یہ واضح ہے کہ وہاں کے جمہور علماء بھی اسی کے قائل ہیں کہ یہ

(۱) فتاوی اللجنة الدائمة : ۱/۴۸۲،رقم: ۵۰۶۸

(۲) فتاوی اللجنة الدائمة : ۱/۴۵۸،رقم الفتوی: ۲۶۰

شمسی وعکسی تصویر جو کیمرے سے لی جاتی ہے وہ بھی حرام ہے اور احادیث حرمت کے عموم میں داخل اور موجب لعنت گناہ ہے۔

شیخ علامہ محمد علی الصابونی رحمہ اللہ کا فتوی

علامہ شیخ مفسر محمد علی الصابونی رحمہ اللہ جو کہ جامعہ ام القری/ مکۃ المکرّمہ کے استاذ رہے ہیں اور متعدد علمی کتابوں کے مصنف ہیں، انھوں نے اپنی کتاب ''روائع البیان'' میں لکھا ہے:

''یری بعض المتأخرین من الفقهاء أن التصویر الشمسي (الفوتوغرافي) لا یدخل في دائرة التحریم ، الذي یشمله التصویر بالید المحرم . والحق أن التصویر الشمسي الفوتوغرافي لا یخرج عن کونه نوعا من أنواع التصویر فما یخرج بالآلة یسمی صورة ،والشخص الذي یحترف هذه الحرفة یسمی في اللغة والعرف مصوراً ، فهو وإن کان لا یشمله النص الصریح لأنه لیس تصویرا بالید ،ولیس فیه مضاهاة لخلق اللّٰه ،إلا أنه لا یخرج عن کونه ضربا من ضروب التصویر ، فینبغي أن یقتصر في الإباحة علی حد الضرورة .''

(بعض متأخرین فقہاء کی رائے ہے کہ فوٹوگرافی کی شمسی تصویر اس حرمت کے دائرے میں داخل نہیں جس میں ہاتھ کی حرام تصویر داخل ہے، لیکن حق یہ ہے کہ فوٹوگرافی کی شمسی تصویر، تصویر کی ایک قسم ہونے سے خارج نہیں ہے، کیونکہ جو آلے کے ذریعہ تصویر نکلتی ہے اس کو تصویر

ہی کہا جاتا ہے اور جو شخص اس کا پیشہ کرتا ہے اسے لغت اور عرف میں مصور (تصویر لینے والا) کہتے ہیں، پس اس تصویر کو اگر چہ نص صریح شامل نہیں ہے کیونکہ یہ ہاتھ کی تصویر نہیں ہے اور اس میں اللہ کی تخلیق سے مشابہت بھی نہیں ہے لیکن وہ تصویر کی قسموں میں سے ایک قسم ہونے سے خارج نہیں ہے لہذا ضرورت کی حد تک اس کی اجازت کو محدود رکھنا چاہئے۔)(۱)

شیخ علامہ صالح الفوزان رحمہ اللہ کا فتوی

سعودی عرب کے مشہور عالم شیخ صالح الفوزان جو وہاں کے ادارے " **هيئة كبار العلماء** " کے رکن، اور "**اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء**" کے ایک اہم ممبر تھے، ان کے فتاوی "**المنتقى**" میں ہے کہ انھوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ:

" لايجوز اقتناء الصور لذوات الأرواح إلا الصور الضرورية كصور حفيظة النفوس و البطاقة الشخصية و رخصة القيادة.................. و ما عداها من الصور . فلا يجوز اقتناء ه للعب الأطفال أو لأجل تعليمهم ، لعمومات النهي عن التصوير و استعماله ، وهناك لعب الأطفال كثيرة من غير الصور و هناك وسائل التعليم من غير الصور . ومن أجاز اقتناء الصور للعب الأطفال فقوله مرجوح ."

(۱) روائع البيان: فتنة تصوير العلماء : ۶۴-۶۵

(جاندار چیزوں کی تصویر لینا جائز نہیں مگر یہ کہ ضرورت کی تصاویر ہوں، جیسے پیدائشی سرٹیفکیٹ، شناختی کارڈ اور ڈرائیونگ لائسنس وغیرہ کی تصاویر، لہذا تصویر اور اس کے استعمال سے نہی کے عام ہونے کی وجہ سے بچوں کے کھیل اور ان کی تعلیم کے لئے تصاویر کا لینا بھی جائز نہیں، اور پھر بچوں کے بغیر تصاویر کے کھلونے بھی بہت موجود ہیں اور تعلیمی وسائل بھی بے تصویر کے بہت سے ہیں، اور جس نے بچوں کے کھلونوں کی تصویر کو جائز کہا اس کا قول مرجوح ہے۔)(۱)

شیخ صالح الفوزان رحمہ اللہ سے معلوم کیا گیا کہ بچوں کے کپڑوں پر تصاویر ہوتی ہیں کیا ان کا خریدنا اور بچوں کو پہنانا جائز ہے؟ تو آپ نے اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

" لا يجوز شراء الملابس التي فيها صور ورسوم ذوات الأرواح من الآدميين أو البهائم أو الطيور ؛ لأنه يحرم التصويرواستعماله للأحاديث الصحيحة التي تنهى عن ذلك و تتوعد عليه بأشد الوعيد ، فقد لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المصورين و أخبر أنهم أشد الناس عذاباً يوم القيامة ، فلا يجوز لبس الثوب الذي فيه الصورة ولا يجوز إلباسه االصبي الصغير ،والواجب شراء الملابس الخالية من الصور و هي كثيرة ."

(ان لباسوں کا خریدنا جائز نہیں جن میں انسانوں یا جانوروں یا

(۱) المنتقی: ۲۰۳/۳

پرندوں میں سے کسی جاندار کی تصاویر اور نقشے ہوں، کیونکہ تصویر لینا اور اس کا استعمال حرام ہے ان احادیث کی وجہ سے جو اس سے منع کرتی اور اس پر سخت وعید سناتی ہیں ، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تصویر لینے والوں پر لعنت کی اور خبر دی ہے کہ وہ قیامت کے دن تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سخت عذاب میں ہوں گے، لہذا ایسے کپڑوں کا پہننا اور چھوٹے بچوں کو پہنانا جن میں تصویر ہو جائز نہیں، اور واجب ہے کہ تصویر سے خالی کپڑے خریدے جائیں، اور ایسے کپڑے بہت ہیں۔)(۱)

شیخ علامہ صالح الفوزان رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا عورت کار وغیرہ کی ڈرائیونگ کر سکتی ہے تو فرمایا کہ: عورت کے لئے ڈرائیونگ کرنا جائز نہیں ہے، پھر اس کی متعدد وجوہات بیان کرتے ہوئے ایک وجہ یہ بھی بیان کی ہے کہ:

" لأن قيادتها للسيارة تحوجها إلى طلب رخصة قيادة، وهذا يحوجها إلى التصوير ، و تصوير النساء حتى في هذه الحالة يحرم لما فيه من الفتنة والمحاذير العظيمة ."

(کیونکہ عورت کا کار کی ڈرائیونگ کرنا اس کو ڈرائیونگ لائسنس کا محتاج بنائے گا اور اس کے لئے تصویر کی ضرورت پڑے گی ، اور عورت کی تصویر اس ضروری حالت میں بھی حرام ہے کیونکہ اس میں فتنہ اور بڑے مفاسد ہیں۔)(۲)

---

(۱) المنتقى: ۳/۲۰۳

(۲) المنتقى: ۵/۱۸۷

شیخ ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ کا فتوی

معروف سلفی عالم شیخ ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ نے ایک سوال متعلقہ تصویر کے جواب میں لکھا ہے کہ:

" التحريم يشمل الصورة التي ليست مجسمة ولا ظل لها ،لعموم قول جبريل عليه السلام : " فإنا لا ندخل بيتا فيه تماثيل" وهي الصور ، ويؤده أن التماثيل التي كانت على القرام لا ظل لها ، ولا فرق في ذلك بين ما كان منه تطريزاً على الثوب أو كتابة على الورق أو رسما بالآلة الفوتوغرافية؛ إذ كل ذلك صورة و تصوير ، و التفريق بين التصوير اليدوي والتصوير الفوتوغرافي – فيحرم الأول دون الثاني–ظاهرية عصرية وجمود لا يحمد ."

(حرمت کا حکم اس تصویر کو بھی شامل ہے جو مجسمہ نہیں اور جس کا سایہ نہیں ہوتا، حضرت جبریل کے اس قول کی وجہ سے کہ: "ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تماثیل ہوں" اور تماثیل تصاویر ہیں، اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ وہ تماثیل جو (حضرت عائشہ کے گھر میں) ایک پردے پر تھے ان کا سایہ نہیں تھا، (پھر بھی اللہ کے رسول نے اس سے منع کیا) لہذا اس سلسلہ میں کوئی فرق نہیں اس تصویر میں جو کپڑے پر نقش ہو یا کاغذ پر لکھی ہو یا کیمرے سے چھڑائی ہو کیونکہ یہ سب تصویر سازی اور تصویر ہے، اور ہاتھ کی تصویر اور فوٹوگرافی کی تصویر میں فرق کرنا کہ پہلی کو حرام قرار دیا جائے اور دوسری کو نہیں، یہ موجودہ

دور کی ظاہر پرستی اور جمود ہے جو کسی طرح قابل ستائش نہیں۔) (۱)

شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''آداب الزفاف'' میں بھی تصویر شمسی کے مسئلہ پر کلام کیا ہے، وہ شادی کے موقعہ پر ہونے والے محرمات پر تنبیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

'' ويجب عليه أن يمتنع من كل ما فيه مخالفة للشرع، و خاصة ما اعتاده الناس في مثل هذه المناسبة، حتى ظن كثير منهم – بسبب سكوت العلماء – أن لا بأس فيها ، و أنا أنبه هنا على أمور هامة منها : الأول : تعليق الصور على الجدران ،سواء كانت مجسمة أو غير مجسمة لها ظل أو لا ظل لها ،يدوية أو فوتوغرافية، فإن ذلك كله لا يجوز ، و يجب على المستطيع نزعها إن لم يستطع تمزيقها .''

(آدمی پر واجب ہے کہ ہر اس چیز سے بچے جس میں شریعت کی مخالفت ہو اور خاص طور پر اس سے جو لوگوں نے اس جیسی تقریبات میں عادت بنالی ہے، یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے علماء کے خاموش رہ جانے کی وجہ سے یہ گمان کرلیا کہ ان میں کوئی حرج ومضائقہ نہیں ہے میں یہاں چند اہم امور پر تنبیہ کرتا ہوں، اول دیوار پر تصاویر لٹکانا ہے، خواہ وہ مجسمہ ہو یا غیر مجسمہ ہو، خواہ اس کا سایہ ہو یا نہ ہو، اور خواہ وہ ہاتھ کی بنائی ہوئی ہو یا فوٹوگرافی کی ہو، کیونکہ یہ سب کی سب ناجائز

(۱) فتاوی الشیخ الالبانی، جمع وترتیب: ابو سند محمد: ۱۳۰

ہیں اور طاقت رکھنے والے پر ان کو نکال دینا واجب ہے اگر ان کو پھاڑنے کی طاقت نہ ہو۔)(۱)

پھر شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کے حاشیہ پر بہت تفصیل سے کلام کر کے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو ہاتھ کی تصویر اور شمسی و عکسی تصویر میں فرق کرتے ہیں، یہاں ہم ان کی عبارت کے بجائے اس کا خلاصہ نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں: آپ نے فرمایا کہ بعض لوگوں نے ہاتھ کی تصویر اور شمسی تصویر میں اس گمان سے فرق کیا ہے کہ یہ شمسی تصویر انسان کا فعل نہیں ہے، اس کا فعل تو صرف یہ ہے کہ وہ سایہ کو محفوظ کرتا ہے، اور ان لوگوں کے نزدیک اس آلہ کو بنانے والے نے جو محنت اس پر خرچ کی ہے تا کہ وہ ایک لحظہ میں اس قدر تصویریں بنا سکے جو دوسرا اس کے بغیر کئی گھنٹوں میں بھی نہیں بنا سکتا، یہ انسان کا فعل وعمل نہیں ہے اور اسی طرح تصویر بنانے والے کا اس آلے کو نشانے کی طرف لگانا اور اس سے پہلے اس کی فلم کی ریل کا اس میں سیٹ کرنا، پھر اس میں مسالہ لگانا وغیرہ بھی ان کے نزدیک انسان کا عمل نہیں ہے ،اور اس تفریق کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک کسی آدمی کی تصویر گھر میں لٹکانا جبکہ وہ تصویر شمسی ہو جائز ہے اور اگر وہی ہاتھ کی بنائی ہوئی ہے تو جائز نہیں ہے، کیا تم نے ظاہر پر اس جیسا جمود بھی دیکھا ہے؟ اسی طرح شمسی تصویر کو جائز قرار دینے والوں نے تصویر بنانے کے اس طریقہ پر جمود کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں رائج تھا اور اس شمسی تصویر کے جدید طریقہ کو وہ لوگ اس سے منسلک نہیں کرتے ،حالانکہ یہ تصویر شمسی بھی لغت وشرع سے بھی اور اس کے اثرات ونقصانات کے لحاظ سے بھی تصویر ہی ہے۔

---

(۱) آداب الزفاف: ۱۱۲-۱۱۳

شیخ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اسی قسم کے ایک شخص سے کہا کہ تم پر لازم ہے کہ تم ان بتوں کو بھی حلال کہو جو ایک خاص آلے یعنی مشین سے کرنٹ کا ایک بٹن دبانے پر چند سکنڈ میں دسیوں کے تعداد میں بن کر نکلتے ہیں، بتاؤ اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ تو وہ مبہوت رہ گیا۔ شیخ نے آخر میں کہا ہے کہ ہم ایسی تصویر کو مباح قرار دیتے ہیں جس میں اسلام اور مسلمانوں کی کوئی مصلحت ہو اور وہ تصویر کے بغیر کسی مباح ذریعہ سے حاصل نہ ہو سکے، تو ایسی تصویر جائز ہے۔ (۱)

مصری عالم شیخ ابوذر قلمونی رحمہ اللہ کا فتوی

ایک مصری عالم شیخ ابوذر قلمونی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب " فتنة تصوير العلماء والظهور في القنوات الفضائية " میں شمسی تصویر کو جو لوگ الکٹرانک شعاعوں کا مجموعہ کہتے ہیں اور اس کو تصویر نہیں مانتے، ان کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

" ان التفريق بين الصور التي ورد تحريمها في النصوص و بين هذه الصور بأن هذه " موجات الكترونية" تفريق بوصف ملغي لا اعتبار لها في الشرع ؛ لأن الشرع علّق الحكم على وصف المضاهاة ، فهو الوصف المؤثّر في الحكم ، أما طريقة مضاهاة الصورة فهو وصف طردي لم يتعرض له الشارع ."

(بلا شبہ جن تصویروں کی حرمت نصوص میں وارد ہے ان میں اور ان تصاویر میں یہ فرق بیان کرنا کہ یہ شمسی تصویریں "الکٹرانک شعاعیں"

(۱) آداب الزفاف: ۱۲۰-۱۲۲

ہیں، یہ ایسے وصف سے فرق بیان کرنا ہے جس کا شرع میں کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ شرع نے حرمت تصویر کا حکم اللہ کی تخلیق سے مشابہت پر معلق کیا ہے لہذا یہی وصف حکم میں مؤثر ہوگا، رہا تصویر لینے کا طریقہ تو وہ ایسی علت ہے جس سے شارع نے کوئی تعرض نہیں کیا ہے)(۱)

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کا فتوی

عالم اسلام کے معروف عالم دین شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے بھی اس مسئلہ کے متعلق تفصیلی کلام کیا ہے، ان کے بارے میں بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوگیا تھا کہ وہ تصویر شمسی کے جواز کے قائل ہیں، مگر خود آپ نے اس کی تردید کردی، بات یہ ہے کہ وہ بھی تصویر شمسی کے عدم جواز کے قائل ہیں، جیسا کہ ان کے فتاوی نظروں سے گزریں گے، اور غالباً غلط فہمی کی وجہ ان کی بعض عبارات کو کما حقہ نہ سمجھنا ہے، کیونکہ شیخ العثیمین کا نظریہ یہ ہے کہ کیمرے کی تصویر کو تصویر نہیں کہتے، لیکن تصویر نہ ہونے کے باوجود وہ بلا ضرورت اس کو لینے اور رکھنے کے قائل نہیں ہیں، بلکہ وہ صاف طور پر بلا ضرورت اس کو لینے کو حرام کہتے ہیں، یہاں ان کے بعض فتاوی ملاحظہ کیجئے۔

(۱) انھوں نے ایک موقعہ پر لکھا ہے کہ:

”الحال الثالثة : أن تلتقط الصور التقاطاًبأشعة معينة بدون تعديل وتحسين من الملتقط ، فهذا محل خلاف بين العلماء المعاصرين: فالقول الأول :أنه تصوير ، وإذا كان كذلك فإن حركة هذا الفاعل للآلة يُعَدُّ تصويراً ،

(۱) فتنة تصوير العلماء: ۴۶

وإذ لولا تحريكه إياها ما انطبعت هذه الصورة على أن هذه الورقة .... والقول الثاني : أنها ليست بتصوير ، لأن التصوير فعل المصور ، وهذا الرجل ما صوّرها في الحقيقة ، وإنما التقطها بالآلة ، والتصوير من صنع اللّٰه .... وهذا القول أقرب ، لأن المصور بهذه الطريقة لايُعْتَبَرُ مُبْدِعاً ولا مخطِّطاً ، ولكن يبقى النظر : هل يحل هذا الفعل أم لا ؟ والجواب : إذا كان لغرض محرم صارحراماً وإذا كان لغرض مباح صار مباحاً ، لأن الوسائل له أحكام المقاصد ، وعلى هذا فلوأن شخصاً صور إنساناً لما يسمّونه بالذكرى ، سواء كانت هذه الذكرى للتمتع بالنظر إليه أو التلذذ به أو من أجل الحنان والشوق إليه ؛ فإن ذلك محرّم و لايجوز ، لما فيه من اقتناء الصور ؛ لأنه لا شك أن هذه صورة ، ولا أحد ينكر ذلك . وإذا كان لغرض مباح كما يوجد في التابعية والرخصة والجواز وما أشبهه ، فهذا يكون مباحاً .''

(تصویر کی دوسری صورت یہ ہے کہ تصاویر خاص قسم کی شعاعوں کے ذریعہ تصویر اتارنے والے کے کچھ بنانے سنوارنے کے عمل کے بغیر اتاری جائیں، یہ صورت معاصر علماء کے مابین محلِ اختلاف ہے، اس بارے میں پہلا قول یہ ہے کہ یہ بھی تصویر ہی ہے اور جب ایسا ہے

تو اس کام کے کرنے والے کا اس آلہ (کیمرے) کو حرکت دینا تصویر بنانا شمار ہوگا ، کیونکہ اگر وہ اس آلہ کو حرکت نہ دے تو کاغذ پر تصویر چھپ نہیں سکتی ، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ تصویر نہیں ہے کیونکہ تصویر تو تصویر لینے والے کا فعل ہوتا ہے ، اور اس شخص نے حقیقت میں تصویر نہیں بنائی ، بلکہ اس نے تو صرف صورت کو آلہ کے ذریعہ اُتارا ہے ، اور صورت بنانا تو اللہ کا کام ہے ، .... یہ قول اقرب ہے ، کیونکہ اس طریقے سے تصویر لینے والے کو کسی چیز کا بنانے والا اور اس کا نقشہ تیار کرنے والا نہیں شمار کیا جاتا ، لیکن یہ بات قابل غور باقی ہے کہ یہ تصویر شمسی لینے کا کام جائز ہے یا نہیں ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی حرام مقصد سے ہو تو یہ حرام ہو جائے گا اور اگر کسی مباح مقصد سے ہو تو جائز ہوگا ؛ اس لئے کہ وسائل مقاصد کے حکم میں ہو تے ہیں ، اس اصول پر اگر کوئی شخص یادگار کے طور پر تصویر لیتا ہے خواہ اس لئے کہ اس کو دیکھا کرے یا اس لئے کہ اس سے لذت حاصل کرے یا شوق و رغبت دکھائے تو یہ حرام ہے ، جائز نہیں ہے ، کیونکہ اس میں تصویر کا حاصل و جمع کرنا پایا جاتا ہے ، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تصویر ہے اور اس کا کوئی انکار کرنے والا نہیں ، اور اگر کوئی کسی مباح و جائز غرض سے ہو جیسے شہریت یا لائسنس یا پاسپورٹ وغیرہ میں پائی جاتی ہے تو وہ جائز ہے ۔)(۱)

(۲) ایک اور موقعہ پر کہتے ہیں کہ :

---

(۱) مجموع فتاوی و رسائل الشیخ العثیمین : ۲۸۵/۱۰

”وأما التصوير بالآلة وهي (الكاميرا)التي تنطبع الصورة بواسطتها من غير أن يكون للمصور فيها أثر بتخطيط الصورة و ملامحها، فهذه موضع خلاف بين المتأخرين: فمنهم من منعها و منهم من أجازها،............

............الاحتياط الامتناع من ذلك ،لأنه من المتشابهات، ومن اتقى الشبهات استبرأ لدينه و عرضه ، لكن لواحتاج إلى ذلك لأغراض معينة كإثبات الشخصية فلا بأس به لأن الحاجة ترفع الشبهة .“

(رہا آلہ یعنی کیمرے سے تصویر لینا جس کے واسطے سے صورت اور اس کے خط و خال کا نقشہ ،تصویر کھینچنے والے کے بنائے بغیر ہی چھپ جاتا ہے تو یہ متأخرین علماء کے درمیان اختلافی صورت ہے،بعض نے اس سے منع کیا اور بعض نے اس کی اجازت دی،احتیاط اس سے بچنے میں ہے، کیونکہ یہ متشابہات میں سے ہے اور جو شبہات سے بچتا ہے وہ اپنے دین و آبرو کو بچالیتا ہے، ہاں اگر مخصوص مقاصد کے لئے اس کی حاجت وضرورت پڑے جیسے شناختی کارڈ وغیرہ تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ حاجت وضرورت شبہ کو ختم کر دیتا ہے۔)(۱)

(۳)ایک اور فتوے میں فرمایا کہ:

”جمع الصور للذكرى محرم ،ولا يجوز للإنسان أن يقتني صورة إلا ما دعت إليه الحاجة أو الضرورةإلى

(۱) مجموع فتاوى ورسائل الشيخ العثيمين: ۲۱۰/۱۲

ذلك كصور رخص القيادة و صور الإقامة و بطاقة إثبات الشخصية و بطاقاة جواز السفر وأما ما ليس له حاجة وإنما هو للذكرى فإن اقتناؤه حرام ،لأن الملائكة لا تدخل بيتا فيه صورة .“

(یادداشت کیلئے تصاویر کا جمع کرنا حرام ہے،اور انسان کے لئے جائز نہیں کہ وہ تصویر لے مگر جب کہ اس کی حاجت یا ضرورت ہو، جیسے ڈرائیونگ لائسنس کی تصویریں، اقامہ کی اور شناختی کارڈ اور پاسپورٹ کی تصویریں،اور وہ تصاویر جن کی حاجت نہیں اور وہ صرف یادداشت کے لئے ہیں تو ان کا لینا حرام ہے، کیونکہ ملائکہ اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو۔)(۱)

(۴) بعض لوگوں نے شیخ العثیمین کی طرف یہ منسوب کیا کہ وہ صرف مجسم تصاویر کو حرام کہتے ہیں اور دوسری تصاویر شمسی کو جائز کہتے ہیں، کسی نے اس بارے میں شیخ سے سوال کیا تو جواب میں کہا کہ:

”من نسب إلينا أن المحرم من الصور هو المجسم، وأن ذلك غير حرام،فقد كذب علينا ،ونحن نرى أنه لا يجوز لبس ما فيه صورة سواء كان من لباس الصغار ٠و من لباس الكبار وأنه لايجوز اقتناء الصور للذكرى أوغيرها إلا ما دعت الضرورة أو الحاجة إليه مثل التابعية والرخصة .“

(۱) فتاوی اسلامية: ۳۶۱/۴

(جس نے ہماری جانب یہ منسوب کیا کہ تصاویر میں سے صرف وہ حرام ہیں جو مجسم ہیں اور یہ کہ اس کے علاوہ دوسری تصاویر حرام نہیں ہیں اس نے ہم پر جھوٹ باندھا ہے، اور ہم یہ رائے رکھتے ہیں کہ اس چیز کا پہننا جائز نہیں جس میں تصویر ہو خواہ وہ بچوں کے لباس میں سے ہوں یا بڑوں کے لباس میں سے ہو، اور یادداشت کے طور پر یا کسی اور غرض سے تصویر کا لینا جائز نہیں، مگر یہ کہ ضرورت یا حاجت پڑ جائے جیسے شہریت یا لائسنس کے لئے تصویر۔)(۱)

(۵) آپ سے سوال ہوا کہ فوٹو گرافی کے آلہ سے تصویر کا کیا حکم ہے؟ تو جواب میں کہا کہ:

" التقاط الصور ةبالآلة الفوتوغرافية الفورية التی لاتحتاج إلى عمل بيد فإن هذا لا بأس به ؛ لأنه لا يدخل فی التصوير ، ولكن يبقى النظر ، ما هو الغرض من هذا الالتقاط ؟ إذا كان الغرض من هذا الالتقاط هو أن يقتنيها الإنسان ولو للذكرى صار ذلك الالتقاط محرماً ، وذلك لأن الوسائل لها أحكام المقاصد ، واقتناء الصور للذكرى محرم ."

(فوٹو گرافی آلہ یعنی کیمرے کے ذریعہ تصویر لینا جس میں ہاتھ کے عمل کی ضرورت نہیں پڑتی، اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ تصویر میں داخل نہیں، لیکن یہ بات قابل غور رہ جاتی ہے کہ اس فوٹو گرافی کی تصویر کی غرض کیا ہے؟ اگر تصویر لینے سے غرض یہ ہے کہ انسان اس کو

محفوظ کرے اگر چہ کہ وہ محض یادداشت کے لئے ہو تو یہ حرام ہو جائے گا کیونکہ وسائل کو مقاصد کا حکم دیا جاتا ہے اور تصاویر کا محفوظ کرنا حرام ہے۔)(۱)

(۶) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں شیخ العثیمین رحمہ اللہ نے خط لکھا، اس میں فرماتے ہیں کہ:

” وما أشرتم إليه من تكرر جوابى على إباحة الصورة المأخوذة بالآلة فإنى أفيد أخى أننى لم أبح اتخاذ الصورة إلا ما دعت الضرورة أ و الحاجة إليه كالتابعية والرخصة وإثبات الحقائق ونحوها . وأما اتخاذ الصور للتعظيم أو للذكرى أو للتمتع بالنظر إليه أو التلذذ بها ،فإنى لا أبيح ذلك ، سواء كان تمثالا أو رقما ، وسواء كان مرقوما باليد أو بالآلة لعموم قول النبى صلى الله عليه وسلم : لا تدخل الملائكة بيتا فيه صورة “ وما زالت أفتى بذلك .“

(اور جو تم نے آلے سے لی جانے والی تصویر کے جائز ہونے کے بارے میں میرے بار بار جواب کی جانب اشارہ کیا ہے تو میرے بھائی کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں نے تصویر لینے کی اجازت نہیں دی مگر صرف اس کی جس کی ضرورت یا حاجت ہو، جیسے شہریت ولائسنس

(۱) فتاوى العثيمين: ۲۲۱/۱۲،و فتاوى اسلاميه: ۳۶۴/۴

اور حقائق کے ثبوت دینے اور اس جیسی امور کے لئے، لیکن تعظیم کے لئے یا یادگار کے طور پر یا اس کو دیکھ کر فائدہ اٹھانے یا لذت حاصل کرنے کے لئے لینے کو میں نے جائز نہیں قرار دیا، خواہ وہ مجسمہ ہو یا چھڑا ناہو یا خواہ وہ ہاتھ سے لکھی ہو یا آلے سے لی ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول عام ہے کہ: اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو، میں برابر یہی فتوی دیتا آ رہا ہوں۔)(۱)

(۱) فتاوی الشیخ العثیمین: ۱۲/۲۳۳-۲۳۴

ٹی وی اور ویڈیو کی تصویر بھی حرام ہے

عکسی تصویر کے بعد ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ٹی وی اور ویڈیو کے بارے میں بھی ان علماء عرب کے فتاوی سے ان کا نظریہ پیش کر دیں، ان حضرات کے فتاوی سے اس سلسلہ میں بھی معلوم ہوتا ہے کہ ٹی وی کی موجودہ صورت حال میں وہ اس کو جائز نہیں حرام قرار دیتے ہیں، اسی طرح ویڈیو کی تصاویر کو بھی حرام کہتے ہیں، ہاں اگر ان دونوں کو جاندار کی تصویر اور دیگر محرمات سے پاک کر لیا جائے اور ان کے ذریعہ کوئی دینی پروگرام یا جائز پروگرام پیش کیا جائے تو یہ حضرات اس صورت میں ان قیودات کے ساتھ ان کو جائز کہتے ہیں۔ اور یہی تمام علماء کا نظریہ ہے، اور ہم نے اس پر اپنی کتاب ''ٹیلی ویژن اسلامی نقطۂ نظر سے'' میں سیر حاصل بحث کر دی ہے۔

لیجئے اس سلسلہ میں علماء عرب کے چند فتاوی ملاحظہ کیجئے۔

(ا) ''اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء'' سے کسی نے ٹیلی ویژن کے بارے میں جواز وعدم جواز کا سوال کیا ہے، اس کے جواب میں ''اللجنة الدائمة'' کے مفتیان: شیخ علامہ عبدالعزیز ابن باز، شیخ عبدالرزاق عفیفی، شیخ عبد اللہ بن غدیان اور شیخ عبداللہ بن قعود رحمہم اللہ، ان سب نے یہ جواب لکھا ہے:

'' وأما التلفزيون فيحرم ما فيه من غناء و موسيقي و تصوير وعرض صور و نحو ذلك من المنكرات ، ويباح ما فيه من محاضرات إسلامية و نشرات تجارية أو

سياسية و نحو ذلك مما لم يرد في الشرع منعه ، وإذا غلب شره على خيره كان الحكم للغالب .“

(اور رہا ٹیلی ویژن تو اس میں جو گانا، موسیقی اور تصویر سازی اور تصاویر کی پیشکش، اور دیگر منکرات پائے جاتے ہیں یہ حرام ہیں، اور اس (ٹیلی ویژن) میں جو اسلامی محاضرات اور تجارتی اور سیاسی خبریں وغیرہ ہوتے ہیں وہ جائز ہیں جن کا ممنوع ہونا شرع میں وارد نہیں، اور اگر اس میں شر کو خیر پر غلبہ ہو جائے تو حکم غالب کا ہوگا۔)(۱)

(۲) اسی طرح ” **اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء** “ کی جانب سے ایک اور فتوے میں، جو اس سوال کے جواب میں ہے کہ:

”آپ لوگ بہت پہلے سے تصویر کی حرمت کا فتوی دے چکے ہیں ،مگر آجکل تصویر کی ایک قسم پائی جاتی ہے جس کو ہم ٹیلی ویژن اور ویڈیو وغیرہ فلمی ریلوں میں دیکھتے ہیں اس طرح کہ آدمی کی صورت - جیسا لوگ کہتے ہیں- محسوس معلوم ہوتی ہے اور ایک طویل زمانے تک کے لئے محفوظ ہو جاتی ہے، تو اس تصویر کا کیا حکم ہے؟“

اس کے جواب میں ”**اللجنة الدائمة**“ نے لکھا ہے کہ: ”**حكم التصوير يعم ما ذكرتَ**“ (تصویر کا حکم ان سب کو شامل ہے جو آپ نے ذکر کئے ہیں۔)(۲)

(۳) ”**اللجنة الدائمة**“ سے ایک سوال یہ کیا گیا کہ:

” هل التصوير الذي تستخدم فيه كاميرا الفيديو، يقع

---

(۱) فتاوی اللجنة الدائمة : ۱/۴۶۶، رقم الفتوی : ۴۵۱۳

(۲) فتاوی اللجنة الدائمة : ۱/۴۶۷، ۴۶۷، رقم الفتوی : ۵۸۰۷

حكمه تحت التصوير الفوتوغرافي؟

(کیا وہ تصویر جس میں ویڈیو کیمرا استعمال کیا جاتا ہے، اس کا حکم فوٹوگرافی کی تصویر کے تحت داخل ہے؟)

اس کا جواب ''**اللجنة الدائمة**'' نے لکھا اور اس فتوے پر سعودی عرب کے چھ علماء کے دستخط ثبت ہیں، اور وہ علماء یہ ہیں: صدر لجنہ شیخ عبدالعزیز ابن باز، نائب صدر شیخ عبدالرزاق العفیفی، رکن لجنہ عبداللہ بن غدیان، رکن لجنہ شیخ صالح بن فوزان، رکن لجنہ شیخ عبدالعزیز آل الشیخ، رکن لجنہ شیخ بکر بن عبداللہ ابو زید رحمہم اللہ، ان سب علماء کی تصدیق سے یہ جواب لکھا گیا کہ:

" **نعم ! حكم التصوير بالفيديوحكم التصوير الفوتوغرافي بالمنع والتحريم لعموم الأدلة .**"

(ہاں! ویڈیو کی تصویر کا حکم بھی عموم دلائل کی وجہ سے فوٹوگرافی کی تصویر کی طرح منع وحرام ہونے ہی کا حکم رکھتا ہے۔)(۱)

(۴) ایک مصری عالم شیخ ابوذر قلمونی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب " **فتنة تصوير العلماء والظهور في القنوات الفضائية** " میں ''**مجلة البحوث ، عدد** ۴۲، ص: ۱۶۱ کے حوالے سے لکھا ہے کہ شیخ علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ: ''ویڈیو کے ذریعہ محاضرات یعنی تقریر ولکچر کی تصویر لینا کیسا ہے تا کہ دوسرے مواقع پر ان سے استفادہ کیا جائے؟ اس کا جواب آپ نے یہ دیا کہ:

" **هذا محل نظر ، و تسجيلها بالأشرطة أمر مطلوب ولا يحتاج معها إلى الصورة ولكن الصورة قد يحتاج**

(۱) فتنة تصوير العلماء: ۱۹

إليها بعض الأحيان حتى يعرف و يتحقق أن المتكلم فلان فالصورة توضح المتكلم وقد يكون ذلك لأسباب أخرى فأنا عندي في هذا توقف لأجل ما ورد من الأحاديث في حكم التصوير لذوات الأرواح وشدة الوعيد في ذلك .''

(یہ محل نظر ہے، اوران محاضرات ولکچرس کا کیسیٹ میں ریکارڈ کرنا مطلوب ہے ، اور اس کے لئے صورت کی کوئی ضروت نہیں ہوتی، صورت کی ضرورت تو کبھی کبھی پیش آتی ہے تاکہ معلوم و متحقق ہو کہ فلاں بول رہا ہے، لہذا تصویر تو متکلم کی وضاحت کرتی ہے، اوراس کی ضروت کبھی بعض دوسرے اسباب سے بھی ہوتی ہے، پس مجھے اس میں اس وجہ سے توقف ہے کہ جاندار کی تصویر کا حکم اوراس بارے میں سخت وعید احادیث میں وارد ہوئی ہے۔)(۱)

(۵) نیز شیخ علامہ عبدالعزیز ابن باز رحمہ اللہ ہی سے پوچھا گیا کہ:

''هل جهاز التلفزيون يدخل ضمن التصوير أم أن ما يُعْرَضُ في هذا الجهاز من برامج سيّئة هو الحرام فقط؟ ''

(کیا ٹیلی ویژن بھی تصویر کے حکم میں داخل ہے؟ یا اس آلے پر جو برے پروگرام پیش کئے جاتے ہیں صرف وہ حرام ہیں؟) اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ: **''كل التصوير محرّمٌ ''** (تمام قسم کی تصویریں حرام ہیں۔)(۲)

(۱) فتنة تصوير العلماء: ۱۳

(۲) فتنة تصوير العلماء: ۱۴

(٦) شیخ علامہ عبدالعزیز ابن باز رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

" وأما التلفزيون فهو آلة خطيرة و أضرارها عظيمة كالسينما أو أشد ، وقد علمنا عنه من الرسائل المؤلفة في شانه و من كلام العارفين به في البلاد العربية وغيرها ما يدل على خطرته وكثرة أضراره بالعقيدة والأخلاق وأحوال المجتمع ، وما ذلك إلا لما يبث فيه من تمثيل الأخلاق السافلة والمرائي الفاتنة والصور الخليعة وشبه العاريات والخطب الهدامة والمقالات الكفرية والترغيب في مشابهة الكفار فيأخلاقهم و أزيائهم و تعظيم كبرائهم وزعمائهم والزهد في أخلاق المسلمين وأ زيائهم والاحتقارلعلماء المسلمين وأبطال الإسلام وتمثيلهم بالصور المنفرة منهم والمقتضية لاحتقارهم والإعراض عن سيرتهم وبيان طرق المكر والاحتيال والسلب والنهب والسرقة وحياكة الموامرات والعدوان على الناس ، ولاشك أن ما كان بهذه المثابة وترتبت عليه هذه المفاسد يجب منعه والحذر منه وسد الأبواب المفضية إليه ، فإذا أنكره الاخوان المتطوعون و حذروا منه فلا لوم عليهم في ذالك لأن ذلك من النصح لله و لعباده ."

(رہا ٹیلی ویژن تو وہ ایک خطرناک آلہ ہے اور اس کے نقصانات

سنیما کی طرح بہت بڑے ہیں بلکہ اس سے بھی شدید ہیں، اور ہم ٹیلی ویژن کے بارے میں لکھے ہوئے رسائل اور عرب ممالک وغیرہ میں اس کی جانکاری رکھنے والے لوگوں کے کلام سے یقیناً اس کے متعلق وہ باتیں جانتے ہیں جو اس کی خطرناکی اور عقیدے، اخلاق اور معاشرے کے احوال پر اس کے نقصانات پر دلالت کرتے، اور یہ اسی لئے ہے کہ اس میں گرے ہوئے اخلاق اور فتنہ پرور مرثیوں، فحش اور ننگی عورتوں کی تصاویر اور دین کو منہدم کرنے والے بیانات اور کفریہ مقالات اور اخلاق وعادات اور طور طریقوں میں کفار سے مشابہت کی ترغیب، اور ان کے بڑوں اور لیڈروں کی تعظیم، اور مسلمانوں کے اخلاق وطور وطریقوں سے بے رغبتی اور ان کے علماء اور اسلام کے بہادروں کی تحقیر وتوہین اور ان سے نفرت پیدا کرنے والی اور ان کی حقارت کا تقاضا کرنے والی تصاویر اور ان کی سیرتوں سے اعراض، اور دھوکہ، حیلہ بازی، لوٹ گھسوٹ، چوری اور سازشوں اور لوگوں پر ظلم زبردستی کی نقالی کو پیش کیا جاتا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو چیز اس حالت پر ہو اور اس پر یہ مفاسد مرتب ہوتے ہوں، اس سے منع کرنا، ڈرانا اور اس تک لے جانے والے دروازوں کو بند کرنا واجب ہے، لہذا جو مطوع (رضاکار) بھائی اس پر انکار کرتے اور اس سے ڈراتے ہیں ان پر کوئی ملامت نہیں، کیونکہ یہ اللہ کے لئے اور بندوں کے حق میں خیر خواہی ہے۔)(۱)

---

(۱) فتاوی شیخ عبد العزیز ابن باز: ۳/۱۸۹

(۷) بعض لوگوں کو شیخ عبدالعزیز ابن باز رحمہ اللہ کے متعلق یہ غلط فہمی تھی کہ آپ ویڈیو کو جائز کہتے ہیں، اس کے بارے میں ان سے قریب رہنے والے شیخ عبد العزیز بن عبداللہ الراجحی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا، توانھوں نے کہا کہ:

''أما بعد فإني لا أعلم أن سماحة شيخنا عبد العزيز ابن باز يفتي بجواز التصوير بالفيديو !!! وإنما الذي أعلمه أنه يفتي بمنع التصوير مطلقاً إلا للضرورة كالتصوير لبطاقة الأحوال أو جواز السفر أو لرخصة قيادة السيارة أو للشهادة العلمية .''

(بعد حمد وصلوۃ کے واضح ہو کہ بیشک میں نہیں جانتا کہ ہمارے شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ ویڈیو سے تصویر لینے کے جواز کا فتوے دیتے تھے، میں تو بس یہ جانتا ہوں کہ آپ مطلقا تصویر کے ممنوع ہونے کا فتوے دیتے تھے، سوائے اس کے کہ کوئی ضرورت ہو، جیسے شناختی کارڈ، پاسپورٹ، ڈرائیونگ لائسنس، اور تعلیمی سرٹیکیفیٹ کے لئے تصویر)(۱)

(۸) شیخ علامہ صالح بن فوزان رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ

" مَا حُكْمُ اسْتخدامِ الوَسَائِل التعليميَّةِ منْ فيديو، وسينما ، وغيرهما في تدريس الموادّ الشرعيّة كالفقه والتفسير وغيرها من الموادّ الشرعية ؟ وهل في ذلك محدود شرعي .''

---

(۱) فتنة تصوير العلماء: ۱۵

(شرعی علوم جیسے فقہ وتفسیر وغیرہ کی تعلیم وتدریس کے لئے ویڈیو اور سینما وغیرہ تعلیمی وسائل سے مدد لینے کا کیا حکم ہے؟ اور کیا اس میں کوئی شرعی حد ہے؟)

اس کے جواب میں انھوں نے کہا کہ:

" الّذيْ أ راه أنّ ذلك لايجُوْزُ ؛ لأنّهٗ لا بُدّ أن يكون مصحوباً بالتصوير ، و التصوير حرام ، وليس هُناك ضرورةٌ تدعو إليه ."

(میرا خیال یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ ان میں لازم ہے کہ یہ تصویر سے منسلک ہوں، اور تصویر حرام ہے اور یہاں کوئی ایسی ضرورت بھی نہیں جو اس کی داعی ہو۔)(۱)

(۹) شیخ صالح الفوزان رَحِمَہُ اللّٰہُ نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ:

" المشروع للمسلم رجلاً كان أو امرأةً احترام شهر رمضان و شغله بالطاعات وتجنب المعاصي والسيئات في كل وقت وفي رمضان آكد لحرمة الزمان ، والسهر لمشاهدة الأفلام والمسلسلات التيتعرض في التلفاز أو الفيديوأو بواسطة الدش أو استماع الملاهي والأغاني كل ذلك محرم ومعصية في رمضان و غيره لكنه في رمضان أشد إثماً ."

(مسلمان خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو اس کے لئے مشروع یہ ہے

(۱) المنتقی : ۲۰۶/۳

کہ رمضان کا احترام کرے اور نیکیوں سے رمضان کو مشغول رکھے، اور معاصی اور گناہوں سے ہر وقت پرہیز کرے اور رمضان میں زمانے کے تقدس کی وجہ سے اور زیادہ کرے ،اور فلموں اور ان پروگراموں کو دیکھنے کے لئے جاگنا جو ٹیلی ویژن اور ویڈیو یا بذریعہ ڈش پیش کئے جاتے ہیں یا لہو ولعب کا اور گانوں کا سننا یہ سب کا سب رمضان و غیر رمضان ہر وقت حرام ہے لیکن رمضان میں اور زیادہ گناہ کا باعث ہے۔)(۱)

(۱۰) شیخ ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ نے ایک سوال کے جواب میں ''ٹیلی ویژن'' کے بارے میں لکھا ہے:

" فهُنا حينما نقول : الصور الفوتوغرافية هل هي جائزة أو محرّمة؟نقول: إنّها محرمة إلّا مالا بُدّ منه ، كذلك التلفاز ، والتلفاز - الحقيقة- من المخترعات التي هي من حيث تعلّقها بالصور والتصوير هي من جهة أخطر و أشد تحريماً من الصور الجامدة غير المحركة ، لكنّه في الوقت نفسه هي إذا كانتْ مستثناةً من التحريم هيأنفع من هذه الصور الجامدة ، فإذاً حكم التلفاز كحكم التصوير الفوتوغرافى وغيره ، الأصل فيه حرام ، فما كان يجوز بضرورة جاز، سواءٌ في التصوير الفوتوغرافي أو ما يتعلق بالتلفاز هذا التصوير المتحرك ."

(۱) المنتقى: ۵/۷۸

(جب ہم یہاں یہ پوچھتے ہیں کہ کیا فوٹوگرافی کی تصویر جائز ہے یا حرام ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ حرام ہے الا یہ کہ کوئی ضرورت ہو، اسی طرح ٹیلی ویژن بھی ہے، اور ٹیلی ویژن جو درحقیقت ان ایجادات میں سے ہونے کی وجہ سے جن کا صورتوں اور تصویر سازی سے تعلق ہے، وہ ایک اعتبار سے جامد غیر متحرک تصاویر سے زیادہ خطرناک اور سخت حرام ہے، لیکن فی الوقت وہ اگر حرام ہونے سے مستثنیٰ ہو تو جامد تصاویر سے زیادہ نفع بخش بھی ہے، پس اس صورت میں ٹیلی ویژن کا حکم فوٹوغرافی وغیرہ کی تصویر کی طرح ہے کہ اصل میں حرام ہے، لہذا جو تصویر بہ ضرورت جائز ہوگی وہ جائز ہے، خواہ وہ فوٹوغرافی کی تصویر ہو یا ٹیلی ویژن سے متعلق یہ متحرک تصویر ہو۔)(۱)

(۱۱) شیخ علامہ عبدالعزیز ابن باز رحمہ اللہ نے اس سوال کے جواب میں کہ بعض علماء ٹی وی پر تصویر سے گریز کرتے ہیں اور آپ نے وسائل اعلام سے دعوت الی اللہ کا کام لینے کی بات کہی ہے؟ فرمایا کہ:

” لا شك أن استغلال وسائل الإعلام في الدعوة إلى الحق و نشر أحكام الشريعة و بيان الشرك ووسائله والتحذير من ذلك ومن سائر مانهى الله عنه من أعظم المهمات بل من أوجب الواجبات..........................

..................ولا شك أن البروز في التلفاز مما قد يتحرج منه بعض اهل العلم من أجل ما ورد من الأحاديث

(۱) فتاوی الشیخ الالبانی : ۱۲۴

الصحيحة في التشديد في التصوير و لعن المصورين ولكن بعض أهل العلم رأى أنه لا حرج في ذلك إذا كان البروز فيه للدعوة إلى الحق و نشر أحكام الاسلام والرد على دعاة الباطل عملا بالقاعدة الشرعية ، وهي ارتكاب أدنى المفسدتين لتفويت كبراهما إذا لم يتيسر السلامة منهما جميعاً ، وتحصيل أعلى المصلحتين ولو بتفويت الدنيا منهما إذا لم يتيسر تحصيلهما جميعاً ."

(اس میں کوئی شک نہیں کہ ذرائع ابلاغ کا دعوت الی الحق، احکام شریعت کی نشر و اشاعت، شرک اور اس کے ذرائع کی وضاحت اور شرک سے اور اللہ کی منع کردہ تمام باتوں سے ڈرانے میں استعمال کرنا بڑے اہم کاموں میں سے ہے، بلکہ اہم واجبات میں سے ہے، ....اور اس میں شک نہیں کہ بعض اہل علم ٹیلی ویژن پر آنے سے اس لئے احتراز کرتے ہیں کہ احادیث میں تصویر کے بارے میں سخت وعید اور تصویر لینے والوں پر لعنت وارد ہوئی ہے، اور بعض اہل علم کا خیال یہ ہے کہ ٹی وی پر آنے میں ایک شرعی قاعدے کی بنا پر کوئی حرج نہیں کہ جبکہ دعوت الی الحق، احکام کی نشر و اشاعت اور باطل کی دعوت دینے والوں کی تردید مقصود ہو، اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ دو مفسدوں میں سے کم درجہ کے مفسدہ کا ارتکاب کرلیا جائے جبکہ بڑے مفسدے سے بچنا ممکن نہ ہو، اور دو مصالح میں سے اعلی کو لیا جائے اگرچہ ادنی کو چھوڑنا پڑے جبکہ دونوں مصالح کا پانا میسر نہ ہو۔)(۱)

(۱) فتاوى الشيخ عبد العزيز ابن باز: ۲۴۴/۵

(۱۲) شیخ عبدالعزیز ابن باز رحمہ اللہ نے ٹیلی ویژن میں علماء کے آنے اور پروگرام پیش کرنے کے بارے میں یہ نظریہ اپنایا ہے کہ ضرورت کے تحت یہ جائز ہے، بلاضرورت جائز نہیں، وہ اس سلسلہ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

" إن على المسئولين في الدول الإسلامية أن يتقوا الله في المسلمين وأن يولوا هذه الأمور لعلماء الخير والهدى والحق ،كما أن على علمائنا أن لا يمتنعوا من إيضاح الحقائق بالوسائل الإعلامية وألا يدعوا هذه الوسائل للجهلة والمتهمين وأهل الإلحاد ، وأن يوجهوها على الطريقة الإسلامية حتى لا يكون فيها ما يضر المسلمين شيبا أو شبانا ، رجالا أو نساء ،كما وأن على العلماء أن يقدموا للناس إجابات وافية حول ما يبثه التلفاز ريثما يتولاها الصالحون ،وأن على الدول الإسلامية أن تولى الصالحين حتى يبثوا الخير و يزرعوا الفضائل ."

(اسلامی ممالک میں ذمہ داروں کو چاہئے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور ان معاملات (ٹی وی وغیرہ) کا متولی علماء خیر وعلماء حق کو مقرر کریں جیسے کہ ہمارے علماء کے ذمہ ہے کہ وہ ذرائع ابلاغ سے حقائق کی وضاحت سے منع نہ کریں اوراس ذرائع کو جاہلوں اور دین میں متہم لوگوں اوراہل الحاد کے لئے نہ چھوڑ دیں اور یہ کہ ان ذرائع کو اسلامی طریقہ کے مطابق ڈھالیں یہاں تک کہ ان میں کوئی بات مسلمانوں میں سے کسی

بوڑھے یا جوان، مرد یا عورت کو نقصان دینے والی بات نہ رہے، جیسے کہ علماء کے ذمہ ہے کہ وہ لوگوں کو اب چیزوں کے بارے میں شافی جوابات دیں جو ٹیلی ویژن نشر کرتا ہے تاکہ صالح لوگ اس کی تولیت و ذمہ داری اٹھائیں، اور اسلامی ممالک پر لازم ہے کہ صالحین کو ان کا ذمہ دار بنائیں تاکہ خیر پھیلائیں اور فضائل کو لوگوں میں بوئیں۔)(۱)

(۱۳) کتاب" فتنة تصوير العلماء " میں لکھا ہے کہ:

" قال أحد العلماء :ومنكر عظيم أن يقوم المحاضر في المساجد يحاضر الناس والمصورة (أيالكاميرا) موجهة إليه والبث المباشر (أي التلفاز والقنوات الفضائية)داخل في التحريم فهو يعتبر صورة والناس يسمونه صورة فهي محرمة ."

(بعض علماء نے کہا کہ یہ بڑا منکر ہے کہ لکچر دینے والا مساجد میں لوگوں کو لکچر دے اور کیمرا اس کی طرف لگا رہے، اور بلا واسطہ نشر (جیسے ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ میں ہوتا ہے وہ) بھی حرمت میں داخل ہے، کیونکہ وہ تصویر ہی شمار ہوتی ہے اور لوگ بھی اس کو تصویر ہی کہتے ہیں، لہٰذا یہ حرام ہے۔)(۲)

(۱۴) شیخ یحیی بن موسی الزہرانی امام الجامع الکبیر، تبوک رحمہ اللہ نے اپنی کتاب" الرؤية الاسلاميه لوسائل الاعلام " میں" فتاوى علماء البلد

---

(۱) فتاوی شیخ ابن باز: ۵/ ۲۲۸

(۲) فتنة تصوير العلماء: ۷-۸

الحرام" کے حوالے سے شیخ عثیمین کا یہ فتوی درج کیا ہے کہ:

" لا شك أن الدول الكافرة لا تألوا جهداً في إلحاق الضرر بالمسلمين عقيدةً و عبادةً و خلقاً و آداباً و أمناً، وإذا كان كذلك فلا يبعد أن تبث من المحطات ما يحقق مرادها ، عليه لا يجوز اقتناء ها ولا الدعاية لها ولا بيعها ولا شراؤ ها ؛ لأن هذا من التعاون على الإثم والعدوان ."

(بلاشبہ کافر ملک برابر و مسلسل مسلمانوں کو عقیدے وعبادت اوران کے اخلاق وتہذیب کے لحاظ سے ضرر پہنچانے میں کوشاں ہیں ،اور جب بات یہ ہے تو یہ بعید نہیں کہ یہ لوگ ان (بلاغی واخباری) اسٹیشنوں کے ذریعہ وہ باتیں پھیلائیں جن سے ان کی مراد پوری ہوتی ہے،لہذا ٹیلی ویژن کا رکھنا، اس کی دعوت دینا ،اس کا بیچنا وخریدنا سب ناجائز ہے، کیونکہ یہ گناہوں پر تعاون ہے۔)(۱)

(۱۵) فتاوی اسلامیہ میں ہے کہ ویڈیو کی فلم بیچنے کے بارے میں پوچھا گیا تو شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ:

" هذه الأشرطة يحرم بيعها و اقتنائها و سماع ما فيها والنظر إليها لكونها تدعو إلى الفتنة والفساد . والواجب إتلافها والإنكار على من تعاطاها حسماً لمادة الفساد وصيانة المسلمين من أسباب الفتنة ."

---

(۱) بحواله الروية الاسلامية لوسائل الاعلام: ۲۹

(ان کیسٹوں کا بیچنا اور حاصل کرنا اور ان میں جو کچھ ہے اس کا سننا اور دیکھنا حرام ہے کیونکہ یہ فتنہ وفساد کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اور فساد کے مادے کو ختم کرنے اور مسلمانوں کو اسباب فتنہ سے بچانے کے لئے ان کو تلف کردینا اور ان کے استعمال کرنے والے پر انکار کرنا واجب ہے۔)(۱)

(۱۶) شیخ صالح ابن عثیمین رَحمَہُ اللہُ سے شادی کے موقعہ پر ہونے والی خرافات ومنکرات کے بارے میں سوال کرتے ہوئے فوٹوگرافی اور ویڈیوگرافی کے بارے میں بھی پوچھا گیا کہ اس کا کیا حکم ہے تو ان کا جواب یہ تھا کہ:

"وأما تصوير المشهد بآلة التصوير فلا يشك عاقل في قبحةولا يرضى عاقل فضلا عن مومن أن تلتقط صور محارمه من الأمهات والبنات والأخوات والزوجات وغيرهن لتكون سلعة تعرض لكل أحد أو ألعوبة يتمتع بالنظر إليها كل فاسق . وأقبح من ذلك تصويرالمشهد بواسطة الفيديو لأنه يصور المشهد حيا بالمرأى والمسمع ،وهو أمر ينكره كل ذي عقل سليم ودين مستقيم ،ولا يتخيل أحد أن يستبيحه من عنده حياء و إيمان ."

(رہا اس موقعہ کی آلہ تصویر سے تصویرکشی کرنا تو کوئی عاقل اس کی قباحت میں میں شک نہیں کرتا اور کوئی عقلمند اس سے راضی نہیں ہوتا چہ

(۱) فتاوی اسلامیہ: ۲/۲۸۶

جائیکہ کوئی مؤمن راضی ہو کہ اپنے محارم میں سے اپنی ماؤں ، بیٹیوں ، بہنوں اور بیویوں وغیرہ کی تصویر لی جائے ، تاکہ وہ ایک سامان کی طرح ہر کس وناکس کے سامنے پیش کی جائے یا کسی کھلونے کی طرح ہر فاسق و فاجر اس کو دیکھکر لذت لے۔ اور اس سے بھی زیادہ بری بات یہ ہے کہ اس موقعہ کی تصویر ویڈیو سے لی جائے کیونکہ یہ ویڈیو موقعہ کی تصویر کشی اس طرح کرتا ہے کہ گویا وہ آنکھوں کے سامنے زندہ موجود ہے، اور یہ ایسی بری بات ہے کہ ہر عقل سلیم و دین مستقیم والا اس کا انکار کرتا ہے اور کوئی شخص یہ خیال نہیں کرسکتا کہ جس کے پاس حیاء وایمان ہے وہ اس کو جائز قرار دے گا۔)(۱)

(۱) فتاوی اسلامیۃ: ۳/ ۱۸۷

’’ڈش آنٹینا‘‘ کا حکم

آج کل ایک اور چیز کا رواج ہوگیا ہے جس کو ’’ڈش آنٹینا‘‘ کہتے ہیں، اور اس کے ذریعہ دنیا بھر کے تمام ٹی وی اسٹیشنوں سے جب چاہے اور جو چاہے دیکھا جا سکتا ہے، اس کے بارے میں بھی ان علماء کے کلام میں حکم بیان کیا گیا ہے، لیجئے ملاحظہ کیجئے:

(ا) ’’ڈش آنٹینا‘‘ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا یہ جائز ہے؟ جبکہ اس میں تمام دنیا بھر کے چینلوں سے اچھی بری سب قسم کی چیزیں ٹیلی ویژن پر نمایاں کی جاتی ہیں؟ اس کا جواب شیخ عثیمین رحمہ اللہ نے دیا کہ:

”ولا شك أن الدول الكافرة لاتألوا جهداً في إلحاق الضرر بالمسلمين عقيدةً وعبادةً وخلقًا وآدابًاوأمنًا، وإذا كان كذلك فلايبعد أن تبث من هذه المحطات ما يحقق لها مرادها ،وإن كانت قد تدس في ضمن ذلك ما يكون مفيداً من أجل التلبيس والترويج ،لأن النفوس لا تقبل -بمقتضى الفطرة- ما كان ضرراً محضاً ،ولكن المؤمن حازم فطن علمه الله تعالى كيف يقارن بين المصالح والمفاسد وبين المنافع والمضار وعنده من القوة والشجاعة ما يستطيع به التخلص من أوضار هذه المفساد والمضمار وإذا كان أمر هذه الدشوش ما ذكر في السوال

فإنه لا يجوز اقتناؤها والدعاية لها ولا بيعها و شرائها لأن هذا من التعاون على الإثم والعدوان المنهي عنه .''

(اس میں شک نہیں کہ کافر حکومتیں مسلمانوں کو عقیدے، عبادت اخلاق وآداب اور امن کے لحاظ سے نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتیں، اور جب معاملہ ایسا ہے تو یہ کوئی بعید نہیں کہ وہ ان ٹی وی اسٹیشنوں سے وہ بات نشر کریں جو ان کی مراد کو پورا کرنے والی ہو، اگر چہ اسی کے ضمن میں تلبیس وترویج کے لئے مفید باتیں بھی اس میں ٹھونس دی جاتی ہیں، کیونکہ فطرۃً نفوس ان چیزوں کو قبول نہیں کرتے جو محض نقصان دہ ہوں، لیکن مومن بڑا محتاط اور ذہین ہوتا ہے جسے اللہ تعالی یہ سکھاتے ہیں کہ وہ کس طرح مصالح ومفاسد اور منافع ومضار کے مابین جوڑ پیدا کرے، اور اس کے پاس ایک قوت وشجاعت ہے جس سے وہ ان مفاسد ومضار کے نقصان سے بچ سکتا ہے، اور جب ان ڈشوں کا معاملہ وہ ہے جو سوال میں مذکور ہے تو ان کو لینا اور ان کی دعوت دینا اور ان کا بیچنا اور خریدنا سب ناجائز ہے کیونکہ یہ گناہ اور ظلم پر تعاون ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔)(۱)

(۲) شیخ عبدالعزیز ابن باز رحمہ اللہ نے ''ڈش آنٹینا'' کے متعلق بیان کہا کہ:

'' أما بعد فقد شاع في هذه الأيام بين الناس ما يسمى ''الدش''أو بأسماء أخرى، وأنه ينقل جميع ما يبث في العالم من أنواع الفتن والفساد والعقائد الباطلة والدعوة

(۱) فتاوی اسلامیة: ۴/ ۳۷۸

إلى أنواع الكفر والإلحاد مع ما يبثه من الصور النسائية ومجالس الخمر والفساد وسائر أنواع الشر الموجودة في الخارج بواسطة التلفاز . وثبت لدي أنه استعمله الكثيرمن الناس ، وأن آلاته تباع وتصنع في البلاد ، فلهذا وجب علي التنبيه على خطورته ووجوب محاربته والحذر منه وتحريم استعماله في البيوت وغيرها وتحريم بيعه وشرائه وصنعته أيضا لما في ذلك من الضرر العظيم والفساد الكبيروالتعاون على الإثم والعدوان ونشر الكفر والفساد بين المسلمين والدعوة إلى ذلك بالقول والعمل ، فالواجب على كل مسلم و مسلمة الحذر من ذلك والتواصي بتركه .‘‘

(ہمارے اس زمانے میں ایک چیز شائع ہوئی ہے جس کو لوگ ’’ڈش‘‘ وغیرہ نام رکھتے ہیں ، اور یہ وہ تمام چیزیں شائع کرتی ہے جو عالم میں مختلف قسم کے فتنے وفساد، عقائد باطلہ، اورکفر والحاد کی انواع و اقسام کی طرف دعوت کی قبیل سے شائع ہوتی ہیں ، ساتھ ساتھ عورتوں کی تصاویر، شراب وفساد کی مجالس اور دیگر شرور جو باہر کی دنیا میں موجود ہے اس کو بھی ٹیلی ویژن کے واسطے سے شائع کرتی ہے ، اور میرے نزدیک یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ اس کو بہت سے لوگ استعمال کرتے ہیں اور یہ آلہ ہمارے شہروں میں بھی خریدا اور بیچا اور بنایا جارہاہے ، لہذا مجھ پر واجب ہوا کہ میں اس کے خطرہ پر اور اس کی

مخالفت اور اس سے پرہیز کے واجب ہونے پر اور گھروں وغیرہ میں اس کے استعمال کے حرام ہونے پر اور اس کے خرید نے، بیچنے اور بنانے کے حرام ہونے پر لوگوں کو تنبیہ کروں، کیونکہ اس میں عظیم نقصان، بڑا فساد، اور گناہ وظلم پر تعاون اور مسلمانوں کے درمیان کفر وفساد اور قول وعمل سے اس کی طرف دعوت ہے، لہذا ہر مسلمان مرد وعورت پر اس سے بچنا اور اس کو چھوڑنے کی نصیحت کرنا واجب ہے۔)(۱)

(۳) نیز شیخ ابن جبرین رحمہ اللہ نے کہا کہ ''ڈش آنٹینا'' کے بارے میں وضاحت کی ہے کہ:

'' هذا الجهاز إذا حصل به استقبال ما تبثه الدول الكافرة كاليهود والنصارى والرافضة وحصل بسببه بثة فتنة و شك وميل إلى الحرام وفعل الجرائم من الزنا ونحوه ومن السرقة والاختلاس ومن افساد المال في سبيل الحصول على الحرام من المسكرات والمخدرات ومن الشكوك في العقائد الإسلامية ونشر الشبهات التي توقع المسلم في حيرة من دينه ومن تعظيم دين الكفار وتمجيد أفعالهم وإنتاجهم ونحو ذلك من المفاسد فإنه حرام بيعه وشراؤه والدعاية له و إيراده ونشره لدخول ذلك في التعاون عليه الإثم والعدوان ولكونه يتعاطى فعلا يجره إلى الفساد .''

(۱) فتاوی اسلامیه: ۴/۳۷۶

(اس آلہ (ڈش آنٹینا) سے جب یہود ونصاری اور روافض کی کافر مملکتوں کی جانب سے نشر کی جانے والی باتوں کا استقبال ہورہا ہے اور اس کے سبب فتنہ اور دینی امور میں شک اور حرام چیزوں کی طرف میلان بڑھ رہا ہے، اور جرائم جیسے زنا وغیرہ اور چوری وڈکیتی اور نشہ آور چیزوں کے حاصل کرنے کے لئے مال کو بگاڑنا، اور اسلامی عقائد میں شکوک اور شبہات کی نشر واشاعت جو مسلمان کو دین کے بارے میں حیرت میں ڈالدے، اور کافروں کے دین کی تعظیم و بڑائی اور ان کے افعال اور ان کی چیزوں کی تعریف وتوصیف وغیرہ مفاسد پھیل رہے ہیں تو اس کا بیچنا، خریدنا، اس کی دعوت دینا، اس کو لانا اور نشر کرنا سب حرام ہے کیونکہ یہ تعاون علی الاثم والعدوان میں داخل ہے۔)(۱)

ان عرب علماء کے فتاوی سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کیمرے سے لی جانے والی تصویر جس کو عکسی یا شمسی تصویر کہتے ہیں اور ٹی وی اور ویڈیو کی تصویریں بھی تصویر ہی کا حکم رکھتی ہیں اور عام تصویروں کی طرح ان کا حکم بھی حرام وممنوع ہونے ہی کا ہے، اور ان میں اگر فحش و بے حیائی بھی ہو تو اس کی حرمت مزید ہو جاتی ہے، اور یہ کہ موجودہ حال میں ٹیلی ویژن ایک خطرہ ہے اور اس کو علماء کرام کی رہنمائی میں اگر اسلامی طریقہ کے مطابق ڈھال لیا جائے تو خوب ورنہ اس کی حرمت واضح ہے۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

---

(۱) فتاوی اسلامیہ: ۳۷۸/۴

چند اہم فتاویٰ

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عام لوگوں سے زیادہ قوت دی گئی تھی؟

ایک روایت کی تحقیق

تمہید سخن

میرے چند احباب نے مجھے اس طرف متوجہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس مردوں کی قوت دئے جانے کی بات پر کسی صاحب نے اخبار میں ایک مسجد کے خطیب صاحب پر اشکال کیا ہے، یہ مضمون روز نامہ سالار بابت: ۱۸/ شعبان ۱۴۲۸ھ مطابق یکم ستمبر ۲۰۰۷ء سنیچر کو شائع ہوا ہے، اس مضمون میں چاند باشا نامی صاحب نے لکھا ہے کہ ''میں نے 24-8-07 جمعہ کی نماز آر ٹی نگر، مسجد اعلی، بنگلور میں ادا کی، خطبہ کے دوران خطیب صاحب نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بتائی کہ ''میری طاقت عام آدمیوں کی طاقت سے زیادہ ہوتی ہے'' میں خطیب صاحب سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ بات آپ نے کسی حدیث کی کتاب یا کون سی قرآنی آیات سے لی ہے؟ اگر یہ روایت ہے تو راوی کون ہیں؟ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہم لوگ بیانوں، خطبوں میں ایسی باتیں سنتے ہیں جو

ہماری سوچ وعقل کے باہر ہوتی ہیں اور نہ ہم خطیب صاحب سے یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ اس کا مطلب کیا ہے یا یہ بات آپ نے کہاں سے لی ہے؟(۱)

اس کو پڑھنے کے بعد دل میں ایک داعیہ پیدا ہوا کہ اس کے بارے میں جواب لکھوں؛ کیوں کہ اس طرح کی باتیں اور علما سے غائبانہ سوالات کا ایک سلسلہ آج کل کی اخباری دنیا میں ایک فیشن بن گیا ہے اور اس سے علما سے بدظنی اور ان کی ناقدری وتحقیر کا ایک نامبارک اور یہودیانہ طریقہ جاری کر دیا گیا ہے؛ لہٰذا اس کا جواب دینا مناسب معلوم ہوا؛ لیکن میں اس کا جواب دینے سے پہلے چند باتوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں جو صرف اس موقعہ کے لیے نہیں بل کہ اور مواقع پر بھی ملحوظ رکھے جانے کے قابل ہیں۔

پہلی بات

ایک تو یہ کہ جس کے کلام سے کوئی سوال یا شبہ پیدا ہو جواب اسی سے طلب کرنا چاہئے تاکہ جواب ہو تو معلوم ہو جائے اور نہیں ہے تو اس کی اصلاح ہو جائے، اس کے بجائے اخبار میں سوال بھیج دینا کوئی معقول بات نہیں ہے:

(۱) ایک تو اس وجہ سے کہ ہوسکتا ہے کہ جس سے آپ سوال کرنا چاہتے ہیں وہ اس اخبار کو نہ پڑھتے ہوں اور یہ بھی امکان ہے کہ جس دن کے اخبار میں آپ کا سوال چھپا ہے اس دن کا اخبار ان کی نظروں سے نہ گزرے اور یہ بھی بعید نہیں کہ وہ اخبار تو نظر سے گزرے؛ مگر آپ کا سوال نظروں سے چوک جائے اور آپ اخبار میں سوال کر کے اس امید پر بیٹھے رہیں کہ جواب آئے گا اور آپ کو جواب نہ ملے، اگر آپ براہ راست سوال کرتے تو آپ کو ہوسکتا ہے کہ اس کا جواب مل جاتا اور آپ کو

(۱) اخبار سالار: بابت: ۱۸/ شعبان ۱۴۲۸ھ مطابق یکم ستمبر ۲۰۰۷ء

تسلی وتشفی ہوجاتی اوراشکال دور ہوجاتا۔

(۲) دوسرے اس لیے کہ سوال نظروں سے نہ گزرنے کی وجہ سے ظاہر ہے کہ وہ مولانا تو جواب نہیں دیں گے اور جواب نہ ملنے سے آپ اپنے بارے میں اس خوش فہمی میں مبتلا رہیں گے کہ میں نے ایسا سوال کردیا ہے جس کا جواب دینے سے علما عاجز ہیں ،حال آں کہ بات اس کے خلاف بھی ہوسکتی ہے کہ آپ کا سوال ہی غیر معقول ہو اور اس کا جواب مدلل موجود ہو جو ان کے سامنے سوال پیش کرنے پر دیا جاتا۔

(۳) تیسرے اس لئے کہ جواب نہ ملنے پر آپ علما کے بارے میں اس بدگمانی میں ہوں گے کہ علما کو علم نہیں ،عقل نہیں وغیرہ ،کیا یہ معقول بات ہے کہ سوال تو ان کے سامنے پیش نہ کیا جائے اور جواب کے امیدوار ہوں اور جب جواب نہ ملے تو بدگمانی میں مبتلا ہوجائیں؟

دوسری بات

دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے اخبار میں دین کے بارے میں سوال وشبہ پیش کردیا اور ایسے انداز سے پیش کیا کہ یہ دین کی بات گویا بے حقیقت ہے اور ظاہر ہے کہ اخبار بہت سے لوگ پڑھتے ہیں، اگر اخبار پڑھنے والوں میں سے کوئی شخص آپ کی طرح شبہ میں گرفتار ہوگیا اور جواب تو اس کے پاس نہیں ہے جس طرح آپ کے پاس نہیں ہے؛ لہٰذا وہ دین کی ایک بات میں آپ کی وجہ سے شبہ میں پڑ جائے گا، اب شبہ پیدا ہوجانے کے بعد اس کو جواب میسر آئے گا یا نہیں کیا خبر؟ اور اگر اخبار میں جواب دیا بھی گیا تو اس اخبار کو وہ شخص پڑھے گا یا نہیں کیا معلوم؟ تو اس رویہ سے معلوم نہیں کتنے لوگ بے ایمانی کا شکار بنتے جارہے ہیں اور اس سب کا وبال ان پر آئے گا جو اس طریقہ کو اپناتے ہیں۔

تیسری بات

تیسری بات یہ عرض کرنا ہے کہ دین کے بارے میں معلومات نہ ہوں تو اپنے کو علما کا محتاج سمجھ کر ان سے استفادہ کیا جائے تو یہ بڑے اونچے درجہ کی بات ہے اور اس پر ثواب عظیم کا وعدہ ہے؛ مگر استفادے کے بجائے اعتراض و انکار؛ بل کہ توہین و تحقیر کا لب و لہجہ استعمال کرنا جیسا کہ آپ کے طرز عمل سے جھلک رہا ہے، آدمی کو استفادے سے محروم کر دیتا ہے اور یہ طرز عمل ایک تو اس وجہ سے برتنے والا برتتا ہے کہ علماء اور ان کے علم کی قدر نہیں ہوتی اور دوسرے اس لئے کہ خود کے اندر علما کے مقابلے میں تکبر ہوتا ہے اور ایسے لوگ اسی متکبرانہ انداز سے علما سے سوال کا جواب بھی طلب کرتے ہیں جیسا کہ آپ نے اخبار کے ذریعہ کیا تو کیا اس طرز عمل کے باوجود علما پر لازم ہے کہ وہ جواب دیں؟ نہیں، جواب دینا لازم اس وقت ہے کہ سائل طلب لیکر سوال کرے، تکبر سے سوال کرنے پر جواب دینا لازم نہیں، اسی لیے عام طور پر اخبارات میں آئے دن جو طرح طرح کے سوالات قائم کر کے علما سے جواب کا مطالبہ کیا جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ علما اس کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے، اس لیے اس کے جواب میں بھی مشغول نہیں ہوتے، الّا یہ کہ کوئی شرعی و دینی ضرورت محسوس کریں۔

آپ غور کریں کہ کیا اگر سائنس کی کسی تحقیق کے بارے میں کسی سائنس داں سے جانکاری لینا ہو تو آپ کسی ایک اخبار میں سوال بھیج کر بیٹھ جاتے ہیں کہ کوئی سائنس داں میرا جواب دے؟ یا یہ کہ آپ سائنسی ادارے کو سوال لکھ کر بھیجتے ہیں؟ اور کیا کوئی سائنسی ادارہ آپ کے اخبار میں سوال پر جواب کی زحمت گوارا کرے گا؟ سوچیے اور فرمائیے کہ اگر سائنس کے مسئلہ کی تحقیق کے لئے پہلا طرز عمل درست نہیں تو دینی باتوں کی تحقیق کے لئے یہ طرز عمل کس بنیاد پر صحیح ہے؟ پھر الحمد للہ دین کی

معلومات بہم پہنچانے لیے جگہ جگہ مدارس ہیں اوران میں دار الفتوی بھی موجود ہے وہاں ایک خط لکھ کر بھی معلوم کیا جا سکتا ہے،اور معلوم کرنے والے الحمدللہ معلومات کرتے رہتے ہیں۔

چوتھی بات

چوتھی بات یہ عرض ہے کہ کسی بات کا ہماری سمجھ میں نہ آنا اس کے انکار کی وجہ تو نہیں ہوسکتی؟ نہ اس میں شک کا جواز پیدا کرتی ہےاور نہ تعجب وحیرت کی بات ہے؛ کیوں کہ بے شمار باتیں خود دنیا کی ایسی ہیں جو ہماری سمجھ سے باہر ہوتی ہیں؛ مگر ہم ان کو مانتے ہیں،مثلا کمپیوٹر کیا حیرت انگیز ایجاد اور بہت سارے دماغوں کے لیے نا قابل یقین چیز نہیں ہے؟ مگر چوں کہ سامنے ہےاورآنکھیں اس کو دیکھ رہی ہیں اس لیے اس کو آدمی مان رہا ہے، نیز کمپیوٹر کی CD جو انتہائی مختصر اور چھوٹی ہونے کے باوجود اپنے اندر لاکھوں چیزوں کو سمونے کی گنجائش رکھتی ہے، کیا یہ سب باتیں سب انسانوں کی عقل میں یکساں طور پر آجاتی ہیں؟ نہیں؛ مگر مشاہدہ ہونے کی وجہ سے لوگ مانتے ہیں،اسی طرح کوئی ضروری نہیں کہ دین کی ہر بات ہماری سمجھ میں آجائے، بہت سے لوگوں کو معراج کا واقعہ اپنی سمجھ سے بالا معلوم ہوتا ہے،کیا اس کا بھی انکار کیا جائے گا یا اس کو شک کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا؟ کفار مکہ کو اس پر بھی حیرت وتعجب رہا کہ اللہ تعالے انسان کو مر جانے اور مٹی میں ملجانے اور گل سڑ جانے کے بعد قیامت میں دوبارہ کیسے پیدا کرے گا؟ اور اسی تعجب وحیرت کی بنا پر انھوں نے قیامت میں دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کردیا۔اسی طرح کفار کو اس پر بھی حیرت ہوئی اور رہی کہ اللہ تعالے ایک انسان کو کیونکر نبی ورسول بنا سکتا ہے؟ اور اسی لیے وہ انسان کو نبی و رسول ماننے تیار نہ ہوئے۔

الغرض کسی بات کا ہماری عقل میں نہ آنا یا اس کا حیرت انگیز ہونا نہ انکار کا موجب ہے اور نہ شک وشبہ کا سبب، ورنہ یہ کفار ومشرکین جنہوں نے حشر ونشر کا اور انبیا کا انکار کیا یا اس میں شک کیا وہ قابل معافی ہوتے؟ حال آں کہ وہ اللہ ورسول کی نظر میں اور دین کے اصول وقواعد کے لحاظ سے کافر ہیں اور قابل سرزنش ہیں۔ معلوم ہوا کہ محض کسی بات کے ہماری سمجھ میں نہ آنے پر اس کا انکار یا اس پر شک وشبہ کرنا ہر گز جائز نہیں؛ بل کہ اس میں ایمان کے لئے خطرہ ہے۔

پانچویں بات

پانچویں بات یہ بتانا ہے کہ کسی کو بھی اپنی عقل پر اس قدر بھروسہ کر لینا کہ اس کو معیار رد وقبول قرار دیدے، جائز نہیں؛ بل کہ یہ بھی دماغ میں رکھنا چاہئے کہ ہماری عقل سے بڑی عقل والے بھی ہیں، علما کرام جو قرآن وحدیث اور علوم شرعیہ پڑھتے ہیں ان کی عقل بالخصوص دین کے معاملات میں عام لوگوں سے عام طور پر بڑھی ہوئی ہوتی ہے، جس طرح دنیوی معاملات میں ان چیزوں کا تجربہ رکھنے والوں کی عقل بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور اسی لیے عالم بھی جاہل بھی جب کسی دنیوی لائن کی بات میں اپنی سمجھ کو ناقص دیکھتا ہے تو اس کے ماہرین کی طرف رجوع کرتا ہے اور ان کی باتوں پر اعتماد کرتا ہے اور کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو اپنی عقل کا قصور خیال کرتا ہے؛ مگر افسوس کہ دین کے معاملہ میں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے بڑا کوئی نہیں، حتی کہ علما دین کی بات بلا کسی دلیل کے محض اس وجہ سے رد کر دیتے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آئی، یہ نہیں سوچتے کہ یہ ہماری عقل کا قصور ہے؛ بل کہ اپنی سمجھ میں نہ آنے کو علما کی عقل کا قصور خیال کرتے ہیں اور یہ خود بھی ایک بے عقلی کی بات ہے کہ آدمی اپنی بے عقلی کو دوسرے کی بے عقلی سمجھ بیٹھے۔

اب حوالہ سن لیجئے

ان تمہیدی گزارشات کے بعد میں آپ کے سوال کی طرف آتا ہوں کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عام لوگوں سے زیادہ طاقت دی گئی تھی؟ جواب یہ ہے کہ ہاں آپ کو عام لوگوں کے لحاظ سے عام جسمانی قوت بھی اور مردانی قوت بھی زیادہ عطا کی گئی تھی اور اس سلسلے میں روایات آئی ہیں۔

عام قوت کے بارے میں یہ روایت بہت معروف ہے اور متعدد کتب حدیث و تاریخ میں محفوظ ہے کہ آپ نے رکانہ نامی پہلوان سے ان کے مطالبہ پر کشتی کی اور یہ رکانہ اس زمانے کے لوگوں میں سب سے زیادہ سخت اور طاقت ور آدمی تھے، آپ نے ان کو پچھاڑ دیا، انہوں نے کہا کہ ایک مرتبہ اور کشتی کریں آپ نے دوسری بار بھی ان کو پچھاڑ دیا پھر اسی طرح تیسری دفعہ بھی ہوا، تو وہ اسلام لے آئے۔ (۱)

دیکھیے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو عام لوگوں سے زیادہ عام جسمانی قوت اللہ نے دی تھی اور اسی لئے آپ نے اس پہلوان مرد کو جس کا اس زمانے میں کوئی مد مقابل نہ تھا تین دفعہ مسلسل پچھاڑ دیا تھا۔

اور مردانی قوت کے بارے میں بعض روایات میں ہے کہ آپ کو تیس مردوں کی قوت دی گئی تھی اور بعض میں چالیس کا ذکر ہے، ہم ان روایات کا یہاں حوالہ پیش کرتے ہیں۔

تیس مردوں کی قوت کا آپ کو حاصل ہونا ان روایات میں وارد ہے:

---

(۱) سنن بیہقی: ۱۰/۱۸، مصنف عبد الرزاق: ۱۱/۴۲۷، مراسیل ابی داؤد: الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۲/۴۹۷، اسد الغابۃ: ۱/۳۷۲، طبقات ابن سعد: ۱/۳۷۴

(۱) محدث عبدالرزاق رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« أعطيت الكفيت، قيل: وما الكفيت ؟ قال: قوة ثلاثين رجلا في البضاع، وكان له تسع نسوة وكان يطوف عليهن جميعا في ليلة. »

(مجھے ''کفیت'' عطا کیا گیا، آپ سے پوچھا گیا کہ کفیت کیا ہے؟ فرمایا کہ جماع میں تیس مردوں کے برابر قوت، حضرت انس کہتے ہیں کہ آپ کی نو بیویاں تھیں اور آپ ایک رات میں ان سب پر چکر لگا لیتے تھے۔)(۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بارے میں یہ واضح کردیا تھا کہ آپ کو اللہ کی جانب سے مردانی قوت بہت زیادہ دی گئی ہے اور وہ تیس مردوں کے برابر ہے۔

(۲) متعدد محدثین کرام نے صحیح صحیح سندوں کے ساتھ حضرت قتادۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

" أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كان يدور على نسائه في الساعة من الليل والنهار وهن إحدى عشرة، قال : قلت لأنس : فهل كان يطيق ذلك؟ قال : كنا نتحدث أنه أعطي قوة ثلاثين. "

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن و رات کے ایک حصہ میں اپنی

(۱) مصنف عبد الرزاق: ۷/۵۰۷

تمام عورتوں پر چکر لگا لیتے تھے اور وہ گیارہ عورتیں تھیں، قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ اس کی طاقت رکھتے تھے؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم (صحابہ) کہا کرتے تھے کہ آپ کو تیس آدمیوں کی قوت دی گئی ہے۔)(۱)

یہ حدیث جسے امام بخاری رحمہ اللہ جیسے بلند پایہ محدث نے صحیح سند سے اپنی صحیح میں درج کیا ہے اور دیگر محدثین نے بھی جن کا حوالہ لکھ آیا ہوں، صحیح و جید سندوں کے ساتھ روایت کیا، یہ بتا رہی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عام طور پر صحابہ بھی یہی سمجھتے تھے کہ آپ کو تیس مردوں کے برابر قوت دی گئی ہے۔

آپ کو چالیس مردوں کی قوت کا دئے جانے کا ذکر بھی متعدد احادیث میں آیا ہے: (۱) مسند ابو یعلی میں بسند صحیح حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

" أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يدور على نسائه في الساعة من الليل والنهار وهن إحدى عشرة ، قال : قلت لأنس : فهل كان يطيق ذلك ؟ قال : كنا نتحدث أنه أعطي قوة أربعين ."

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن و رات کے ایک حصہ میں اپنی تمام عورتوں پر چکر لگا لیتے تھے اور وہ گیارہ عورتیں تھیں، قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ اس کی

(۱) بخاری: ۲۶۵، مسند احمد: ۱۴۱۴۱، صحیح ابن خزیمہ: ۱/۱۱۵، صحیح ابن حبان: ۴/۸، مسند ابویعلی: ۵/۳۱۸، سنن نسائی کبری: ۵/۳۲۸، سنن بیھقی: ۷/۵۴

طاقت رکھتے تھے؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم (صحابہ) کہا کرتے تھے کہ آپ کو چالیس آدمیوں کی قوت دی گئی ہے۔)(۱)

(۲) امام طبرانی رحمہ اللہ نے ''معجم اوسط'' میں حضرت عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ (یعنی حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے) روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''أعطيت قوة أربعين في البطش والنكاح .'' الخ

(مجھے پکڑنے اور نکاح کرنے کے سلسلہ میں چالیس مردوں کی قوت دی گئی ہے۔)(۲)

مگر اس کی سند ضعیف ہے؛ کیوں کہ اس کی سند میں ایک راوی مغیرہ بن قیس ہے جو ضعیف ہے۔(۳)

(۳) حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ابو نعیم رضی اللہ عنہ نے اور حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ سے ابن سعد رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'' أتاني جبريل بقدر، يقال لها الكفيت، فأكلت منها أكلة، فأعطيت قوة أربعين رجلا في الجماع .''

(میرے پاس جبریل ایک قسم کے کھانے کی ہانڈی لے کر آئے جس کو ''کفیت'' کہا جاتا ہے، میں نے اس میں سے ایک لقمہ کھایا، تو مجھے جماع میں چالیس مردوں کے برابر قوت عطا فرمائی گئی۔)(۴)

---

(۱) مسند ابو یعلی: ۴۵٦/۵ واسنادہ صحیح، وبیهقی: ۵۴/۷
(۲) المعجم الاوسط: ۱۷۸/۱
(۳) مجمع الزوائد: ۲۹۳/۴ و ۲٦۹/۸
(۴) حلية الاولياء: ۳۷٦/۸ و طبقات ابن سعد : ۱۹۲/۸

(۴) حضرت طاؤس رحمہ اللہ جو ایک تابعی ہیں ان سے بھی مرسلا مروی ہے کہ: ''أعطي رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قوة أربعين رجلا في الجماع'' (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جماع میں چالیس مردوں کی قوت دی گئی تھی) اور عبد الرزاق میں شک کے ساتھ ہے کہ: '' قوة أربعين أو خمسة و أربعين '' (چالیس کی یا پینتالیس کی۔)(۱)

یہ اس سلسلہ کی چند روایات ہیں، جن سے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قوت و طاقت میں عام لوگوں سے بہت بڑھا ہوا ہونا واضح ہوتا ہے، اب رہا یہ سوال کہ روایات میں تیس کا بھی ذکر ہے اور چالیس کا بھی تو کون بات صحیح ہے، اس کے بارے صحت روایت کے اعتبار سے تیس والی بات زیادہ صحیح ہے، تاہم ان میں تطبیق بھی ممکن ہے، وہ اس طرح کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اولا تیس مردوں کی قوت دی گئی ہو اور پھر بعد میں اس میں اور اضافہ کر کے چالیس کی قوت دیدی گئی ہو۔ واللہ اعلم

آخری بات

اس جواب کے بعد آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ آپ کو اس بات پر کیوں حیرت و تعجب ہوا کہ ''اللہ کے نبی کو عام لوگوں سے زیادہ طاقت دی گئی ہے'' یہ تو کسی بھی قسم کے تعجب کی بات ہی نہیں ہے؛ بل کہ عقل و ایمان کا تقاضا ہے اور آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہیں؛ بل کہ جملہ انبیا کو اللہ تعالے نے عام لوگوں سے ہر چیز میں نمایاں طور پر پیدا کیا، یہ حضرات تھے تو بشر و انسان؛ مگر بشریت و انسانیت کے سب سے بلند ترین مقام پر فائز تھے، ان کے ظاہری کمالات

(۱) مصنف عبد الرزاق: ۵۰۶/۷، مسند حارث: ۸۷۷/۲، طبقات ابن سعد: ۳۷۴/۱

سے لے کر باطنی کمالات تک سب باتیں حیران کن و تعجب خیز ہی تھیں، عقل و علم ایسا کہ کسی کا ایسا نہیں، جب کہ کسی استاد سے وہ پڑھتے نہیں، اخلاق ایسے کہ کوئی ان کے گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا، زبان میں فصاحت و بلاغت ایسی کہ جادو کو مات کر دے، صورت کا نقشہ اور حسن ایسا کہ دنیا میں کوئی اس کی نظیر نہیں اور چاند بے نور معلوم ہو، الغرض نبی کی ہر ہر بات ایک معجزہ ہوتی ہے اور آپ کو صرف اسی ایک بات پر کیا اور کیوں تعجب ہوا؟ کیا آپ اللہ کے نبی کی عقل کو عام لوگوں کی عقل کے برابر اور آپ کے علم کو عام لوگوں کے علم کے برابر اور آپ کے اخلاق کو عام لوگوں کے اخلاق کی طرح اور آپ کے حسن و جمال کو عام لوگوں کے حسن و جمال کے برابر سمجھتے ہیں؟ اگر ایسا سمجھتے ہیں تو یہ بات ایک مومن سے بعید ہے، اسی طرح قوت و طاقت میں بھی اللہ کے نبی کو عام لوگوں سے برتری و فوقیت دی جائے تو یہ عین عقل و ایمان کا تقاضا ہے، کہ نبی ایسا ہی نمایاں ہونا چاہئے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالے مسلمانوں کو علم و عقل بھی دے اور علم اور اہل علم کی قدر بھی دے، ادب ولیاقت بھی دے، اور یہود و کفار کی سازشوں کا شکار ہونے سے بچائے۔ آمین۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رمضان کی فجر میں جلدی کرنے کا حکم

ہمارے ان علاقوں میں رمضان المبارک کی فجر کی نماز غلس یعنی اندھیری میں پڑھ لینے کا بہت سے مقامات پر رواج ہے اور اس میں مصلحت یہ ہے کہ لوگ سحری کے بعد آرام کرنے کے متمنی ہوتے ہیں، اگر نماز فجر کو اسفار میں پڑھنے کا اہتمام کیا جائے گا تو ممکن ہے کہ بہت سے لوگ یا تو نماز ہی نہ پڑھیں کہ نیند ان کو اپنی آغوش میں لے لے گی یا وہ جماعت سے محروم رہ جائیں۔

اب سوال یہ ہے کہ حضرات علما احناف کے نزدیک فجر کی نماز کو دیر سے یعنی اسفار میں پڑھنا افضل ہے، تو کیا رمضان میں اس کے خلاف جلدی پڑھ لینے کی گنجائش ہے اور کیا اس جلدی پڑھ لینے سے نماز مکروہ یا کم از کم غیر مستحب قرار پائے گی یا نہیں؟

یہ سوال مجھ سے بہت سے لوگوں نے کیا اور برابر یہ سوال لوگوں میں سے بعض مسائل سے واقف حضرات کے مابین اُٹھا ہوا ہے، احقر کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً: تو یہ مسئلہ کہ فجر کی نماز غلس یعنی اندھیری میں پڑھنا افضل ہے یا اسفار یعنی سفیدی ہونے کے بعد افضل ہے، خود اختلافی ہے۔ صحابہ میں سے حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت ابو موسیٰ، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت انس بن

مالک، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ غلس (اندھیری) میں پڑھنا افضل ہے اور ائمہ میں امام شافعی امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے اور اس کے برخلاف اسفار میں پڑھنے کا افضل ہونا صحابہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے اور ابراہیم نخعی، امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام سفیان ثوری رحمہم اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

جب غلس میں پڑھنے کو بہت سے صحابہ اور ائمہ افضل قرار دیتے ہیں تو کسی دینی وشرعی مصلحت سے رمضان مبارک میں اس پر عمل کرنا بلاشبہ درست ہوگا۔

ثانیاً: ہمارے بعض علما نے تصریح کی ہے کہ تمام نمازوں میں افضل یہی ہے کہ اول وقت میں ادا کی جائیں الا یہ کہ تاخیر میں کوئی فضیلت کی بات حاصل ہو، جیسے جماعت کی کثرت کہ اگر جماعت بڑھانے کے لیے تاخیر کریں تو ٹھیک، ورنہ تمام نمازوں کا اول وقت ہی میں ادا کرنا افضل ہے۔

علامہ شامی رَحِمَہُ اللہُ نے لکھا ہے:

" ذكر شراح الهداية وغيرهم في باب التيمم أن أداء الصلوة في أول الوقت أفضل إلا إذا تضمّن التاخيرُ فضيلةً لا تحصل بدونه كتكثير الجماعة ، ولهذا كان أولى للنساء أن يصلين فى أول الوقت؛ لأنهن لايخرجن إلى الجماعة."

(شراح ہدایہ اور دیگر علما نے تیمّم کے باب میں ذکر کیا ہے کہ اول وقت میں نماز کی ادائیگی افضل ہے الا یہ کہ تاخیر کسی ایسی فضیلت کو شامل ہو جو اس کے بغیر حاصل نہ ہوسکتی ہو، جیسے جماعت کی تکثیر اور اسی لیے

عورتوں کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ اول وقت میں نماز پڑھ لیں ؛ کیوں کہ وہ جماعت کے لیے باہر نہیں نکلتیں ۔)(۱)

اس اصول پر اگر چہ بعض علما نے بحث کی ہے جیسا کہ ثقافی نے اوران کی تائید میں ابن نجیم نے مگر دوسرے علما جیسے ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے شراح ہدایہ کی بات کی پوری تائید کی ہے۔

چناں چہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے منحۃ الخالق میں فرمایا ہے:

” إن المواضع التي صرح أئمتنا فيها باستحاب التأخير كلها متضمنة فضيلةً ، فمنها تأخير الفجر إلى الإسفار لما فيه من تكثير الجماعة ، وتوسيع الحال إلى النائم و الضعيف في إدراك فضل الجماعة الخ .“

(ہمارے علما نے جن موقعوں پر تاخیر کے مستحب ہونے کی تصریح کی ہے وہ سب کے سب کسی نہ کسی فضیلت کو شامل ہیں، جیسے فجر کی نماز میں اسفار تک تاخیر کرنا اس لیے کہ اس میں جماعت زیادہ ہوگی اور سونے والے اور ضعیف آدمی کو جماعت کی فضیلت پانے میں سہولت ہوگی ۔)(۲)

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے درمختار میں بھی اسی بات کو پوری قوت کے ساتھ پیش کیا ہے۔(۳)

(۱) شامي: ۱/۳٦۷

(۲) منحة الخالق على البحر الرائق : ۱/۱۵۵

(۳) شامي: ۱/۲۳۹

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ ہمارے علما کے نزدیک بھی اول وقت نماز ادا کرنا ہی مستحب ہے اور بعض نمازوں میں جو تاخیر کو مستحب قرار دیا ہے یہ اس وجہ سے کہ اس تاخیر سے جماعت کثیر ہوگی ورنہ تاخیر کرنا مستحسن نہ ہوگا۔

اس اصول پر جب ہم غور کرتے ہیں تو اس کے مطابق رمضان کی فجر کا غلس میں پڑھنا مستحب قرار پاتا ہے؛ کیوں کہ رمضان میں فجر میں سحری کے بعد سبھی لوگ مساجد میں جمع ہو جاتے ہیں اور جماعت کثیر ہوتی ہے اور وہ فائدہ غلس ہی میں متحقق ہو جاتا ہے جس کے حصول کے لیے فقہا نے فجر میں تاخیر کو مستحب قرار دیا تھا اور تکثیر جماعت کے لیے تاخیر کی ضرورت نہیں رہتی جو عام دنوں میں رہتی ہے اور پھر جب کہ تاخیر سے جماعت کے کم ہو جانے کا اندیشہ و خطرہ بھی ہے جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں؛ کیوں کہ لوگ سحری کے بعد آرام کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں اور اس کی ضرورت بھی رہتی ہے اور بہت سوں پر نیند کا غلبہ بھی ایسا شدید ہوتا ہے کہ اگر جماعت میں تاخیر کی جائے تو وہ سب نیند کے آغوش میں پہنچ جاتے ہیں اور جماعت ہی سے نہیں، بل کہ خود نماز سے بھی محروم رہ جاتے ہیں تو پھر جلدی نماز پڑھنا ہی مستحب ہوگا؛ لہٰذا ہمارے ان علاقوں کا یہ طریقہ کہ رمضان کی فجر غلس میں پڑھ لیتے ہیں درست اور صحیح اور اصول فقہ کے مطابق ہے۔

فقط

حررہ العبد شعیب اللہ خان

۴/ رمضان ۱۴۱۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چند اہم فتاوی
صدیق دیندار اور دیندار انجمن

سوال

علما دین مفتیان شرع متین مندرہ ذیل مسائل کے سلسلے میں شریعت کی روشنی میں کیا فرماتے ہیں:

(۱) صدیق دیندار چن بسویشور کیا قادیانی تھا اور دیندار انجمن کیا قادیانی فرقہ ہے۔

(۲) صدیق دیندار چن بسویشور اور دیندار انجمن کے ارکان کے سلسلے میں علمائے دین کا کیا فتوی ہے۔

(۳) دیندار انجمن کے ساتھ مسلمانوں کا کیا رویہ ہونا چاہئے۔

(۴) دیندار انجمن کے اراکین اور صدیق دیندار کو ماننے والے بھی کلمہ پڑھتے ہیں اس کا کیا حکم ہے۔

اس سلسلہ میں علما کا کیا فتوی ہے رہنمائی کے طالب ہیں۔

طالب فتوی

مرکزی مشاورت، ٹمکور، کرناٹک

الجواب ومنه الحق الصواب

(۱) صدیق دیندار چن بسویشور جو حیدر آباد کا باشندہ تھا اور اس نے آصف نگر میں ایک خانقاہ بنام ''خانقاہ سرور عالم'' یا ''جگت گرو آشرم'' قائم کی تھی وہ قادیانی تھا اور مرزا غلام احمد قادیانی جیسے جھوٹے مدعی نبوت کو سچا مانتا تھا اور آخر تک اس کی صداقت پر ایمان رکھتا تھا، اس کا ثبوت خود صدیق دیندار کی کتابوں سے ہوتا ہے۔

چناں چہ وہ اپنی کتاب ''مہر نبوت'' میں لکھتا ہے:

''نبیوں کے اسرار مجھ پر کھلنے کے دو اسباب ہیں: پہلا سبب یہ کہ فقیر ۱۹۰۸ء میں فتنۂ دجال سے کما حقہ واقف ہو کر جستجوئے مسیح میں تھا، ۱۹۱۴ء میں مسیح (مرزا غلام احمد) کو پایا اور نہایت مخلصانہ طور پر اٹھائیس سال کی عمر میں ترک دنیا کر کے مزید حصول علم کے لیے قادیان پہنچا اور مرزا صاحب (غلام احمد قادیانی) کے تحریر کردہ دس ہزار صفحات سے جن میں تین سو جگہ مسئلہ نبوت کو حل کرنے کی کوشش کی گئی، پورا پورا واقف ہو گیا، اس طرح ''اسرار نبوت'' کے کھلنے کا اس فقیر پر یہ پہلا سبب ہے۔''(۱)

نیز قادیانی خلافت کے دوسرے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود کے ہاتھ پر صدیق دیندار کے بیعت ہونے اور اس کو خلیفہ ماننے پر درج ذیل بیان شاہد ہے، صدیق دیندار لکھتا ہے:

''گزشتہ تین سال میں میاں (محمود احمد) صاحب کے نام میں نے متعدد خطوط بھیجے اور بارہا لکھا کہ ''دکن کے اولیاء اللہ'' (یعنی ہندو سادھو وغیرہ) کے کتب پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ایک شخص شمال میں ویرسنت

---

(۱) مہر نبوت: ۲۵

(اولوالعزم) محمود نامی پیدا ہوگا، وشنو (غلام احمد قادیانی) کی گاڑی پر بیٹھے گا۔(۱)

اسی کتاب میں خلیفۂ قادیان میاں محمود احمد کو لکھا ہے کہ: ''اے خلیفہ جماعت احمدیہ! میں آپ کو ایک زمانہ سے جانتا ہوں کہ آپ متقی ضرور ہیں''۔(۲)

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ صدیق دیندار مرزا غلام احمد قادیانی کی صداقت کا اور اس کے خلیفہ و بیٹے مرزا بشیر الدین محمود کا قائل تھا۔

اور اس کی ایک مزید دلیل یہ ہے کہ اس نے اپنے متعلق جو دعوے ''یوسف موعود'' وغیرہ کے کیے ہیں ان کے لیے زیادہ تر مرزا غلام احمد قادیانی کی عبارتوں اور پیش گوئیوں سے استدلال کیا ہے، جیسا کہ اس کی کتابوں سے واضح ہے؛ لہٰذا صدیق دیندار کے قادیانی اور کافر و مرتد ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

بل کہ اس سے آگے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ 'دیندار انجمن' کی تحریک دراصل قادیانی تحریک ہی کا ایک جز اور حصہ ہے، چناں چہ صدیق دیندار نے قادیان کے نائب ناظر دعوت و تبلیغ کے ایک خط کا ذکر کیا ہے جس سے یہ راز طشت از بام ہو جاتا ہے، وہ خط یہ ہے:

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

''عرض یہ ہے کہ مجلسِ مشاورت کے بعد آئندہ سال کے پروگرام میں دکن کی طرف وفد بھیجنے کی کوئی کوشش کی جائے گی، بہ ہر حال آپ کام کرتے رہیے ....کام کی رپورٹ براہ کرم ضرور بھیج دیا

(۱) خادم خاتم النبیین: ۱۰

(۲) خادم خاتم النبیین: ۷۳

کریں اور مشکلات اور نتائج سے آگاہ کرتے رہیں۔'' فقط (۱)

اس کے بعد کیا کوئی ذی عقل و ہوش انسان اس میں شک کر سکتا ہے کہ دیندار انجمن کی تحریک قادیانی تحریک کا حصہ ہے۔ حاصل یہ کہ صدیق دیندار فی الواقع قادیانی تھا اور اس تحریک کا داعی و مبلغ تھا، پھر مرزا کی عبارات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کبھی اپنے آپ کو یوسف موعود کہا اور کبھی اپنے آپ کو خدا ہی بتا دیا۔

(۲) صدیق دیندار جیسا کہ عرض کیا گیا قادیانی تھا؛ نیز اس نے متضاد و متعدد دعوے کئے جن میں سے بعض دعوے یقیناً کفر ہیں؛ لہٰذا یہ شخص کافر و مرتد تھا؛ اور جو اس کو سچا مانے وہ بھی بالیقین کافر و مرتد ہے؛ اس لئے علما اسلام صدیق دیندار اور اس کے ماننے والوں کو کافر قرار دیتے ہیں۔

چناں چہ عالم اسلام کے مشہور مفتی حضرت مولانا رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> ''چوں کہ حضور علیہ السلام کے بعد چن بسویشور مدعی نبوت نیز یوسف موعود اور مأمور وقت اور دیگر انبیا کرام علیہم السلام کے مثیل ہونے اور اس سے بڑھ کر اپنے اندر حلول خدا کا مدعی ہے اس لیے چن بسویشور کافر و مرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے اور اس کو نبی یا بزرگ یا مسلمان سمجھنے والا بھی کافر ہے، دیندار انجمن والے جو اپنے کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ان کو اپنا دینی پیشوا مانتے ہیں وہ بھی مرتد دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔''(۲)

(۱) خادم خاتم النبیین : ۷۸

(۲) احسن الفتاوی: ۱/۲۷۹

(۳) دیندار انجمن کے اراکین اور ان کو حق پر ماننے والے لوگ چوں کہ کافر ہیں اس لیے ان کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیئے جو مرزا غلام احمد قادیانی اور قادیانیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے؛ کیوں کہ یہ دونوں فی الواقع ایک ہی شجر کے برگ وبار ہیں؛ لہٰذا ان سے میل جول اور دوستانہ تعلقات حرام وناجائز ہیں، بل کہ ان سے لین دین اور معاملاتی تعلق بھی نہ رکھا جائے اور مسلمانوں کی مساجد میں آنے اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے سے ان کو روکا جائے جس طرح غیر مسلم کا حکم ہے۔

(۴) دیندار انجمن والے کلمۂ اسلام پڑھ کر لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں جس طرح قادیانی لوگ بھی کلمہ پڑھ کر لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں، بات دراصل یہ ہے کہ غلام احمد قادیانی جس طرح اپنے آپ کو نعوذ باللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز اور خود کے وجود کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانی قرار دیتا تھا اور ''محمد رسول اللہ'' سے نعوذ باللہ خود اپنے آپ کو مراد لیتا تھا، اسی طرح اس کا یہ چیلہ صدیق دیندار بھی نعوذ باللہ اپنے آپ کو حضور علیہ السلام کا بروز اور خود کے وجود کو آپ کی بعثت ثانی کہتا تھا۔

چنانچہ ''مہر نبوت'' میں لکھا ہے:

''دوسرے الفاظ میں اس ولی (صدیق دیندار) کے وجود میں بہ زمانۂ قیامت حضور منبع انوار خود تشریف لاتے ہیں اس حقیقت کی وجہ سے یہ بہ روزِ محمد کہلاتا ہے۔''(۱)

نیز صدیق دیندار اپنے اشعار میں مزید کہتا ہے:

---

(۱) مہر نبوت:۴۳

روز محمد ہے نبیوں کا حاکم

ہے مظہر خدا کا قرآن کا ہے عالم ❁ ہے قاضی شہر حوض کوثر کا قاسم (۱)

گویا وہ خود نعوذ باللہ ''محمد رسول اللہ'' ہے، اب یہ لوگ اگر کلمہ پڑھتے ہیں تو اس سے مراد مکہ میں پیدا ہونے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہوتے؛ بل کہ ''محمد'' کا نام کہہ کر نعوذ باللہ صدیق دیندار مراد ہوتا ہے؛ لہٰذا ان کے کلمہ پڑھنے سے اہل اسلام کو دھوکہ نہ کھانا چاہیے۔

غرض یہ کہ صدیق دیندرا چن بسویشور قادیانی تھا اور مرتد و کافر اور اس کے ماننے والے بھی کافر و مرتد ہیں، ان سے تعلقات دوستانہ رکھنا حرام ہے، اور دنیوی علقات جیسے لین دین بھی نہ رکھنا چاہئے۔ (ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب)

فقط

محمد شعیب اللہ عفی عنہ
(الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم، بنگلور)
۸/ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ

(۱) مہر نبوت: ۴۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رجب کے روزوں کی تحقیق

سوال

عوام الناس میں مشہور ہے کہ رجب کی ستائیسویں تاریخ کا روزہ ایک ہزار روزوں کے برابر ہے، کیا رجب کی ستائیسویں تاریخ میں روزوں کے بارے میں کوئی حدیث آئی ہے اور اگر آئی ہے تو اس کا درجہ کیا ہے؟ اور کیا رجب میں روزے کی کوئی فضیلت ثابت ہے؟

الجواب

رجب میں بلا تعیین یوم و تاریخ مطلقاً روزہ کے بارے میں چند احادیث وارد ہیں جن میں کچھ ضعف پایا جاتا ہے، امام بیہقی رحمہ اللہ نے "**شعب الایمان**" اور "**فضائل الأوقات**" میں اور دیگر علما نے اپنی کتابوں میں ان کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً:

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إن في الجنة نهراً يقال له رجب أشد بياضاً من اللبن وأحلى من العسل ، من صام من رجب يوماً سقاه اللّٰه من ذلك النهر."

(جنت میں ایک نہر ہے جس کو رجب کہا جاتا ہے، وہ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھی ہے، جو شخص رجب میں کسی دن کا روزہ رکھتا ہے اللہ تعالے اس کو اس نہر میں سے پلائیں گے۔)(۱)

(۲) ایک لمبی حدیث عبدالعزیز بن سعید کے واسطے سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے رجب کا ایک روزہ رکھا وہ ایسا ہے جیسے ایک سال کے روزے رکھا ہو اور جس نے رجب کے سات روزے رکھے اس سے جہنم کے ساتوں دروازے بند کر دئے جاتے ہیں اور جس نے آٹھ رکھے اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور جس نے دس رکھے وہ جو بھی اللہ تعالے سے سوال کرے گا اللہ اس کو عطا کریں گے، اور جس نے پندرہ دن کے روزے رکھے آسمان سے ایک منادی اس کو پکار کر کہتا ہے کہ تیرے پچھلے سب گناہ بخش دئے گئے؛ لہٰذا از سر نو عمل شروع کر، کہ تیری ساری برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئیں۔ الخ"(۲)

(۳) امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے "الموضوعات" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی کے قریب قریب ایک حدیث ذکر کی ہے، جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رجب ایک عظیم مہینہ ہے، جس نے اس کا ایک روزہ رکھا اس کے لئے اللہ تعالے ایک سال کے روزوں کا ثواب لکھتے ہیں اور جس نے دو روزے رکھے اس کے لیے اور خاص ستائیسویں میں روزے کے بارے میں بھی چند احادیث آئی ہیں جو انتہائی ضعیف ہیں:

(۱) شعب الایمان: ۳/۳۶۷، فضائل الاوقات: ۱/۹۱

(۲) شعب الایمان: ۳/۳۶۸، فضائل الاوقات: ۱/۹۳

(۱) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”في رجب يوم و ليلة ، من صام ذلك اليوم و قام تلك الليلة كان كمن صام من الدهر مائة سنة وقام مائة سنة، وهو لثلاث بقين من رجب و فيه بعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم .“

(ماہ رجب میں ایک دن اور رات ہے جو شخص اس دن میں روزہ رکھے اور رات میں قیام کرے وہ ایسا ہے جیسے اس نے ایک سال کے روزے رکھے ہوں اور ایک سال رات بھر قیام کیا ہو اور وہ رجب کی ستائیسویں ہے اور اس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔)(۱)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ”شعب الایمان“ میں اس کو مناکیر میں شمار کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں خالد بن الھیاج الھروی ہے، جس کے بارے میں شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ ایسا متروک راوی ہے جس سے ساری آفت ہے۔(۲)

(۲) خطیب نے تاریخ بغداد میں بروایت حبشون بن موسی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”من صام سبعة و عشرين من رجب كتب له صيام ستين شهراً وهو أول يوم نزل جبريل علیہ السلام على محمد بالرسالة .“ (۳)

---

(۱) شعب الایمان: ۳/۳۷۳، فضائل الاوقات: ۱/۹۶، مسند الفردوس: ۳/۱۴۲

(۲) ما ثبت بالسنة مترجم: ۱۷۱

(۳) تاریخ بغداد : ۸/۲۸۹

خطیب رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ حدیث حبشون کی روایت سے مشہور ہے اور یہ کہا جاتا تھا کہ اس کو بیان کرنے میں وہ متفرد ہے؛ مگر احمد بن عبداللہ النیر ی نے ان کی متابعت کی ہے۔

اور خطیب ہی کے حوالے سے اس کو ابن عساکر رحمہ اللہ نے تاریخ دمشق میں بھی روایت کیا ہے۔ (۱)

ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اس کو "العلل المتناھیة" میں وارد کر کے اولاً خطیب رحمہ اللہ کا مذکورہ کلام نقل کیا ہے پھر کہا:

"وهذا حديث لا يجوز الاحتجاج به ومن فوقه إلى أبي هريرة ضعفاء ." (۲)

اس کا ایک راوی مطر الوراق ہے، اس کو ابو حاتم نے ابن ابی لیلی کے مشابہ کہا ہے یعنی سوء حافظہ میں۔ (۳)

صاحب "لطائف المعارف" نے فرمایا:

" وأما الصيام فلم يصح في فضل صوم رجب بخصوصه شيء عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم ."

(یعنی خصوصیت سے رجب کے روزوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز صحیح طور پر ثابت نہیں۔) (۴)

---

(۱) تاریخ دمشق : ۲۳۳/۴۲

(۲) العلل المتناهية: ۲۲۷/۱

(۳) العلل : ۴۰۹/۱،تهذيب الكمال: ۵۳/۲۸،تهذيب التهذيب: ۱۵۲/۱۰

(۴) لطائف المعارف: ۱۳۰/۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پل صراط کی مسافت

ایک روایت کی تحقیق

سوال

کہا جاتا ہے کہ پل صراط ڈیڑھ ہزار برس کی مسافت ہے، جس میں سے پانچ سو برس چڑھنے کی، پانچ سو برس درمیانی اور پانسو برس اُترنے کی مسافت ہے۔ کیا اس سلسلہ میں کوئی حدیث ہے؟

الجواب

اس سلسلہ میں احقر کی نظر سے کوئی مرفوع یا موقوف حدیث نہیں گزری، البتہ مشہور صوفی بزرگ حضرت بشر بن الحارث الحافی کے واسطے سے ابن عساکر رحمۃ اللہ نے اپنی تاریخ میں حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

”بلغني أن الصراط مسيرة خمسة عشر ألف سنة ، خمسة آلاف صعود ،و خمسة آلاف هبوط و خمسة آلاف مستوي الخ .“

(مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ پل صراط کی مسافت پندرہ ہزار برس کی ہے، پانچ سو برس چڑھنے کی، پانچ سو برس اُترنے کی اور پانچ سو برس برابر کی۔)(۱)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی "فتح الباري" میں اس کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ معضل ہے، جو ثابت نہیں ہے۔(۲)

اور ابن رجب حنبلی نے "التخويف من النار" میں بشر بن الحارث الحافی ہی سے حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کا ایک دوسرا قول نقل کیا ہے کہ حضرت فضیل نے ان سے کہا کہ:

"يا بشر! مسيرة الصراط خمسة عشر ألف فرسخ، فانظر كيف تكون على الصراط."

(اے بشر! پل صراط کی مسافت پندرہ ہزار فرسخ ہے، پس غور کرلو کہ پل صراط پر تم کیسے رہوگے۔)(۳)

اور اس سلسلہ میں ابن رجب نے بعض زاہدین کا ایک دوسرا قول بھی نقل کیا ہے، چناں چہ محمد بن سماک رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے اہل بصرہ کے زاهدوں میں سے ایک سے سنا کہ وہ حضرات کہتے تھے:

"الصراط ثلاثة ألف سنة، ألف سنة يصعدون فيه، وألف سنة يستوى بهم، وألف سنة يهبطون منه."

---

(۱) تاريخ دمشق لابن عساكر: ۳۹۶/۴۸

(۲) فتح الباري: ۴۵۴/۱۱

(۳) التخويف من النار: ۲۳۳

(پل صراط تین ہزار برس کی مسافت ہے، ایک ہزار برس لوگ اس پر چڑھیں گے، ایک ہزار برس درمیان میں ہوں گے اور ایک ہزار برس اس پر سے اتریں گے۔)(۱)

الغرض اس سلسلے میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی کوئی حدیث یا کسی صحابی کا کوئی قول نہیں ملا ؛ بل کہ ان صوفیاء و بزرگوں سے یہ روایات ملتی ہیں ؛ لہٰذا ان پر ایمان رکھنا تو ضروری نہیں ؛ مگر امکان ہے کہ ایسا ہو۔ واللہ اعلم۔

محمد شعیب اللہ خان

(۱) التخویف من النار : ۲۳۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صلوۃ الاشراق کا ثبوت کیا ہے؟

سوال

صلوۃ الاشراق کے نام سے طلوع شمس کے بعد سورج کے کچھ بلند ہونے پر جو نماز پڑھی جاتی ہے، کیا احادیث سے اس کا ثبوت ہے؟ ایک مولانا جو اہل حدیث ہیں کہہ رہے تھے کہ احادیث سے اس کا ثبوت نہیں ہے۔ احادیث میں صرف صلوۃ الضحیٰ (چاشت کی نماز) کا ذکر ملتا ہے، لوگوں نے اس میں ایک نماز اشراق کا بھی اضافہ کر دیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ نماز اشراق کا نام بھی کسی حدیث سے ثابت نہیں، کیا یہ بات صحیح ہے؟ اگر نہیں تو آپ سے گزارش ہے کہ نماز اشراق کی دلیل احادیث سے بیان فرمائیں اور احادیث کا حوالہ بھی ارشاد فرمائیں؟

(عبداللطیف)

الجواب

اکثر محدثین نے اپنی کتابوں میں صرف صلاۃ الضحیٰ کا باب قائم کیا ہے اور صلاۃ الاشراق کا باب عام طور پر مصنفین کتب حدیث کے یہاں نہیں ملتا، اس لئے علماء کا ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ صلاۃ الاشراق کوئی الگ اور مستقل نماز نہیں ہے، اور ایک طبقہ یہ

کہتا ہے کہ بعض روایات حدیثیہ سے ان دونمازوں صلاۃ الضحی اور صلاۃ الاشراق کا الگ الگ نمازیں ہونا معلوم ہوتا ہے، اس لیے یہ دونمازیں ہیں اوران حضرات نے اس سلسلے میں متعدد احادیث سے استدلال کیا ہے:

(۱) حضرت ابو درداء اور حضرت ابو ذر، حضرت ابو امامہ، حضرت نعیم بن ھمار حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالے کا یہ قول نقل کیا:

"ابن آدم ! أركع لي من أول النهارأربع ركعات أكفك آخره ."

(اے ابن آدم! تو میرے لیے دن کے شروع میں چار رکعتیں پڑھ لے، میں دن کے آخری حصہ میں تیرے لیے کفایت کروں گا۔)(۱)

یہ حدیث صحیح وحسن سندوں سے ثابت ہے، اس میں جو اول دن میں چار رکعات کا ذکر ہے اس سے نماز اشراق متعدد حضرات نے مراد لیا ہے۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

" من صلى الغداة في جماعة ثم قعد يذكر الله حتى تطلع الشمس ثم صلى ركعتين كانت له كأجر حجة و

---

(۱) ترمذی عن ابی الدرداء وابی ذر : ۴۷۵، واحمدعن نعیم بن همار: ۵/۲۸۶، وعن ابی الدرداء : ۶/۴۴۰، والنسائی فی الکبری عن نعیم بن همار: ۱/۱۷۷، والدارمی عن نعیم بن همار : ۱/۴۰۱، وابن حبان عن نعیم بن همار: ۶/۲۷۳، والطبرانی فی المعجم الکبیر عن ابی امامة : ۸/۱۷۹، وعن ابن عمر : ۱۲/۴۰۷، وابو نعیم فی الحلیة عن ابی الدرداء وابی ذر : ۵/۱۳۷

عمرة ،قال قال رسول اللہ ﷺ : تامة تامة."

(جو شخص فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے پھر بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتا رہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے، پھر دو رکعات پڑھے تو اس کے لئے ایک حج وعمرہ کا اجر ہوگا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پورا پورا ملے گا۔)(۱)

ان احادیث میں شروع دن میں جس نماز کا ذکر ہے اس کو بعض علما نے اشراق کی نماز پر محمول کیا ہے، کیوں کہ یہی نماز اول دن میں پڑھی جاتی ہے۔ علامہ سراج احمد رحمہ اللہ نے شرح ترمذی میں کہا:

" إن المتعارف في أول النهار صلاتان: الأولى بعد طلوع الشمس و ارتفاعها قد ر رمح أو رمحين ، ويقال لها :صلاة الإشراق، والثانية عند ارتفاع الشمس قدر ربع النهار إلى ما قبل الزوال، ويقال لها: صلاة الضحى ، واسم الضحى في كثير من الأحاديث شامل لكليهما."

(دن کے اول میں دو نمازیں معروف ہیں: ایک طلوع شمس اور اس کے ایک یا دو نیزہ کے برابر بلند ہونے کے بعد اور اس کو نماز اشراق کہا جاتا ہے اور دوسری چوتھائی دن کے برابر سورج کے طلوع ہونے سے زوال تک اور اس کو نماز ضحیٰ یعنی چاشت کی نماز کہا جاتا ہے اور ضحیٰ کا نام بہت سی احادیث میں دونوں کو شامل ہے۔)(۲)

---

(۱) ترمذي: ۵۸۶

(۲) بحواله اعلاء السنن : ۷/۲۴-۲۵

اس سے معلوم ہوا کہ احادیث میں اگر چہ دونوں نمازوں کے لیے ایک نام آیا ہے، تاہم یہ نمازیں دو ہیں، ایک شروع دن میں سورج کے ذرا سا طلوع ہونے کے بعد پڑھی جاتی ہے اور دوسری اس وقت جب سورج مزید بلند ہوکر زوال کے قریب ہوجاتا ہے۔

اب رہی ان حضرات کی بات جو ان احادیث میں وارد نماز کو چاشت کی نماز پر محمول کرتے ہیں تو عرض ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول ان حضرات کی تائید نہیں ؛ بل کہ تردید کرتا ہے؛ کیوں کہ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول ان دونوں نمازوں کو ادا کرنے کا تھا۔

چناں چہ ایک لمبی حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

" كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا كانت الشمس من ههنا كهيئتها من ههنا عند العصر صلى ركعتين، وإذا كانت الشمس من ههنا كهيئتها من ههنا عند الظهر صلى أربعاً ."

(جب سورج یہاں مشرق میں اتنا ہوجاتا جتنا عصر کے وقت مغرب کی جانب ہوتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت نماز پڑھتے اور جب سورج یہاں مشرق میں اتنا ہوجاتا جتنا مغرب کی جانب میں ظہر کے وقت ہوتا ہے تو چار رکعتیں پڑھتے۔)(۱)

(۱) ترمذي: ۵۹۸، نسائي: ۸۷۴، ابن ماجه: ۱۱۶۱، مسند احمد: ۱/۱۴۲، صحیح ابن خزیمة: ۲/۲۱۵، مسند ابو یعلي: ۱/۲۶۹، مسند البزار: ۲/۲۶۲-۲۶۵، مصنف ابن ابی شیبه: ۲/۱۸، سنن بیهقی: ۳/۵۱، سنن دارقطني: ۲/۸۱، مصنف عبد الرزاق: ۳/۶۳

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

” کان نبي اللّٰہ ا إذا زالت الشمس من مطلعها قيد رمح أو رمحين كقدر صلاة العصر من مغربها صلى ركعتين، ثم أمهل حتى إذا ارتفع الضحى صلى أربع ركعات .“ (۱)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ایک معمول یہ بتایا گیا ہے کہ جب سورج ذرا سا بلند ہوتا جیسے مغرب کی جانب عصر کے وقت ہوتا ہے تو دو رکعت نماز پڑھتے تھے، یہی اشراق کی نماز کہلاتی ہے اور جب سورج اور زیادہ بلند ہو جاتا اور اتنا ہو جاتا جتنا ظہر کے وقت مغربی جانب ہوتا ہے تو چار رکعتیں پڑھتے تھے، یہ نماز چاشت ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا معمول دن کے اول میں دو نمازوں کا تھا۔

اس حدیث نے مسئلہ بالکل صاف کردیا کہ نماز اشراق الگ ہے اور نماز چاشت جداگانہ، اور آپ ﷺ کا معمول ان دونوں کو ادا کرنے کا تھا۔

اب رہا اس نماز کے نام کا مسئلہ کہ کیا یہ نام ثابت ہے؟ اولاً تو نام کا حدیث میں آنا کوئی ضروری نہیں، امتیاز کے لئے کوئی نام تجویز کرلیا جائے تو اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں، جیسے احادیث میں نماز تراویح کا نام تراویح نہیں آیا ہے، مگر امت نے اس کو تجویز کیا اور لوگوں میں بلا نکیر معروف ہے، دوسرے ان مولانا کی یہ بات صحیح بھی نہیں؛ کیونکہ ایک حدیث میں ”صلاۃ الاشراق“ کا ذکر آیا اور یہ نام ثابت ہے۔

امام طبرانی رحمہ اللہ نے معجم اوسط میں حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے:

---

(۱) سنن نسائی کبری: ۱/۱۷۸

" أن رسول الله ﷺ دخل عليها فدعا بوَضوء في جفنه كأني أنظر إلى أثر العجين فيها ، فتوضأ ، ثم قام فصلى الضحى ، ثم قال: يا أم هانئ ! هي صلاة الإشراق."

(رسول اللہ ﷺ حضرت ام ہانی کے پاس آئے اور برتن میں وضو کا پانی طلب کیا، گویا کہ میں اس برتن میں گوندھے ہوئے آٹے کا اثر دیکھ رہا ہوں، پس آپ نے وضو کیا، پھر کھڑے ہوئے اور نماز ضحیٰ پڑھی، پھر فرمایا کہ اے ام ہانی! یہ نماز اشراق ہے۔)(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اس نماز کا نام "صلوۃ الاشراق" بھی حدیث سے ثابت ہے، اور علماء نے اسی سے اس کا نام یہ رکھا ہے، تاہم بالفرض ثابت نہ بھی ہو تو یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے۔ ہاں اس حدیث سے بظاہر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز اشراق و نماز ضحیٰ ایک ہی ہے، مگر یہ بات صحیح نہیں، کیونکہ جیسا کہ اوپر گزرا احادیث میں ضحیٰ کا اطلاق چاشت و اشراق دونوں نمازوں پر ہوتا ہے۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ یہاں آپ نے سورج نکلنے کے بعد یہ نماز پڑھی ہو اور آپ کا مقصد یہ بتانا ہو کہ اس صبح صبح پڑھی جانے والی نماز کو اشراق کہتے ہیں، اگرچہ اس کا نام ضحیٰ بھی ہے۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

---

(۱) معجم الاوسط : ۲۹۶/۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حالت حیض میں تلاوت قرآن

سوال

بنگلور سے شائع ہونے والے ایک انگریزی پرچہ ”REFORMS“ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ حالتِ حیض میں عورت کو قرآن کی تلاوت کرنا جائز ہے اور جو لوگ اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں ان کو غلط ٹھہرایا گیا ہے، جب کہ ہم لوگ شروع سے علما سے یہ سنتے چلے آئے ہیں کہ اس حالت میں قرآن کی تلاوت ممنوع ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ پر آپ کے ”ISLAMIC VISION“ میں روشنی ڈالیں تاکہ حقیقت حال معلوم ہو جائے۔

جواب

موجودہ دور کا ایک المیہ یہ ہے کہ بعض ناعاقبت اندیش لوگ ان مسائل پر رد وقدح میں لگے ہوئے ہیں جن پر ایک طویل زمانے سے علما وائمہ وفقہا مجتہدین کے درمیان بحث ومباحثہ ہونے کے بعد یہ بات ساری امت کے سامنے واضح طور پر آچکی اور حضرات علما وائمہ نے اس کی تصریح بھی کر دی کہ تمام ائمہ کے مسالک حق ہیں اور ان مسائل کے پیچھے ان کے پاس دلائل بھی ہیں؛ مگر کس قدر حیرت ہے کہ اس کے باوجود امت کو اُلجھانے کے لیے پھر انھی مسائل پر مشقِ ستم کی جاتی ہے اور انتشار

وافتراق کے بھنور میں امت کو پھنسانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ان اُلجھانے والوں کو امت کا اتحاد واتفاق اچھا نہیں لگتا اور وہ کسی کے آلۂ کار بن کر افتراق وانتشار برپا کرنا چاہتے ہیں؛ جیسے بعض لوگ آئے دن رفع یدین، آمین بالسر والجہر، فاتحہ خلف الامام وغیرہ کی بحثوں میں امت کو اُلجھاتے ہیں جبکہ ہر دو فریق نے اپنے اپنے دلائل کی بنیاد پر ان مسائل میں ایک ایک مشق کو اپنایا ہے اور ان سے پیشتر صحابہ وتابعین میں بھی ان مسائل میں دونوں شقوں پر عمل ہوتا رہا ہے۔

زیر بحث مسئلہ اسی نوعیت کا ہے کہ حیض والی عورت قرآن پاک کی تلاوت کر سکتی ہے یا نہیں؟ اس میں امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور دیگر بہت سے ائمہ وعلما کا مسلک یہ ہے کہ حائضہ عورت چوں کہ ناپاک ہے اس لیے اس کو اس حالت میں قرآن پاک کی تلاوت نہیں کرنا چاہئے، یہ اس کے حق میں منع ہے، اور ان کے مقابل امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ حائضہ کے لیے تلاوت جائز ہے۔

اب سلامتی کی راہ اور امت کے اتحاد واتفاق کا واحد راستہ یہ ہے کہ ہر مسلک والا اپنے اپنے امام کے مسلک کے مطابق عمل کرے؛ کیوں کہ یہ اجتہادی مسائل ہیں اور ان میں اتنی گنجائش موجود ہے۔ اور اوپر عرض کر چکا ہوں کہ ایک طویل زمانہ قبل ہی یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ تمام کے تمام ائمہ حق پرست وخدا ترس اور اللہ والے تھے اور ان کے یہ مسائل شرعی دلائل میں سے کسی نہ کسی دلیل پر مبنی ہیں، اس لئے کسی پر اعتراض کی گنجائش نہیں۔ اب کوئی اس سلامتی کے راستہ کو چھوڑ کر اس بات پر اڑ جائے کہ میں بحث ومباحثہ کا راستہ کھولوں گا اور کسی کی تغلیط وتردید کر کے امت میں انتشار پیدا کروں گا تو وہ نہ اسلام کا ہمدرد ہے اور نہ امت کا اور نہ ہی وہ دین کی خدمت کرنے والا ہے۔

کیوں کہ ان میں سے کسی مسلک کی تردید کا مطلب قطعی طور پر ہے اس مسلک کے تمام دلائل کی تردید، خواہ وہ قرآن پاک کی آیت ہو یا حدیث ہو یا اجماع ہو یا قیاس ہو، نیز اسی تردید میں صحابۂ کرام کے اقوال وافعال کی تردید بھی شامل ہو جاتی، کیا یہ خدمت دین ہے یا انہدام دین ہے؟

اب میں اصل مسئلہ سے متعلق بھی دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں:

۱- جیسا کہ اوپر بھی عرض کیا گیا، یہ مسئلہ اختلافی ہے؛ تین بڑے ائمہ ایک طرف ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ حائضہ عورت کو قرآن کی تلاوت کرنا منع ہے، چناں چہ فقہ شافعی کی کتاب ''المہذب'' میں اس کے مصنف امام ابواسحاق شیرازی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

" یحرم علیها قرأة القرآن؛ لقول علیه السلام:" لا یقرأ الجنب ولا الحائض شیئاً من القرآن ."

(حائضہ عورت پر قرآن کی تلاوت کرنا حرام ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ: ''قرآن نہ پڑھے جنابت والا اور نہ حائضہ عورت۔)(۱)

امام نووی رحمہ اللہ ''المہذب'' کی شرح ''المجموع'' میں فرماتے ہیں:

" وهذا الذي ذكره من تحريم قرأة القرآن على الحائض هو الصحيح المشهور، و به قطع العراقيون وجماعة من الخراسيين،وقال: وهو مروى عن عمر، وعلى، وجابر، وبه قال الحسن البصرى ، و قتادة ،

(۱) المہذب: ۱/ ۳۸

وعطاء، وأبو العالية، و النخعي، وسعيد بن جبير، والزهري، واسحاق، و أبو ثور."

(یہ جو قرآن کی تلاوت کا حائضہ عورت پر حرام ہونے کا ذکر کیا ہے وہی صحیح ومشہور مسلک ہے اور عراقیوں اور خراسیین کی ایک جماعت نے اسی کا فیصلہ کیا ہے اور یہی حضرت عمر، حضرت علی، حضرت جابر سے مروی ہے اور حضرت حسن بصری، قتادہ، ابو العالیہ، نخعی، سعید بن جبیر، زہری، اسحاق اور ابوثور نے بھی یہی کہا ہے۔)(۱)

اندازہ کیجئے کہ جس مسلک پر حضرت عمر، حضرت علی وحضرت جابر رضی اللہ عنہم جیسے بلند پایہ فقیہ صحابہ اور حضرت حسن بصری، حضرت قتادہ، حضرت عطاء اور نخعی وغیرہ تابعین حضرات اور امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور ابوثور رحمہم اللہ جیسے مجتہدین امت کاربند ہوں کیا وہ اس قابل ہے کہ اس کو غلط وضعیف کہہ کر ٹھکرا دیا جائے اوران سب حضرات کی تغلیط وتردید کردی جائے؟

امام احمد رحمہ اللہ کے مسلک کی مشہور کتب (الکافی :۱/ ۵۸)، (الفروع: ۱/ ۲۳۶)، (المبدع: ۱/ ۲۶۰)، (منار السبیل: ۱/ ۶۲)، (الروض المربع: ۱/ ۱۰۷) وغیرہ میں بھی حائضہ عورت کے لیے تلاوت کو ممنوع وناجائز قرار دیا گیا ہے، کیا یہ تمام ائمہ اور علما جاہل اور اناڑی تھے۔

اب آیئے ذرا یہ بھی دیکھ لیں کہ ان ائمہ نے جو مسئلہ بتایا وہ کس بنیاد پر بتایا ہے؟ ان حضرات نے اس مسئلے پر احادیث سے دلیل لی ہے، اور وہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی حدیثیں ہیں:

---

(۱) شرح مہذب: ۲/ ۳۵۸-۳۵۹

۱- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا تَقْرَأُ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنبُ شَيْئاً مِّنَ الْقُرْآنِ."

(حائضہ عورت اور جنابت والا قرآن میں سے کچھ بھی نہ پڑھے۔)(۱)

علماءِ محدثین کو اس حدیث کی سند پر کلام ہے؛ کیونکہ اس سند میں اسماعیل بن عیاش ایک راوی ہیں جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ حجازیین میں سے کسی سے کرتے ہیں تو ان کی حدیث میں ضعف ہوتا ہے اور یہ حدیث انہوں نے موسی بن عقبی سے روایت کی ہے جو اہل حجاز میں سے ہیں؛ لہٰذا حدیث ضعیف ہوگی۔

مگر اس کے ساتھ یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس حدیث کی دیگر دو سندیں اور ہیں جنہیں دارقطنی نے روایت کیا ہے جن میں سے ایک سند میں موسی بن عقبی سے مغیرۃ بن عبدالرحمان نے اور دوسری سند میں ابومعشر نے روایت کیا ہے۔(۲)

اور اصول حدیث کا قاعدہ مسلم ہے کہ اگر حدیث ضعیف دو تین طرق سے مروی ہو تو اس میں قوت آجاتی ہے اور وہ کبھی حسن کے اور کبھی صحیح کے درجے کو پہنچ جاتی ہے۔(۳)

اس اصول کے مطابق ہم کہتے ہیں کہ جب اسماعیل بن عیاش کی متابعت وتائید دو اور طرق سے ہوگئی تو اس میں ضرور قوت آگئی اور وہ ضعف ختم ہوگیا۔

۲- دوسری حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً آئی ہے اس کو دارقطنی رحمہ اللہ

(۱) ترمذی : ۱۳۱، ابن ماجه: ۵۹۶، طحاوی: ۱/۸۸، بیهقی فی السنن : ۱/۳۰۹، شعب الایمان: ۲/۳۷۹

(۲) سنن دارقطنی: ۱/۱۱۷، نصب الرایه: ۱/۲۵۷

(۳) دیکھو: نخبة الفکر ونزهة النظر ، التقریب والتدریب وغیره

نے سنن میں اور ابن عدی رحمہ اللہ نے الکامل میں روایت کیا ہے کہ:

''لا یقرأ الحائض ولا الجنب ولا النفساء القرآن.''

(قرآن نہ پڑھے حائضہ اور نہ جنبی اور نہ نفاس والی عورت۔)(۱)

یہ سند بھی اگرچہ ضعیف ہے مگر اوپر والی حدیث کی شاہد ہے اور شواہدات میں ضعیف بھی چل سکتی ہے جیسا کہ محدثین نے کتب اصول حدیث میں تصریح کی ہے اور اسکے اوپر والی حدیث کو اور زیادہ تقویت مل جاتی ہے، پھر مزید برآں یہ ہے کہ جس حدیث پر صحابہ کا فتوی ہو اور ائمہ کا عمل ہو وہ اور بھی زیادہ قوی ہو جاتی ہے۔

اس طرح علماء کا یہ مسلک بے دلیل نہیں؛ بل کہ قوی دلیل پر مبنی ہے، اس کے بالمقابل کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جس میں یہ کہا گیا ہو کہ حیض والی عورت قرآن پڑھ سکتی ہے۔ رہا امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک تو وہ قیاس پر مبنی ہے؛ ہم اس پر تبصرہ کرنا بے جا سمجھتے ہیں؛ جیسا کہ شروع میں ہم نے کہہ دیا ہے، یہاں صرف یہ بتانا تھا کہ ''ریفارمس'' نامی پرچہ میں جو فتوی چھپا ہے اس میں دوسرے ائمہ کے مسلک کو غلط و بے دلیل کہا گیا ہے، یہ سو فیصد غلط بات ہے اور ان مسائل کو اچھال کر اُمت میں انتشار پیدا کرنا کسی نیک دل انسان کا کام نہیں ہو سکتا۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

(۱) سنن: ۱/۱۲۱۔اور ابن عدی نے الکامل: ۶/۱۶۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبدیلیٔ جنس کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ آج کل سائنس اور میڈیکل سائنس کی ترقی سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ مرد اور عورت میں مخالف جنس اثرات ہوتے ہیں؛ لہٰذا مرد میں عورت بننے اور عورت میں مرد بننے کی صلاحیت ہوتی ہے، چناں چہ اس پر تجربہ کر کے کامیابی بھی حاصل کر چکے ہیں کہ مرد کو عورت اور عورت کو مرد بنا چکے ہیں۔

(۱) اسلام میں آیا اس کی جازت ہے کہ کوئی مرد عورت بن جائے یا عورت مرد ہو جائے؟

(۲) دوسرے یہ کہ اگر اس طرح کسی مرد کو عورت اور عورت کو مرد بنا دیا جائے تو اس پر کون سے احکامات لاگو ہوں گے، اس صنف کے احکام جو تبدیلی سے پہلے تھی یا اس صنف کے احکام جو تبدیلی کے بعد ہے، قرآن وحدیث کے دلائل سے جواب مرحمت ہو؟

الجواب ومنہ الصواب

اسلام میں اللہ کی خلقت وبناوٹ میں تبدیلی وتغیر کرنا قطعی طور پر حرام اور ناجائز

ہے، چنانچہ قرآن کریم کہتا ہے:

﴿فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ.﴾ (الروم: ۳۰)

(اللہ کی فطرت پر قائم رہو، جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بناوٹ میں کوئی تبدیلی نہیں۔)

اس آیت "لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ" میں "لا" کے متعدد معانی بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے ایک معنی وہ ہے جو ترجمہ میں بیان کیا گیا کہ اللہ تعالی کی بناوٹ میں تبدیلی نہ کرو، گویا خبر بمعنی نہی ہے۔(۱)

اور یہاں خلق کے معنی مختلف بیان کئے گئے ہیں: بعض نے کہا کہ اس سے مراد اسلام اور دین ہے اور بعض نے کہا کہ مراد صورت وشکل ہے، چناں چہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ جانوروں کو خصی کرنا کیسا ہے؟ تو آپ نے اس کو مکروہ و ناپسند قرار دیا اور اس پر استدلال اسی آیت: "لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ" سے فرمایا۔ اور طبری و بغوی وغیرہ نے اسی طرح حضرت عکرمہ اور حضرت مجاہد سے بھی نقل کیا ہے۔(۲)

اور امام قرطبی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے بھی اس کے یہی معنے نقل کئے گئے ہیں۔(۳)

اس کے معنے یہ ہوئے کہ اس آیت کے مفہوم کی رو سے نر جانوروں کو خصی کرنا

---

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۳/۵۷۲، احکام القرآن مفتی شفیع صاحب: ۳/۱۵۴

(۲) تفسیر طبري: ۱۰/۱۸۲، معالم التنزیل: ۱/۲۶۹

(۳) تفسیر القرطبي: ۱۴/۲۴

بھی اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی ہے، جس سے اس آیت میں منع کیا گیا ہے، جب یہ بات ہے تو مرد کا عورت اور عورت کا مرد ہو جانا بدرجہ اولی اس آیت میں داخل ہو کر ممنوع قرار پائے گا۔

ایک اور جگہ قرآن میں شیطان کا قول نقل فرمایا گیا ہے:

﴿ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ . ﴾

(النِّسَاءِ :۱۱۹)

(شیطان نے کہا ہے کہ میں (لوگوں) کو ضرور حکم دوں گا تو وہ اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی کریں گے۔)

مطلب یہ ہے کہ شیطان نے اس بات پر قسم کھا رکھی ہے کہ وہ لوگوں کو بہکا کر اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی پر انہیں اکسائے گا، معلوم ہوا کہ اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی شیطانی حرکت ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی وتغیر میں صورت اور صفت دونوں کی تبدیلی داخل ہے اور اسی طرح مرد عورت کی صفات اختیار کرے تو یہ بھی ممنوع ہوگا کہ یہ صفت کی تبدیلی ہے۔ روح المعانی میں اس آیت کے تحت یہ وضاحت موجود ہے کہ تبدیلی میں صفت وصورت دونوں کی تبدیلی داخل ہے۔ (۱)

اور احادیث رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی ناجائز اور باعث لعنت ہے، مثلاً ایک حدیث میں بدن گودنے گدوانے اور دانتوں کے درمیان جگہ پیدا کرنے، چہرے پر سے بال نوچنے والیوں پر لعنت آئی ہے۔

---

(۱) روح المعاني : ۱۴۹/۵

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان سب سے نہی اس لیے آئی ہے کہ ان میں خلق اللہ اور اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی ہوتی ہے۔(۱)

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ''شرح بخاری'' میں لکھا ہے کہ مذکورہ باتوں پر سخت وعید اس لئے آئی ہے کہ اس میں ایک تو دھوکہ ہے (کہ اصل چیز کو بدل دیا) دوسرے خلقت و بناوٹ کی تغییر وتبدیل ہے۔(۲)

ان تفصیلات وتصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں اللہ کی خلقت و بناوٹ میں تبدیلی کرنا سخت جرم ہے اور باعث لعنت کام ہے اور جس کام پر لعنت ہوتی ہے اس کے بارے میں بعض علما فرماتے ہیں کہ وہ گناہ کبیرہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد سوال مذکورہ پر غور کیا جائے تو صاف سمجھ میں آتا ہے کہ مرد کا عورت بن جانا اور عورت کا مرد بن جانا اسلام میں حرام اور سخت جرم ہے، جب کہ شریعت میں مرد کو عورت اور عورت کو مرد کے سے کپڑے، جوتے، وغیرہ پہننے کی بھی ممانعت کی گئی ہے تا کہ مشابہت نہ ہو، تو عورت کو مرد اور مرد کو عورت بن جانے کی بھلا کیسے اجازت دی جاسکتی ہے؟ اور اس سے ممانعت کی وجہ دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالی کی خلقت و بناوٹ میں تبدیلی کی جائے گی تو پورا نظام کائنات کا درہم برہم ہو جائے گا۔

کیوں کہ اللہ تعالی نے ہر چیز کی بناوٹ میں ایک حکمت و مصلحت رکھی ہے جس سے نظام کائنات میں احکام کا ظہور ہوتا ہے، اگر اس میں تبدیلی کی جائے گی تو یہ مصالح وحکم فوت ہو جائیں گے جس سے نظام خراب وفاسد ہوگا، اس لئے سختی کے ساتھ منع کر دیا گیا ہے۔

---

(۱) تفسير قرطبي: ۵/۳۹۳

(۲) فتح الباري: ۱۰/ ۳۸

(۲) دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس کا حکم صراحت کے ساتھ نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں اور نہ فقہ میں، البتہ اصولی طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس تبدیل شدہ مرد یا عورت پر اسی صنف کے احکام لاگو ہونے چاہئیں جو تبدیلی کے بعد وجود میں آئی ہے؛ کیوں کہ جب اس میں دوسری صنف کی خصوصیات پیدا ہوگئی ہیں تو انہی کی رعایت کرنا چاہئے ،مثلاً ایک مرد عورت میں تبدیل ہو گیا تو اب وہ عورت ہے؛ لہٰذا اس پر اسلامی نقطۂ نظر سے پردہ واجب ہوگا، حالت حیض میں نماز معاف ہوگی ، اور نماز وغیرہ عبادات میں عورتوں کا طریقہ اس کو اختیار کرنا ہوگا ، میراث میں مرد کی بنسبت نصف حصہ پائے گی ،وغیرہ ،اس کے برخلاف اگر کوئی عورت مرد ہوگئی تو اس پر پردہ نہ ہوگا اور نہ اسے حیض ہوگا نہ نماز معاف ہوگی اور نماز کا طریقہ مردوں جیسا اختیار کرنا ہوگا، اور میراث میں دوگنا حصہ ملے گا۔ واللہ اعلم

فقط

محمد شعیب اللہ خان عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مصنوعی عورت سے جنسی تسکین

کیا فرماتے ہیں علما کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ آج کل ایک مصنوعی عورت بنائی جارہی ہے، جو ایسا لگتا ہے کہ ربڑ کی قسم کی کسی چیز سے تیار ہوتی ہے اور پھونکنے سے وہ بالکل عورت کی طرح معلوم ہوتی ہے اور جنسی اعضاء بھی ابھر آتے ہیں، باہر ملکوں میں اس گڑیا کا جنسی لذت کے لیے استعمال عام ہوتا جا رہا ہے، سوال یہ ہے:

(۱) اس کا استعمال کرنا اور اس سے جنسی لذت حاصل کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(۲) اس کے استعمال پر کیا زنا کا حکم لگے گا؟ اور کیا اس پر حد زنا جاری ہوگی؟ تفصیلی طور پر مدلل جواب لکھیں۔

فقط

محمد زبیر (مقیم دبئ)

الجواب ومنه الصواب

اسلام کے نقطۂ نظر سے مرد وعورت کی تخلیق اور ان کے اندر جنسی خواہش کی تولید جس سے کہ وہ ایک دوسرے سے لذت اندوز ہونا چاہتے ہیں ایک خاص حکمت

ومصلحت پر مبنی ہے، اور وہ ہے افزائش نسل، اسی وجہ سے عورت سے مقام حرث (فرج) کے بجائے مقام فرث (دبر) میں جماع کرنا حرام اور لعنت خداوندی کا باعث ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ عورت سے لذت اندوزی بھی اس شرط سے مشروط ہے کہ وہ مقام حرث میں ہو نہ کہ مقام فرث میں کہ اس سے اس حکمت خداوندی کا فوت ہونا لازم آتا ہے جو خدا تعالی کا مقصود ہے، نیز استمناء بالید کو بھی اسی وجہ سے حرام قرار دیا گیا ہے کہ اس سے بھی مادۂ منویہ کا ضیاع اور افزائش نسل کے بجائے قطع نسل لازم آتا ہے۔

اس تمہید کے بعد زیر بحث صورت مسئلہ پر غور کیجیے تو اس سوال کا جواب بالکل واضح ہے کہ چوں کہ اس مصنوعی عورت سے لذت اندوزی کا طریقہ بھی قطعِ نسل کا باعث اور مادہ کے ضیاع کا سبب ہے (اور نیز استمناء بالید میں داخل ہے جو کہ حرام ہے) اس لئے شرعاً اس کی اجازت نہیں ہوسکتی؛ بل کہ حرام و ناجائز ہوگا۔

پھر شرعی اعتبار کے علاوہ ذرا اس کے معاشرتی وتمدنی اثرات پر بھی غور کیجیے کہ اگر یہ بات عام ہو جائے تو پھر مردوں کو عورتوں کی ضرورت ہی نہ محسوس ہو اور مرد عورتوں سے استغناء برتنا شروع کردیں گے اور اس کا اثر یہ ہوگا کہ معاشرہ میں ایک فتنۂ عظیم اور فساد عریض پیدا ہوجائے گا اور عورتیں بھی اپنے جذبات کی تسکین کے لیے مصنوعی مرد یا کسی اور چیز کی متلاشی ہوں گی اور یہ سب یکسر خلاف فطرت و منافی انسانیت باتیں ہیں جس کا خمیازہ سبھی کو بھگتنا پڑے گا۔

غرض یہ کہ لذت اندوزی اور جنسی تسکین کا یہ طریقہ نہ شرعاً قابل قبول ہے اور نہ عقلاً، لہٰذا یہ حرام اور ناجائز ہے، البتہ اس پر زنا کا اطلاق ہوگا یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں غیر محرم کو دیکھنے؛ بل کہ اس کا تصور کرنے پر بھی زنا کا اطلاق آیا ہے؛ لہٰذا جب مذکورہ صورت حرام ہوئی تو اس کو زنا بھی قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن زنا کی حد اس پر جاری نہ ہوگی؛ کیوں کہ حدود کا مسئلہ نازک ہے اور اس کے لئے بعض شرائط مقرر ہیں اور جب تک وہ شرائط پورے نہ ہوں حد جاری نہیں کی جاتی، اورانہی میں سے ایک یہ ہے کہ زندہ عورت سے اس کی فرج میں زنا کیا جائے؛ لہٰذا ان شرائط کے تحقق کے بغیر حدِ زنا جاری نہیں ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عمان کے فرقۂ اباضیہ کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہم لوگ ہندوستانی وپاکستانی باشندے یہاں سلطنت آف عمان میں زیر ملازمت ہیں۔ یہاں پر ہم لوگوں کے ساتھ ایک مسئلہ درپیش ہے، وہ ہے کہ یہاں کا سلطان اباضی عقیدہ رکھنے والا ہے اور ساری مساجد میں حکومت کی جانب سے ''اباضی عقیدہ'' رکھنے والے امام مقرر ہیں، اور جن مساجد میں ہندوستانی وپاکستانی امام تھے ان کو نکال دیا گیا ہے۔

ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ کلام اللہ مخلوق ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالی کی دیدار نہیں ہوگی اور ایک شخص دوزخ میں جانے کے بعد جنت میں نہیں جائے گا اور جنتی جنت میں رہے گا اور دوزخی دوزخ میں رہے گا، ہمیشہ ہمیشہ وہی ان کا مقام ہو گا، یہ لوگ میزان وترازو کے بھی منکر ہیں اور قبر کے بھی سوال وجواب کے منکر ہیں اور مزید عقائد کا ہمیں علم نہیں۔ چند عقائد کا علم ہمیں ہے جو ہمارے عقائد کے خلاف ہیں، ان کے پیچھے ان کی اقتداء میں ہمارا نماز پڑھنا کیا از روئے شریعت درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ہمیں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے؛ کیوں کہ یہاں کافی تعداد میں ہندوستانی وپاکستانی لوگ برسر روزگار مقیم ہیں، اکثر عوام کو ان کے عقائد کا علم نہیں ہے، اس صورت حال میں ان کی اقتداء کرنے سے گناہ عائد ہوگا؟ براہ کرم اس

کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں مکمل ومدلل مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔
جزاک اللہ خیرا الجزاء فاحسن الجزاء۔

فقط
السائل: سلیم حسن انصاری

الجواب و منه الحق والصواب

عمان میں اباضیہ نام کا جو فرقہ ہے جس کے عقائد سوال میں مذکور ہیں اگر تحقیق سے یہ ثابت ہو جائے کہ مذکورہ عقائد کے وہ لوگ حامل ہیں تو ان کے پیچھے نماز درست نہ ہوگی؛ کیوں کہ یہ عقائد یقیناً اسلامی عقائد سے متصادم ومتعارض ہیں۔ علماء نے مذکورہ بالا عقائد کو ایک گمراہ فرقہ ''خوارج'' کے مزعومات ونظریات میں شمار کرایا ہے اور ان عقائد کی بنا پر اس کو گمراہ قرار دیا ہے۔ نیز علما نے لکھا ہے کہ خوارج کے متعدد فرقے گذرے ہیں اور ان میں سے ایک فرقہ ''اباضیہ'' نام کا بھی ہے جو اس کے بانی اور گرو عبداللہ بن اباض کے نام سے موسوم ہے، علامہ ابوزہرہ رَحِمَهُ اللهُ نے اس فرقہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ فرقہ خارجیوں میں معتدل اور فکر ورائے میں عام مسلمین سے زیادہ قریب اور غلو اور انتہاء پسندی سے الگ تھا، نیز وہ لکھتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام کے بعض اطراف میں یہ اب تک موجود ہیں۔ (۱)

اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ فرقہ اباضیہ خوارج کا فرقہ ہے اور یہ اب تک بعض اطراف عالم میں پایا جاتا ہے؛ پھر اس سے زیادہ تصریح کے ساتھ علامہ یاقوت الحموی رَحِمَهُ اللهُ کا کلام مل گیا کہ عمان میں رہنے والا فرقہ اباضیہ، خارجی فرقہ اباضیہ ہی ہے۔

(۱) تاریخ المذاهب الاسلامیه مترجم: ۱۰۷

چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

" أكثر أهلها في أيامنا خوارج أباضية ، ليس بها من غير هذا المذهب إلا طاري غريب ، وهم لا يخفون ذلك ."

(یعنی عمان کے اکثر رہنے والے ہمارے زمانہ میں خارجی اباضیہ ہیں، وہاں دوسرے مذہب کا کوئی نہیں سوائے اس کے جو مسافر (باہر سے آیا) ہو اور یہ لوگ اس (اپنے عقیدے) کو چھپاتے بھی نہیں۔)(۱)

اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ عمان کے اباضیہ دراصل خوارج ہیں؛ لہٰذا ان کے پیچھے نماز درست نہ ہوگی، اگر چہ کہ یہ بنسبت دیگر فرق خوارج کے معتدل ہیں، تاہم جو بنیادی عقائد خوارج کے ہیں ان میں یہ بھی شامل ہیں۔

واللّٰه أعلم وعلمه أتم وأحكم

فقط

محمد شعیب اللہ خان عفی عنہ

صفر ۱۴۲۰ھ

---

(۱) معجم البلدان للحموی رحمہ اللہ : ۴/۱۵۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کا دیدار اور اس کی آواز کا سننا

سوال

ہمارے علاقے میں ایک پیر صاحب آئے ہوئے ہیں، جو دراصل عملیات کرتے ہیں اور لوگوں میں عجیب عجیب باتیں کہہ کر لوگوں کے عقیدوں کو خراب کر رہے ہیں، ان کی چند باتیں نقل کرتا ہوں تا کہ یہ معلوم ہو کہ قرآن وحدیث کی رو سے ان باتوں کا کیا حکم ہے؟ یہ صحیح ہیں یا نہیں، براہ کرم دلائل کی روشنی میں اس کا جواب دے کر ماجور ہوں۔

(۱) ان صاحب کا دعوی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ جس طرح اور چیزوں کو دیکھ لیتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالی کا دیدار بھی ان کو حاصل ہو جاتا ہے۔

(۲) ایک بات وہ صاحب یہ کہتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالی کی آواز سنائی دیتی ہے اور وہ اس کو سنتے ہیں، کیا اللہ تعالی کی آواز کا سننا ممکن ہے؟ اور ان کی یہ بات باور کی جا سکتی ہے؟

الجواب ومنه الصدق والصواب

(۱) دنیا میں ان ظاہری آنکھوں سے اللہ تبارک تعالی کو نہیں دیکھا جا سکتا، حضرت موسی علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ پیغمبر ہونے کے باوجود جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی: ” رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ “ (کہ اے میرے رب مجھے

دکھا دیجئے کہ میں آپ کو دیکھوں) تو اللہ نے فرمایا: "لَنْ تَرَانِیْ" (کہ آپ مجھے دیکھ نہیں سکتے) پھر اللہ نے فرمایا کہ آپ اس پہاڑ کو دیکھئے، اس پر ہماری تجلی ہوگی، اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ قائم رہا تو پھر آپ دیکھ سکیں گے (ورنہ نہیں)، جب پہاڑ پر اللہ کی تجلی ظاہر ہوئی تو وہ پاش پاش ہوگیا اور حضرت موسی علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ (الأعراف :١٤٣)

جب اس دنیا میں ظاہری آنکھوں سے حضرت موسی جیسے جلیل القدر نبی اللہ تعالی کو نہیں دیکھ سکے تو ہمہ وشما کا کیا سوال؟ چنانچہ علماء وصوفیاء نے تصریح کردی ہے کہ دنیا میں اللہ تعالی کو ان ظاہری آنکھوں سے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ شارح عقیدۃ الطحاویہ فرماتے ہیں:

"واتّفقتِ الأمةُ على أنه لا يراه أحد في الدنيا بعينيه، ولم يتنازعوا في ذالك إلا في نبينا صلى الله عليه وسلم خاصةً، منهم من نفى رؤيته بالعين، ومنهم من أثبتها له ."

(امت نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ اللہ کو اس دنیا میں اپنی آنکھوں سے کوئی نہیں دیکھ سکتا، اور مسلمانوں نے اس میں کوئی اختلاف نہیں کیا، سوائے اس کے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خاص طور پر اختلاف کیا، بعض نے آپ کے اللہ کو دیکھنے کی نفی کی اور بعض نے اثبات کیا۔)(١)

اور مشہور حنفی فقیہ ومحدث اور صوفی علامہ ملا علی القاری رحمہ اللہ نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جو یہ کہے کہ میں اس دنیا میں ظاہری آنکھ سے خدا کو دیکھتا ہوں تو اگر اس کی مراد خواب میں دیکھنا ہے تو اس کے امکان میں علماء کے

(١) شرح العقيدة الطحاوية: ١٩٦

درمیان اختلاف مشہور ہے اور اگر اس کی مراد بیداری میں دیکھنا ہے تو اگر وہ اس سے اللہ کا نور مراد لیتا ہے تو درست ہے؛ لیکن اگر بلا تاویل خدا کو آنکھوں سے دیکھنا مراد لیتا اور اس کا دعوی کرتا ہے تو وہ فاسد اعتقاد اور کھوٹے گمان اور گمراہی اور گمراہ کن پستی اور سخت قابل اعتراض بات میں مبتلا ہے، جو سیدھے راستہ سے دور ہے۔ (۱)

اور حضرات صوفیا بھی یہی کہتے ہیں کہ دنیا میں اللہ کو ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کا دعوی غلط و باطل ہے۔ چناں چہ ملا علی قاری رحمہ اللہ صوفیا کی کتب سے اس کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''کتاب التعرف جس کے مثل تصوف میں کوئی کتاب تصنیف نہیں کی گئی اس کے مصنف فرماتے ہیں کہ تمام مشائخ (صوفیا) کا اس شخص کے گمراہ ہونے پر اجماع ہے جو ایسی بات کہے (کہ میں خدا کو دیکھتا ہوں) اور ان تمام نے اس سلسلہ میں بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں جیسے ابو سعید الخزاز رحمہ اللہ، جنید بغدادی رحمہ اللہ وغیرہ اور انہوں نے تصریح کی ہے کہ جو یہ بات کہے وہ دراصل خدائے بزرگ و برتر کی معرفت سے محروم ہے۔''

پھر آگے اور بزرگوں سے بھی اسی طرح کی بات نقل کی ہے اور آخر میں علامہ قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''اگر دنیا میں خدا کو دیکھنے کا دعویدار کوئی تاویل کرے (یعنی مثلاً یہ کہے کہ خدا سے مراد خدا کی تجلی کے آثار ہیں وغیرہ) تو فبھا ورنہ اس کو سزا دی جائے اور لوگوں میں اس کی تشہیر کردی جائے۔''(۲)

---

(۱) شرح الفقہ الاکبر: ۱۰۵

(۲) شرح الفقہ الاکبر: ۱۵۱

ان تمام تفصیلات سے واضح ہوا کہ اس فانی دنیا میں فانی آنکھوں سے اللہ تبارک وتعالی کو دیکھنا شرعاً واقع نہیں ہے اور نہ کسی کے لیے اس کا امکان ہے، سوائے حضرت نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کے اور آپ کے بارے میں بھی علما میں اختلاف ہے۔

ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ان پیر صاحب کا یہ دعوی کہ وہ اللہ تعالی کو دیکتے ہیں، بالکل جھوٹ اور باطل ہے، اس پر یقین کرنا بھی غلط و باطل ہے؛ لہٰذا اس شخص سے پرہیز کرنا چاہیے۔

(۲) دینا میں ان ظاہری کانوں سے اللہ کی آواز سننا ممکن ہے، چناں چہ حضرات انبیاء کرام نے اس کو سنا ہے، اگر ممکن نہ ہوتا تو یہ بات واقع ہی نہ ہوتی؛ لیکن اس کا دعوی ہر کوئی کردے اور ہم اس کو مان لیں، یہ کوئی معقول بات نہیں؛ لہٰذا اس کا مدعی جب تک دلیل نہ لائے کیوں کر اعتماد کیا جا سکتا؟

پھر سوال یہ ہے کہ اس آواز میں اس پیر کو کیا بات بتائی جاتی ہے؟ اگر شریعت کی بات ہو تو اصل تو شریعت ہے، لہٰذا اعتبار شریعت کا ہوگا، نہ کہ اس آواز کا؛ اور اگر اس میں شریعت کے علاوہ کوئی بات بتائی جاتی ہے تو اگر خلاف شرع ہے تو اس آواز کا اعتبار نہ ہوگا، بلکہ اس کو خدائی آواز کے بجائے شیطانی آواز سمجھا جائے گا اور اگر خلاف شرع نہ ہو تو اس پر عمل صرف مباح ہوگا، نہ کہ ضروری۔ آخر کار شرع ہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ پھر جو صاحب اس کا دعوی کرتے ہیں ان کا منشاء کیا ہے؟ اس کو بھی دیکھنا چاہئے پھر فیصلہ کرنا چاہئے۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حوض صغیر سے وضو کا حکم

سوال

عرض خدمت یہ کہ ہماری مسجد قبا (شامپور روڈ، بنگلور) کے حوض سے متعلق ذیل میں ایک استفتاء پیش ہے، ازراہ کرم جواب جلد از جلد مرحمت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

ہماری مسجد میں پہلے وضو بنانے کے لئے نل لگے تھے، مقتدیوں کی کثرت اور پانی کی قلت کی وجہ سے ہم نے ایک حوض تعمیر کیا ہے جو ۳۱ ہاتھ لمبائی (گولائی) اور ۲ ہاتھ گہرائی کا ہے، اس میں وضو بنانا کیسا ہے؟ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس سے وضو جائز نہیں؛ کیوں کہ یہ دہ در دہ نہیں اور بعض نے کہا کہ جائز ہے؛ مگر احتیاط کے خلاف ہے اس حوض پر کافی رقم بھی خرچ ہوئی، اب آپس میں اختلاف پیدا ہوگیا، تو بڑی پریشانی ہے۔ لہٰذا مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

فقط والسلام

ذمہ داران مسجد قباء

الجواب منه السداد والصواب

حامداً ومصلیاً ومسلماً: جو حوض دہ در دہ سے کم ہو اس میں وضو کرنا درست وجائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ پر علامہ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ نے ”البحر

الرائق“ میں بہت طویل بحث کی ہے، اصل مسئلہ جس کی بنا پر اس میں بحث ہوئی ہے یہ ہے کہ چھوٹے حوض میں وضو کرنے سے جو پانی اعضاء کا اسمیں گرتا ہے وہ ماء مستعمل (استعمال شدہ) ہے اور یہ پانی جب حوض کے پانی میں ملے گا تو حوض کا پانی پاک رہے گا یا ناپاک ہو جائے گا؟

اس میں فقہا کی عبارات میں اختلاف ہے اور صاحب البحر الرائق رَحِمَہُ اللہُ کے مطابق اس اختلاف کی بنیاد ماء مستعمل کے حکم میں اختلاف ہے، ماء مستعمل کے متعلق ایک قول ضعیف یہ ہے کہ وہ نجس وناپاک ہے؛ مگر صحیح قول یہ ہے کہ وہ پاک ہے، البتہ مطہر نہیں، اب جن علما نے اس حوض کے پانی کو ناپاک قرار دیا ہے جس میں اعضائے وضو کا پانی مل گیا، وہ ماء مستعمل کے نجس ہونے کے قول پر ہے، مگر چوں کہ صحیح قول یہ ہے کہ اعضاء سے گرنے والا مستعمل پانی پاک ہے اس لیے علامہ ابن نجیم رَحِمَہُ اللہُ نے بہت سے فقہا سے نقل کیا ہے کہ اس سے حوض کا پانی فاسد وناپاک نہیں ہوگا اور اس سے وضو کرنا جائز ہے بشرطیکہ حوض کا پانی اعضاء سے گرنے والے پانی کے مقابلے میں زیادہ ہو، ورنہ چونکہ غیر مطہر پانی زیادہ ہو جائے گا اس لئے وضو جائز نہ ہوگا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حوض اگر ”عشر فی عشر یعنی دہ دردہ“ نہ ہو؛ بل کہ چھوٹا ہو، جیسا کہ سوال میں لکھا گیا ہے تو اس سے وضو کرنا جائز ہے؛ کیوں کہ اس میں اعضاء کا پانی جو پڑتا ہے وہ حوض کے پانی کے مقابلے میں زیادہ نہیں ہوتا؛ بل کہ بہت کم ہوتا ہے۔

علامہ ابن نجیم رَحِمَہُ اللہُ نے طویل بحث کے بعد اس سلسلہ میں جو محقق فیصلہ سنایا ہے وہ یہ ہے:

”فالحاصل أنه يجوز الوضوء من الفساقي الصغار مالم

يغلب على ظنه أن الماء المستعمل أكثر أو مساوٍ، ولم يغلب على ظنه وقوع نجاسةٍ .''

(حاصل یہ ہے کہ چھوٹے حوضوں سے وضو کرنا جائز ہے جب تک کہ مستعمل پانی کے غالب یا برابر ہونے کا غالب گمان نہ ہو، اور نہ اس میں نجاست کے پڑنے کا بھی غالب گمان ہو۔)(۱)

صاحب درمختار علامہ حصکفی رَحِمَہُ اللہُ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

'' ففي الفساقي يجوز التوضؤ مالم يُعْلَمْ تساوي المستعمَل على ماحقّقه في البحر والنهر .''

(چھوٹے حوضوں سے وضو کرنا جائز ہے جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو کہ مستعمل پانی حوض کے پانی کے برابر ہے، جیسا کہ بحر الرائق اور نھر الفائق میں تحقیق کی ہے۔)

اس پر علامہ شامی رَحِمَہُ اللہُ نے لکھا ہے:

''أي الحياض الصغار يجوز التوضؤ منها مع عدم جريانها ، ومن جملة الفساقي مغطس الحمام ، وبِرَك المساجد ، ونحوها ممّا لم يكن جارياً ، ولم يبلغ عشراً في عشر الخ .''

(یعنی چھوٹے حوضوں سے وضو کرنا جائز ہے باوجود کہ وہ جاری نہیں ہوتے، اور چھوٹے حوض میں حمام کے مغطس (غوطہ لگانے کا حوض) اور مسجد کے چھوٹے حوض وغیرہ جو جاری نہ ہوں اور نہ دہ در دہ

(۱) البحر الرائق : ۱/۱۳۶

ہوں وہ سب بھی داخل ہیں۔)(۱)

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ چھوٹے حوض جن کو فساقی کہتے ہیں ان سے وضو کرنا جائز ہے، اگر چہ وہ بہنے والے پانی کے حکم میں نہیں اور نہ دہ دردہ ہے۔ نیز فتاوی دارالعلوم میں حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ نے بھی ایسے حوض سے وضو کو جائز قرار دیا ہے۔(۲)

لیکن ان سے وضو کا جواز اس وقت ہے جب کہ حوض کے پانی میں اعضاء سے گرنے والا پانی اگر گرتا ہے تو یہ گرنے والا پانی حوض کے پانی سے کم ہو، زیادہ یا برابر نہ ہو، علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ نے اس مسئلہ پر تفصیل سے کلام کر کے اس کو ثابت کیا ہے۔(۳)

اور علامہ شامی رحمۃ اللہ نے بھی موجودہ زمانے میں اس کی ترجیح کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ "منحة الخالق" میں کہتے ہیں کہ:

" وإذا كان كذلك فليكن التعويلُ عليه سيما وقد اختاره كثيرون ، و عامّةُ من تأخر عن الشارح تابعه على ذلك حتى صاحب النهر ، مع ما فيه من رفع الحرج العظيم على المسلمين ."

(اور جب بات ایسی ہے تو اعتماد اسی پر ہونا چاہئے ، بالخصوص جب کہ بہت سے فقہا نے اسی کو اختیار کیا ہے اور شارح یعنی ابن نجیم رحمۃ اللہ کے بعد آنے والے حضرات فقہا نے عام طور پر ان ہی کی

(۱) درمختار مع شامی: ۱۸۲/۱
(۲) فتاوی دار العلوم دیوبند : ۱۸۷/۱
(۳) بحر الرائق: ۱۷۴/۱

اتباع کی ہے حتی کہ صاحب نھر الفائق نے بھی، پھر اسی کے ساتھ اس میں مسلمانوں سے حرج عظیم کو دور کرنے کا فائدہ بھی ہے۔)(۱)

اس سبب کے علاوہ ایک اور بات بھی لائق توجہ ہے، وہ یہ کہ علما نے یہ جو کچھ بحث کی ہے، یہ اس صورت میں ہے کہ جب کہ ان چھوٹے حوضوں میں ہی اعضاء کو دھویا جائے اور ان اعضاء کا پانی حوض کے باہر نہیں؛ بل کہ حوض ہی میں پڑے۔

چناں چہ بحر الرائق میں اس بحث کے درمیان جو فقہی عبارات لائی گئی ہیں ان میں "انغماس فی الماء" اور "وضوء فی الفساقی" وغیرہ کے الفاظ ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ ان حوضوں میں غوطہ لگا کر غسل کیا، یا اعضاء کو اسی میں ڈال کر ان کو دھویا جائے، اب غور طلب یہ ہے کہ جب فقہا نے اس صورت کو بھی جائز قرار دیا ہے جس کی تحقیق اوپر گذری تو ہمارے یہاں حوض سے جو وضو کیا جاتا ہے اس کی صورت تو اور بھی اخف ہے کہ ہاتھ میں پانی لیکر نیچے نالی میں اعضاء کو دھوتے اور دھویا ہوا پانی نالی میں چھوڑ دیتے ہیں، اس صورت میں اس قسم کے حوضوں سے وضوء کرنے میں کوئی حرج واشکال نہیں ہے۔

علامہ شامی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے صاحب بحر الرائق کی تائید کرنے کے بعد یہ فرمایا کہ احتیاط یہ ہے کہ چھوٹے حوض میں اعضاء نہ دھوئے جائیں بل کہ چلو میں پانی لے کر حوض کے پانی کے باہر دھوئیں۔(۲)

یہ بعینہ وہی صورت ہے جو ہمارے علاقوں میں رائج ہے، علامہ شامی رَحِمَہُ اللّٰہُ جس کو احتیاط قرار دے رہے ہیں وہی صورت غیر محتاط کیوں کر ہو جائے گی؟

---

(۱) منحة الخالق علی البحر الرائق: ۱/۱۳۶-۱۳۷

(۲) شامی: ۱/۱۸۳

اس پوری بحث کے بعد سوال میں مذکور حوض جو ’’دہ دردہ‘‘ نہیں ہے اس میں وضو کے جائز ہونے کے سلسلے میں جو بات منقح ہوئی وہ یہ ہے کہ ایسے چھوٹے حوض جن کی مقدار ’’عشر فی عشر‘‘ یعنی ’’دہ دردہ‘‘ سے کم ہو ان میں غوطہ لگا کر یا ہاتھ ڈال کر وضو و غسل کرنے کے سلسلے میں صحیح و مفتی بہ قول یہ ہے کہ جائز ہے، بہ شرطیکہ بدن سے ملا ہوا پانی حوض کے پانی سے غالب یا برابر نہ ہو؛ بل کہ کم ہو۔ اور اگر اس حوض میں بدن کا مستعمل پانی نہ پڑنے دیں جیسے ہمارے علاقوں میں ہوتا ہے کہ ہاتھ میں پانی لیکر نالی میں اعضا دھوتے ہیں تب تو کوئی اشکال ہی نہیں، اور یہ بلا شبہ و بلا کراہت جائز ہے۔ **هذا ما عندی واللّٰہ اعلم وعلمه أتم واحکم**

فقط

محمد شعیب اللہ خان صاحب
مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم۔ بنگلور
۲۷/محرم/ ۱۴۱۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ جمعہ اردو میں

سوال

ایک زمانہ سے ہماری جامع مسجد میں اردو بیان ممبر کے اوپر سے چل رہا تھا؛ لیکن اب ایک حافظ صاحب اردو بیان منبر سے ہٹ کر دے رہے ہیں، اب آپ سے گزارش کی جاتی ہے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں پیغمبر اسلام اور صحابہ کرام کے عمل سے آپ صاف صاف واضح فرمائیں کہ ممبر سے ہٹ کر اردو بیان کرنا بہتر ہے یا ممبر پر کھڑے ہو کر بیان کرنا بہتر ہے اور ان میں سے سنت کون سا طریقہ ہے اور بدعت کون سا ہے؟ پوری دلیل کے ساتھ واضح فرمائیں اور ہم عوام کو مطمئن فرمائیں اور کچھ نصیحت بھی فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

(سکریٹری وصدر مرکزی شوری کنگل)

الجواب ومنه الصواب

سوالات مذکورہ کے جواب بالترتیب ملاحظہ فرمائیں:

حضرات فقہا کرام نے خطبۂ جمعہ کو فرض قرار دیا ہے اور اس کے شرائط، فرائض، سنن اور آداب بھی بیان کئے ہیں؛ تا کہ ہم خطبۂ جمعہ کے اس فریضہ کو بخوبی انجام دیں اور کسی ناجائز اور مکروہ کام کا ارتکاب کر کے اس فریضہ میں کوتاہی نہ کریں اور

خطبہ کی سنتوں میں ایک سنت اس کا عربی زبان میں ہونا بھی نقل کیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''مصفی شرح مؤطا'' میں فرمایا ہے:

''ولما لاحظنا خُطُب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائہ رضی اللہ عنہم وهلُمّ جراً ، فتنقحنا وجود أشياءٍ ، منها الحمد ، والشهادتين، والصلوة على النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، والأمر بالتقوی، وتلاوة آيةٍ، والدعاء للمسلمين والمسلمات ، وكون الخطبة عربيةً .''

(ہم نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے لوگوں کے خطبات کو ملاحظہ کیا تو ان میں چند امور کا ہونا منقح وثابت ہوا، ان میں سے اللہ کی حمد، توحید ورسالت کی شہادت، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود، تقوی کا حکم، آیت قرآن کی تلاوت، مسلمانوں کیلئے دعاء اور خطبہ کا عربی میں ہونا پایا گیا۔)

پھر آگے فرماتے ہیں:

''خطبہ کا عربی میں ہونا اس لئے کہ مشرق ومغرب میں مسلمانوں کا عمل اسی پر چلا آرہا ہے، حالانکہ بہت سے ممالک میں ان کے مخاطب عجمی تھے۔''(۱)

اس عبارت سے واضح ہوا کہ خطبۂ جمعہ میں اللہ کے نبی علیہ السلام اور آپ کے بعد خلفاء راشدین اور ان کے بعد ہر زمانہ اور علاقہ کے مسلمان اور علما وائمہ وخطبا کا طریقہ اور سنت یہی تھی کہ عربی میں ہو۔

---

(۱) بحوالہ فتاوی عبد الحی لکھنوی: ۲/۲۴۸

نیز امام محمد اور امام یوسف رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ:

”غیر عاجز یعنی جو عربی میں خطبہ پڑھنے سے عاجز نہ ہو وہ اگر عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں خطبہ دے گا تو یہ خطبہ صحیح نہ ہوگا، یعنی خطبہ ادا ہی نہ ہوگا۔“

اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”خطبہ تو ہو جائے گا یعنی ذمہ سے ساقط ہو جائے گا (اگر چہ مکروہ بھی ہوگا۔“(۱)

امام اعظم ابو حنیفہ اور امام یوسف رحمہما اللہ کے اس اختلاف سے یہ بات واضح ہوئی کہ خطبہ کا عربی میں ہونا امام محمد و امام یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک اتنا ضروری ہے کہ عربی میں خطبہ پڑھنے کی قدرت کے باوجود غیر عربی میں خطبہ دے گا تو خطبہ ہی نہ ہوگا اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے پاس اگر عربی پر قدرت ہو تو اگر چہ خطبہ ادا ہو جائے گا مگر مکروہ ہوگا۔ چنانچہ علامہ عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ نے اپنے فتاوی میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کا یہی مطلب بیان کیا ہے کہ عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں خطبہ دینے سے ادا ہو جائے گا مگر مکروہ ہوگا۔ (۲)

حاصل یہ نکلا کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک بھی غیر عربی میں خطبہ نا جائز ہے؛ البتہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نا جائز ہونے کے باوجود ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ خطبہ ہی ادا نہ ہوگا۔

---

(۱) دیکھو: در مختار مع شامی: ۱/۴۸۴، بدائع الصنائع: ۱/۲۹۹ وغیرہ

(۲) فتاوی عبد الحی: ۲/۳۷۸

اب غور فرمالیں کہ اتنی اہم سنت کو ترک کر کے منبر پر اردو میں خطبہ دینا کیسے روا ہوسکتا ہے؟ علمانے صراحت کے ساتھ اردو میں خطبہ دینے کو بدعت قرار دیا ہے۔

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رَحمہُ اللہ فرماتے ہیں:

”انہی مروجہ بدعات میں سے جمعہ کے دن اور عیدین میں غیر عربی زبان میں خطبہ دینا ہے یا اس کا عجمی زبان میں ترجمہ کرنا ہے، یہ طریقہ خیر القرون کے بعد بے علم لوگوں نے ایجاد کیا ہے۔“(۱)

اور حضرت مولانا مفتی شفیع احمد صاحب مفتی اعظم پاکستان رَحمہُ اللہ لکھتے ہیں:

”خطبۂ جمعہ عربی کے سوا کسی اور زبان میں پڑھنا یا عربی میں پڑھ کر دوسری زبان میں اسی وقت ترجمہ کرنا بدعت اور ناجائز ہے اور حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم اور تمام خلفاء راشدین اور تمام صحابۂ کرام کے عمل اور قرون مشہود لھا بالخیر کے تعامل کے خلاف ہے۔“(۲)

لہٰذا صحیح و سنت طریقہ یہی ہے کہ خطیب دو خطبے عربی زبان میں منبر کے اوپر پڑھے، احادیث سے یہی بات ثابت ہوتی ہے، اور علما کے کلام سے بھی اسی کا ثبوت ہوتا ہے۔

جو لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں وہ دو طرح استدلال کرتے ہیں: ایک تو اس طرح کہ خطبہ وعظ و نصیحت اور تذکیر و ترغیب ہے، اگر وہ لوگوں کی ان کی زبان میں نہ ہو تو لوگ اس سے کیسے فائدہ اُٹھائیں گے اور عربی میں وعظ کہنے سے اردو داں طبقہ میں کس کو سمجھ میں آئے گا؟ لہٰذا خطبہ لوگوں کی اپنی زبان میں ہونا چاہئے۔

---

(۱) فتاوی عبد الحی : ۲/۲۴۸

(۲) جواھر الفقہ : ۱/۳۵۸

اس شبہ واستدلال کا جواب یہ ہے کہ خطبہ کو قرآن کریم میں ''ذکر'' کہا گیا ہے نہ کہ تذکیر ووعظ، چناں چہ ارشاد ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلوٰةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللهِ وَذَرُوْا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ.﴾ (الجمعۃ: ۹)

(اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن اذان دے دی جائے تو ذکر اللہ کی طرف دوڑو، اور خرید وفروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔)

اس آیت میں ذکر اللہ جس کو کہا گیا ہے اس سے مراد خطبہ ہے، معلوم ہوا کہ خطبہ ذکر ہے اور ذکر کے لیے سمجھنا کوئی لازمی بات نہیں؛ بل کہ مقصود اس سے اطاعت وفرماں برداری اور دل سے اللہ کی یاد ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے نماز کو بھی ذکر قرار دیا ہے اور حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ: ''أقم الصلوة لذكري'' (میرے ذکر کے لئے نماز قائم کرو۔) (طٰہٰ: ۱۴)

مگر یہاں کوئی نہیں کہتا کہ نماز اپنی زبان میں ہونا چاہئے؛ کیوں کہ سب جانتے ہیں کہ یہ ذکر ہے اور ذکر میں سمجھنا ضروری نہیں، اسی طرح خطبہ کا مقصود ذکر اللہ ہے نہ کہ وعظ وتذکیر، لہٰذا اس میں بھی سمجھنا لازم نہیں۔

دوسرا استدلال ان لوگوں کا بعض فقہی عبارات سے ہے، مثلاً یہ عبارت جو صاحب ہدایہ رحمہ اللہ نے لکھی ہے کہ: ''والخطبة والتشهد على هذا الاختلاف'' (اسی اختلاف پر خطبہ اور تشہد بھی ہیں)، اس کی وضاحت یہ ہے کہ ہدایہ میں اولاً یہ مسئلہ آیا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں قرآن فارسی وغیرہ عجمی زبان میں پڑھے تو کیا حکم

ہے؟ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اس سے نماز درست ہو جائے گی لیکن سنت متوارثہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے بلا عذر ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا، اور امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ کا مسلک یہ ہے کہ جو عربی پڑھنے پر قدرت رکھتا ہو اس کی تو نماز ہی نہ ہوگی اور جو قدرت نہ رکھتا ہو اس کی نماز ہو جائے گی۔(۱)

اس کے بعد وہ عبارت ہے جو ابھی نقل کی گئی کہ ''اسی اختلاف پر خطبہ اور اذان کا مسئلہ بھی ہے''، اس سے غیر عربی میں خطبہ کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ خطبہ میں بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک جواز کا ہے، مگر یہ استدلال بالکل غلط ہے؛ کیوں کہ اولاً تو خود صاحب ہدایہ رحمہ اللہ نے اسی موقعہ پر ذکر کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اصل مسئلہ میں ہی رجوع کر لیا ہے، تو رجوع کے بعد اس سے استدلال ایسا ہے جیسے کوئی منسوخ آیت سے کسی بات پر استدلال کرے، لہٰذا امام صاحب رحمہ اللہ کے اس مسئلہ سے رجوع کے بعد اس سے استدلال کا کوئی حق نہیں، دوسرے اس لئے بھی یہ استدلال صحیح نہیں کہ امام صاحب نے قرأت کے مسئلہ میں بھی یہ وضاحت کر دی ہے کہ غیر عربی میں قرآن پڑھنے سے نماز اگر چہ ہو جائے گی مگر وہ شخص عربی پر قدرت رکھنے کے باوجود ایسا کرے گا تو وہ گنہ گار ہوگا؛ کیوں کہ یہ سنت متوارثہ کے خلاف ہے، جب امام صاحب خود اس کو سنت کے خلاف اور اس کے مرتکب کو گنہ گار کہہ رہے ہیں تو اس سے استدلال مطلقاً غیر عربی میں جواز خطبہ پر کرنا کیا صحیح ہے؟

معلوم ہوا کہ فقہا کا منشأ ان عبارات سے صرف یہ بیان کرنا ہے کہ اگر کوئی شخص غیر عربی میں خطبہ دے گا تو خطبہ ہو جائے گا اور اس کے سر سے ذمہ اُتر جائے گا، یہ نہیں کہ یہ عین سنت ہے اور اسی طرح کیا جانا چاہئے اور اس سے بلا کراہت خطبہ ادا ہو جائے گا۔

---

(۱) هدایه: ۱/۱۰۱-۱۰۲

ان دو باتوں میں بہت فرق ہے۔ لہٰذا انہی عبارات سے نتیجہ یہ نکلا کہ غیر عربی میں خطبہ دینے سے ہو تو جائے گا مگر اس طرح کرنا خلاف سنت اور باعث کراہت اور گناہ ہے۔

البتہ خطبہ سے پہلے یا بعد عام وعظ یا تقریر منبر سے ہٹ کر خواہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر کرے تو مضائقہ نہیں اور بعض صحابۂ کرام سے اس کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ خطبہ سے پہلے منبر کے قریب لوگوں کو وعظ کہتے تھے۔ چناں چہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ جمعہ کے دن منبر کی ایک جانب کھڑے ہو کر احادیث سنا یا کرتے تھے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

« كان أبوهريرة يقوم يوم الجمعة إلى جانب المنبر يقول : قال أبوالقاسم ، قال محمد ، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ، قال الصادق المصدوق الخ. »

(حضرت ابو ہریرہ جمعہ کے دن منبر کی ایک جانب کھڑے ہو کر (حدیثیں بیان کرتے ہوئے) کہتے کہ حضرت ابوالقاسم نے فرمایا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حضرت صادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وغیرہ)(۱)

الغرض آپ کے امام صاحب نے جو کچھ کیا وہ سنت کے عین مطابق اور فقہا کرام کے بیانات کے عین موافق ہے۔ فقط

محمد شعیب اللہ خان صاحب
الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم بنگلور
۲۶/ جمادی الاولی ۱۴۲۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۂ جمعہ سے قبل وعظ و بیان

سوال

جمعہ کے دن اذان ثانی سے قبل منبر پر بیٹھ کر تھوڑی دیر اردو میں وعظ وتقریر ہوتی ہے، اس کے بعد اذان ثانی ہوتی ہے، اذان کے بعد منبر پر کھڑے ہوکر دونوں خطبے یعنی خطبۂ اولی اور خطبۂ ثانیہ عربی میں دیتے ہیں، اس کے بعد نماز جمعہ ہوتی ہے۔ کیا یہ طریقہ غلط ہے؟

صورت مسئولہ میں اصل جواب طلب امر صرف اتنا ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی سے قبل منبر پر بیٹھ کر جو اردو تقریر ہوتی ہے کیا اس میں کوئی کراہت ہے؟ جمعہ کے اذان ثانی سے پہلے منبر پر بیٹھ کر یا منبر کے نیچے کھڑے ہوکر تقریر کرنا بدعت ہے؟

مولانا اسلام انجم صاحب
(خطیب وامام مسجد ماولی بنگلور)

الجواب ومنه الحق والصواب

جمعہ کی اذان ثانی سے قبل علی المنبر یا تحت المنبر کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر وعظ و بیان کرنا، اردو میں ہو یا اور کسی زبان میں بلا کراہت جائز ہے؛ کیوں کہ وعظ و بیان

لوگوں کی تذکیر کے لئے ہوتا ہے، اور وہ کسی بھی زبان میں کسی بھی وقت جائز ہے۔ اسکے مکروہ و بدعت ہونے کی کوئی دلیل نہیں، جس طرح قبل الفجر یا بعد الفجر یا کسی اور نماز کے پہلے یا بعد وعظ کی اجازت ہے اسی طرح قبل الجمعہ بھی اس کی اجازت ہے۔

حضرات صحابہ میں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خطبہ سے قبل منبر کے قریب ہوکر وہ لوگوں کو احادیث سنایا کرتے تھے۔

چنانچہ امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنے مستدرک میں روایت کیا ہے:

"كان أبوهريرة رضي الله عنه يقوم يوم الجمعة إلى جانب المنبر ، ثم يقبض على رمانة المنبر ، يقول : قال أبو القاسم ، قال محمد، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ، قال الصادق المصدوق الخ ."

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن منبر کی ایک جانب کھڑے ہوتے اور منبر کے کونے پکڑ کر (حدیثیں بیان کرتے ہوئے) کہتے کہ حضرت ابو القاسم نے فرمایا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حضرت صادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وغیرہ۔)(۱)

اس حدیث کو بیان کر کے امام حاکم ابو عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" إنما الغرض فيه استحباب رواية الحديث على المنبر قبل خروج الامام ."

(یعنی اس حدیث کو پیش کرنے سے غرض یہ بتانا ہے کہ منبر پر امام خطیب کے آنے سے قبل حدیث بیان کرنا مستحب ہے۔)

(۱) مستدرك : ۱/۱۹۰

نیز مصنف ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ میں ہے:

" کان ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ یحدثنا یوم الجمعۃ حتی یخرج الامام ."

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہم کو جمعہ کے دن امام کے تشریف لانے تک حدیث سناتے تھے۔)(۱)

اس طرح عبداللہ بن بشر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ جمعہ میں خطبہ سے قبل احادیث بیان کرتے تھے، اس کو بھی ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔(۲)

نیز حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے وعظ بیان کرنے کی جازت لی، پہلے تو آپ نے اجازت نہیں دی، پھر اجازت دے دی۔ چناں چہ وہ جمعہ میں حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان حضرات کے تشریف لانے سے پہلے وعظ بیان کرتے تھے۔

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے اپنے مصنف میں حضرت امام زہری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا:

" أول من قص تميم الداري على عهد عمر، استأذنه فى كل جمعة مقاماً ، فأذِنَ له فكان يقوم ، ثم استزاده مقاماً آخر ، فزاده ، فلما كا ن عثمان رضی اللہ عنہ استزاده مقاماً آخر ، فكان يقص فى الجمعة ثلاث مرات ."

(سب سے پہلے حضرت تمیم داری رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیان کیا تھا، انھوں نے ہر جمعہ میں ایک مقام پر

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ : ۲/۱۳۷

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ : ۲/۱۳۷

بیان کی اجازت چاہی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت دیدی، لہٰذا وہ اس مقام پر کھڑے ہوکر بیان کرتے تھے، پھر ایک اور جگہ بڑھانے کی درخواست کی تو انھوں نے اس کی بھی اجازت دیدی، اور جب حضرت عثمان کا زمانہ آیا تو انھوں نے ایک اور موقعہ کی اجازت چاہی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی بھی اجازت دیدی، لہٰذا وہ جمعہ میں تین مواقع پر بیان کرتے تھے۔)(۱)

اور کنز العمال میں ہے کہ سائب بن یزید نے کہا:

" أنه لم يكن يقص على عهد النبى صلى الله عليه وسلم ولا أبى بكر رضي الله عنه ولا عمر رضي الله عنه ، وكان أول من قصّ تميم الدار ى، استاذن عمر أن يقص على الناس قائماً ، فأذن له، فقص قائماً ."

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے اور حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں بیان نہیں کیا جاتا تھا اور سب سے پہلے حضرت تمیم داری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے، انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت لی کہ وہ لوگوں کو کھڑے ہوکر کچھ بیان کریں گے تو آپ نے اجازت دیدی، پس وہ کھڑے ہوکر بیان کیا کرتے تھے)(۲)

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ قبل اذانِ خطبہ متعدد حضرات صحابہ وعظ بیان کرتے تھے اور ان کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت عبید بن عمر رحمہ اللہ

(۱) مصنف عبدالرزاق : ۳/۲۱۹

(۲) کنز العمال : ۱۰/۲۸۱

جو مشہور تابعی اور فقیہ و محدث ہیں وہ بھی وعظ کیا کرتے تھے۔ (۱)

بہ ہر حال ان روایات سے معلوم ہوا کہ جمعہ سے قبل وعظ بیان کرنا درست ہے، حضرات صحابہ کے عمل سے ثابت ہے اور حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما جیسے اصحاب رسول کے عہد اور دور خلافت میں مسلسل اس پر عمل ہوتا رہا ہے اور کسی سے اس پر نکیر کرنا منقول نہیں؛ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ بدعت یا مکروہ نہیں ہے۔

اور میں نے جو کہا کہ مسلسل عمل ہوتا رہا ہے تو اس کی دلیل ایک تو یہی ہے کہ بعض جگہ الفاظ اس طرح کے آئے ہیں: ”کان یحدثنا“ (ہم کو حدیث سناتے تھے)، یہ استمرار کا صیغہ ہے، پھر متعدد حضرات کا نام آنا بھی دلیل ہے اس کی کہ مسلسل یہ کام ہوتا رہا ہے، پھر خود تصریح آئی ہے کہ حضرت تمیم داری رحمہ اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے تک بھی بیان کرتے رہے۔ جو کام اسطرح مسلسل ہوتا رہا ہو اور سینکڑوں صحابہ وتابعین نے اسکا مشاہدہ کیا ہو اور انکار نہ کیا ہو وہ مکروہ و بدعت کیسے ہوسکتا ہے؟

حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ شرح احیاء العلوم میں ہے کہ عبد اللہ بن بسر، عبد اللہ بن عمر اور ابو ہریرہ قبل الجمعہ دینی مجلس کو جائز فرماتے ہیں۔ (۲)

اس کے بعد قریب زمانے کے اکابر علماء کے بعض فتاوی بھی درج کرتا ہوں جو میری تحریر کی توثیق کرتے ہیں، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان صاحب رحمہ اللہ مفتی دار العلوم دیو بند فرماتے ہیں کہ اگر وقت میں گنجائش ہو اور کچھ ضرورت ہو تو قبل نماز جمعہ وعظ کہنا مکروہ نہیں۔ (۳)

---

(۱) کنز العمال : ۲۸۱/۱۰

(۲) بحوالہ فتاوی رحیمیہ : ۲۶۶/۱

(۳) فتاوی دار العلوم دیو بند : ۹۸/۵

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ خطبہ سنانا تذکیر ہے اور آیت: ”وذكر فان الذكرى تنفع المؤمنين“ (اور نصیحت کیا کرو کیوں کہ نصیحت مومنین کو فائدہ دیتی ہے) اپنے عموم سے ہر وقت کے تذکیر کی اجازت دیتی ہے، بجز ان مواقع کے جو مستقل دلائل سے ممنوع ہیں، (اس کے بعد دو قیدیں بیان فرماتے ہیں) ایک یہ کہ عوام الناس اس کو ہمیشہ کے لئے لازم نہ سمجھیں، دوسری یہ کہ مذکر (واعظ) اس وقت منبر سے دور (الگ) ہو؛ تاکہ ہیئت خطبہ کا ایہام نہ ہو (آگے فرماتے ہیں) ان قیود کے ہوتے ہوئے کوئی امر جواز سے مانع نہیں، لہٰذا جواز کا حکم کیا جائے گا اور کوئی وجہ کراہت کی نہیں، نہ اس فعل میں نہ اس فعل سے نماز میں۔ (۱)

ان حضرات کے فتاوی سے بھی معلوم ہوا کہ خطبہ سے قبل وعظ و بیان جائز ہے، البتہ ایسا التزام نہ کرنا چاہئے کہ لوگ اس کو لازم خیال کر بیٹھیں، لہٰذا یا تو کبھی کبھی ترک کر دیا جائے، یا کم از کم وعظ ہی میں بتا دیا جائے کہ یہ تقریر و بیان خطبہ جمعہ سے الگ ہے، لہٰذا یہ لازم نہیں، تاکہ لوگ حدود سے تجاوز نہ کریں؛ اور منبر سے الگ ہونے کی قید اسلئے کہ لوگ اس کو خطبہ نہ خیال کریں، لہٰذا منبر سے الگ کھڑے ہو کر یا کرسی وغیرہ پر بیٹھ کر بیان کیا جائے۔

حاصل یہ کہ جمعہ کے دن اذان ثانی سے قبل اردو یا کسی اور زبان میں وعظ و تقریر کرنا جائز ہے، اس کے ناجائز یا مکروہ و بدعت ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان صاحب

۲۷، ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ

---

(۱) امداد الفتاوی: ۱/۶۴۹-۶۵۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مشینی ذبیحہ کا شرعی حکم

سوال

سوال نامہ میں مشینی ذبیحہ کی دو صورتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن میں اختلاف ہے:

(۱) مشین میں بہت سی چھریاں لگی ہوتی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے سامنے ایک ایک جانور رکھا جاتا ہے اور ایک بار بٹن دبا کر بجلی سے حرکت کرنے والی ان چھریوں کے ذریعہ تمام جانوروں کو بیک دم ذبح کر دیا جاتا ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ کہ ایک ہی چھری ہوتی ہے اور جانور لائن سے لگے ہوتے ہیں جو مشین چلنے سے باری باری اس چھری کے سامنے آتے ہیں جو بجلی سے حرکت کرتی ہے اور وہ چھری ان جانوروں کو باری باری سے ذبح کرتی ہے۔

الجواب و منہ الصواب

احقر کی رائے میں دونوں صورتوں میں ذبیحہ حلال ہو جاتا ہے بہ شرطیکہ حلت ذبیحہ کی تمام دیگر شرائط پائی جائیں؛ کیوں کہ شرعی احکام کا مدار مقاصد پر ہوتا ہے، نہ کہ اسباب وآلات، ذرائع ووسائل پر، "**الأمور بمقاصدها**" فقہی قاعدہ ہے۔

کسی زمانے میں ہاتھ سے چلنے والی چھری تھی اور اب بجلی سے حرکت میں

آنے والی چھری آ گئی ہے، شرائط ذبح کے ہوتے ہوئے، خواہ اس سے ذبح کیا جائے، یا اُس سے ذبح کیا جائے ان دونوں میں شرعاً کوئی فرق نہیں۔ ہاں شرائط کے تحقق ہی میں کلام ہو کہ اس ذریعہ وسیلہ سے کام لینے کی صورت میں شرائط مفقود ہو جائیں تو بات دیگر ہے۔

آخر فقہاء کرام نے جو یہ لکھا ہے:

"حل المذبوح بكل ما افرى الأوداج وانهر الدم ولو بنار وبليطة أو مروة." (۱)

اس سے اتنا تو واضح ہے ہی کہ دیگر شرائط کے پائے جانے کے ساتھ قطع اوداج وانہار دم ہو جائے تو مذبوح حلال ہو جاتا ہے، خواہ قطع کرنے اور انہار کرنے والی چیز چاقو ہو، یا آگ ہو، یا لکڑی ہو، جس سے بھی انہارِ دم وقطعِ اوداج ہو جائے وہ کافی ہے؛ لہٰذا اگر شرائط پائی جائیں تو مشینی ذبیحہ جو بجلی کی چھری سے کام کرنے والی مشین کے ذریعہ ذبح کیا جاتا ہے حلال ہونا چاہئے اور بٹن دبا کر مشین کو حرکت میں لانے والا ذابح شمار ہوگا؛ کیوں کہ فاعل وہی ہے اور قاعدہ ہے کہ فعل ونتیجۂ فعل میں اگر کسی غیر مکلّف شئ کا واسطہ ہو تو نتیجۂ فعل کا انتساب فاعل مختار یعنی انسان ہی کی طرف ہوتا ہے۔

البتہ پہلی صورت میں ذابح یعنی بٹن چلانے والے پر صرف ایک دفعہ تسمیہ واجب ہوگا اور دوسری صورت میں ہر ہر جانور کے ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنا ہوگا اور بٹن چلانا پڑے گا۔

---

(۱) درمختار: ۹/۴۲۸

درمختار میں ہے:

" ولو اضجع شاتين إحداهما فوق الأخرى ، فذ بحهما ذبحةً واحدةً بتسميةٍ واحدةٍ حلّا بخلاف ما لو ذبحهما على التعاقب الخ" (۱)

لہٰذا دوسری صورت میں ایک دفعہ بٹن چلا کر ایک جانور حلال ہوسکتا ہے، پھر دوسرے کے لیے دوسری دفعہ بٹن چلانا اور تسمیہ پڑھنا ہوگا، وإلا فلا۔

فقط

حررہ العبد محمد شعیب اللہ خان

بتاریخ: ۸/ستمبر ۱۹۹۳ء

(۱) شامی: ۶/۳۰۲